خطباتِ مجاہد (اوّل)
تصنیف وتالیف
مفتی محمد مجاہد الاسلام قادری
رضوی کتاب گھر دہلی

انتساب

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

اس مصدرِ فیوض و برکات ذات کے نام جس کے روحانی فیض سے کائنات کا ذرہ ذرہ شاداب ہے۔

یعنی

پیرانِ پیر، دستگیر، روشن ضمیر، قطب ربانی، شہبازِ لامکانی، محبوبِ سبحانی، سیدنا شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی بغدادی علیہ رحمۃ الباری سے خطبات کا ایک ایک نقطہ منسوب کرتا ہوں۔

مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا (اعلیٰ حضرت)

ہر گھڑی مجاہد کو غوث ہی سنبھالیں گے
کیونکہ سب مریدوں کو آج تک سنبھالا ہے (مجاہد)

محمد مجاہد الاسلام قادری

فہرست مضامین

☆☆☆

مصنف کا مختصر تعارف

نام : ابو مہک محمد مجاہد الاسلام قادری ساکن پانکی، کشن گنج، پورنیہ، بہار
ناظم اعلیٰ دار العلوم امام احمد رضا، سہ ولی شریف، بہار۔

والدگرامی : محمد اشیر الدین ابن محمد ارشاد علی (مرحوم) ابن محمد بتو
(مرحوم) ابن پیر بخش (مرحوم) ابن خدا بخش (مرحوم)

والدہ محترمہ : مہر النساء بنت محمد ایمان علی (مرحوم)

وطن : شرقی ٹولہ پانکی، پورنیہ، بہار

تولد : ۱۹۷۲ء

تعلیم : فاضل درس نظامیہ، ادیب، ماہر، کامل جامعہ اردو، علی گڑھ۔
منشی، مولوی، عالم، دینیات عربی فارسی بورڈ الہ آباد۔
وسطانیہ، فوقانیہ مولوی، عالم بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، پٹنہ بہار

مشغلہ : تدریس و تقریر

فراغت : منظر اسلام بریلی شریف و اجمل العلوم سنبھل مراد آباد

☆☆☆

تقریظ جلیل

استاذ العلماء، پیر طریقت، خطیب اہلِ سُنّت محدّث گجرات شیرِ ہندوستان حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد معین الدین صاحب رضوی اشرفی، خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند متولی خواجہ مسجد، ناظمِ اعلیٰ جامعہ معین العلوم سرکارکلاں خواجہ نگر، نارول، احمد آباد

۹۲_۸٦ ۷

نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسوله الکریم

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

فروغِ اسلام کے لیے جو بھی طریقے ہوں وہ ہر حال میں اچھے ہیں۔ علمائے کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ اسلام کبھی مجاہدینِ اسلام کی تلوار سے اور کبھی اولیائے کرام کے کردار سے اور علمائے کرام کی گفتار سے نکھرتا رہے گا، جلا پاتا رہے گا۔ گفتار میں قلم وزبان دونوں شامل ہیں لیکن زبان کی تاثیر سے قلم کی تاثیر دیرپا ہے۔ اِسی کے پیش نظر کتاب مستطاب ''خطباتِ مجاہد'' منصۂ شہود پر آشکارا ہے۔ جس کے مصنف ومرتب فاضلِ علوم اسلامیہ، گوناگوں علوم وفنون کے ماہر تجربہ کار مدرّس، جن کی تدریسی زندگی یوپی، بہار اور مہاراشٹر کی دنیا میں نمایاں ہے۔ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف جو مرکزِ اہلِ سُنّت ہے، اُسی چمن کے کھلتے ہوئے پھول حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد مجاہد الاسلام صاحب قادری نے انوکھے اور اچھوتے انداز میں علماء وطلبہ اور عوام کے لیے تحریر فرما کر ایک عظیم سرمایہ عنایت کیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب ''شانِ اعلیٰ حضرت''، ''معرکۂ حق وباطل''، ''فلاحِ کونین'' وغیرہ عنوانات پر مشتمل ہے۔ مناسب الفاظ، موزوں اشعار،

اندازِ ترتیب، عبارت کی رعنائی و دلکشی، اُتار چڑھاؤ، حسین امتزاج، گویا بھرپور نسخۂ کیمیا ہے، جسے دیکھ کر دل کو بڑی مسرّت ملی۔ حالانکہ یہ اُن کی پہلی کاوش ہے۔ اگر سلسلۂ تحریر جاری رہا تو وہ دن دور نہیں کہ بہترین مصنفین کی صف میں نظر آئیں گے۔ میری دُعا ہے کہ ربِ ذوالمنن اپنے حبیب کاشف محن ﷺ کے صدقے و طفیل مولانا موصوف کو ریب المنون سے محفوظ و مامون رکھے اور مزید تصنیفات و تالیفات کی توفیقِ رفیق بخشے، نیز علماء، طلبہ اور عوامِ اہلِ سُنّت کتابِ ہٰذا کی جانب متوجہ ہوں۔ (امین ثم امین بجاہ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم)

دعاگو

محمد معین الدین رضوی

شیخ الحدیث جامعہ معین العلوم، نارول، احمد آباد گجرات

نزیل برائے پروگرام محرم الحرام، کلیان ممبئی مہاراشٹر

نذرِ عقیدت

جانِ ایمان، روحِ کائنات، جناب محمد رسول اللہ (ﷺ) کے آستانہ عالیہ میں حیات اور پورا سرمایۂ حیات نچھاور ہے ۔

گر قبول افتد زہے عزت و شرف

مچلا ہے کہ رحمت نے اُمید بندھائی ہے
اے بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے

محمد مجاہد الاسلام قادری

ہدیۂ عقیدت

جن کے روحانی فیوض و برکات اور نوازشات وعنایات نے مجھے دین و دنیا کی نعمتوں سے بہرہ ور فرمایا:

یعنی

☆ سلطان العارفین حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی (علیہ الرحمۃ)
☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی (علیہ الرحمہ)

روشنائی کی ایک ایک بوند ان بزرگوں کی دہلیز پر خراجِ عقیدت پیش کر رہی ہے۔

محمد مجاہد الاسلام قادری

☆☆☆

گلہائے عقیدت

جن کی خصوصی توجہات اور نظرِ عنایات نے مجھے اپنی اُمیدوں سے کہیں زیادہ عطا فرمایا اور تدریس وافتاء کے قابل بنایا۔

(۱) استاذ العلماء فقیہ النفس حضرت علامہ و مولانا محمد نور عالم صاحب قبلہ رشیدی۔ پرنسپل دارالعلوم حامدیہ اشرفیہ، سنبھل، مرادآباد۔ یوپی

(۲) جامع معقولات ومنقولات محدثِ کبیر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شائق القادری صاحب قبلہ رشیدی شیخ الحدیث دارالعلوم حامدیہ اشرفیہ، سنبھل، مرادآباد

(۳) مصنف تصانیفِ کثیرہ بحرالعلوم حضرت علامہ و مولانا مفتی محمد منظور عالم صاحب قبلہ رضوی، شیخ الحدیث جامعہ نوریہ پیلی بھیت شریف، و بانی دارالعلوم غوث الوریٰ، متصل بائسی بازار، بہار

ان تین معزز ہستیوں کے قدموں پر سرمایۂ حیات حاضر ہے۔

طالب دعا: محمد مجاہد الاسلام قادری

ایصالِ ثواب

اپنے نانا محمد ایمان علی مرحوم ومنشی قطب علی مرحوم پلسباڑی اور دادا محمد ارشاد علی مرحوم متوفی جنوری ۱۹۷۹ء اور پر دادا محمد بتو مرحوم متوفی فروری ۱۹۸۶ء جن کی پیہم تاکید اور دعائے سحر گاہی کی برکت سے مَیں کسی قابل ہوا۔ کتاب کے ایک ایک حرف کا ثواب ان مرحومین کی روحوں کو ایصال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی قبروں پر رحمتوں کے پھول برسائے۔ آمین

دعا گو: محمد مجاہد الاسلام قادری

گوہرسعادت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

زیرِ نظر کتاب مفتی مجاہد الاسلام کی تقریروں کا مجموعۂ انتخاب ہے۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ مفتی مجاہد الاسلام کے علم وعمل میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے اور اس کاوش کو مبتدی مقررین کے لیے مشعلِ راہ بنادے اور ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

فقیر محمد قمر رضا القادری رضوی غفرلہٗ آستانہ عالیہ رضویہ، بریلی شریف

تاثرات

از قلم استاذ الاساتذہ پروفیسر معقولات ومنقولات

حضرت مفتی محمود اختر صاحب قبلہ ممبئی

زیرِ نظر کتاب "خطباتِ مجاہد" قبل اشاعت جستہ جستہ دیکھنے کا موقع میسر آیا حضرت مفتی مجاہد الاسلام صاحب نے آٹھ خطبات مع بہارِ خطابت و بہارِ نقابت کا یہ مجموعہ تحریر فرما کر مبتدی مقررین ومبلغین کے لیے ایک نیا اور بیش قیمت تحفہ عنایت فرمایا ہے۔ لہٰذا علما، طلبہ اور عوامِ اہلِ سنت کتاب ہٰذا کی طرف متوجہ ہوں۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو دونوں جہان میں عزت ونعمت عطا فرمائے اور ان کی اس کاوش کو عوام وخواص میں مقبول بنادے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

فقیر محمد محمود اختر غفرلہٗ

☆☆☆

تأثرات

از خواجۂ علم و فن حضرت علامہ مزمل حسین صاحب قادری
صدر المدرسین الجامعۃ الامجدیہ بھیونڈی مہاراشٹر

فاضلِ جلیل، عالمِ نبیل، غوّاصِ علومِ دینیہ محترم مفتی محمد مجاہد الاسلام صاحب قادری کی زیرِ نظر کتاب مستطاب ''خطبات مجاہد'' بالاستیعاب دیکھنے کا موقع میسر آیا۔ حضرت علامہ جہاں ایک بہترین مدرّس و مفتی ہیں، وہیں ایک علمی، ادبی فصیح و بلیغ شاہکار خطیب بھی ہیں۔ مضامین کی حسن کاری، الفاظ کی دل فریبی، جملوں کی تک بندی کے برمحل استعمال نے معیارِ خطابت کو بلند سے بلند تر کر دیا ہے۔

ساتھ ہی ساتھ روایت کو محقق و مستند کرنے کے لیے آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، فرموداتِ علما و صلحا، اشعار کا برمحل استعمال، تاریخ و سیر کے شگوفے، مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے مقفع و مسجع عبارتیں اور اقوالِ زرّیں وغیرہ کا بھرپور استعمال کیا گیا ہے۔

بہر حال یہ اُن کی کاوشِ قلم کا نتیجہ ہے جو اپنے موضوع اور طرزِ تحریر کے اعتبار سے نادر و نایاب ہے۔ بالخصوص مدارسِ اسلامیہ کے طلبا کے لیے نایاب تحفہ ہے۔

میری دعا ہے کہ رب کریم موصوف کو بیش از بیش دینی، علمی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے، اور حوادثِ زمانہ سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

رشحاتِ قلم
محمد مزمل حسین قادری
خادم الطلباء الجامعۃ الامجدیہ، بھیونڈی

☆☆☆

تأثرات

از قلم: ادیب شہیر خطیب بے نظیر

حضرت مولانا مفتی ملک الظفر صاحب قبلہ پی ایچ ڈی

شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام، بہار

مانی الضمیر کے اظہار کے لیے زبان وقلم کی اہمیت ہر دَور میں تسلیم کی گئی ہے۔ قومِ مسلم کے اہل علم افراد دینِ حق کے داعی اور نیکی کے پیغام بر ہیں۔ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً اس لحاظ سے اس قوم کے لیے زبان وقلم کی جوضرورت ہے، وہ محتاجِ بیاں نہیں ...... دعوت وتبلیغ ہر شخص کی منصبی ذمّے داری ہے۔ اس حصولِ مقصد کی تکمیل کے لیے علمی صلاحیت کے ساتھ ساتھ مانی الضمیر کے اظہار پر قدرتِ کاملہ بھی ضروری ہے، اس کے بغیر یہ فریضہ انجام نہیں دیا جاسکتا۔ خطابت ایسا جوہر ہے جس سے بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لیکر چلنے میں بے پناہ سہولتیں ملتی ہیں۔ بزرگوں کے خطبات میں یہ عنصر نمایاں طور پر محسوس کیا جاتا تھا۔ ایک ایک مجلس میں صدہا لوگوں نے بدکار اور سیاہ کار زندگی سے تائب ہو کر صاف شفاف زندگی اختیار کر لی۔

اس دور میں بھی کچھ نفوس ایسے ضرور ہیں جن کی مقدس زبان سے نکلے ہوئے کلمات بے عملوں کے دل میں جوشِ عمل کی روح پھونک دیتے ہیں۔ کتنے سیاہ قلوب کفر وشرک سے کنارہ کشی کر کے پاک مومنانہ زندگی کی طرف خود کو متوجہ کر کے ماضی کی تلخ یادوں کے ناخوش گوار جھونکوں کے لیے اپنے دل کے تمام دریچوں کو بند کردیتے ہیں۔ اور غالب کی زبان میں یوں کہتے ہیں ۔

یادِ ماضی عذاب ہے یارب　　　چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

لیکن انحطاط وتنزل کے دور سے گزرتے ہوئے جب ہم نے اپنے دور میں

آنکھیں کھولیں تو ماضی کی تاریخ کے آئینے میں حال کی تصویر بہت دھندلی اور مبہم نظر آئی۔ وہ تمام فنون اور وسائل جنہیں ہمارے اسلاف نے اخلاص وللہیت کے جذبے سے سرشار ہو کر تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کے لیے استعمال فرمائے، صد حیف آج ہم نے انہیں حصولِ دنیا اور جلبِ منفعت جیسے سطحی مقاصد کے تحت استعمال کرنا شروع کر دیا اور پھر نتیجہ یہ نکلا۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی — اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

اور پھر مارکیٹ میں بھی خام اور پختہ، مستند و غیر مستند روایات سے بھرے مواد پر مشتمل کتب خطبات نے ایک طوفان مچایا۔ خام شعور طلبہ نے لچھے دار تقریروں میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا۔ ایسے دور میں ضرورت ہے کہ طلبہ کو معیاری، مستند اور نتیجہ خیز خطبات کی کتابیں فراہم کی جائیں۔ تاکہ جب وہ قوم کے سامنے داعی کی حیثیت سے آئیں تو پھر اپنی باوزن اور نتیجہ خیز گفتگو کے ذریعے قوم کے دل و دماغ کو ایک صالح انقلاب سے ہمکنار کرنے میں مؤثر کردار ادا کر سکیں۔ ان پاکیزہ مقاصد کے تحت مارکیٹ میں اگرچہ کچھ معیاری کتابیں دستیاب ہیں، تاہم مزید کتابیں فراہم کی جائیں تو یہ غیر ضروری بھی نہیں۔ اسی جذبے کے تحت حضرت مفتی محمد مجاہد الاسلام صاحب زید مجدہٗ نے آٹھ خطبات پر مشتمل ''خطباتِ مجاہد'' کے نام سے ایک عمدہ مجموعہ قوم کے نونہالوں اور مبلغوں کے لیے پیش فرمایا ہے۔ ان خطبات کو قبلِ اشاعت دیکھنے کا موقع اس ہیچ مداں کے حصے میں آیا۔ موصوف نے اس مجموعے کی ترتیب میں اپنی جو فکری بالیدگی اور علمی شعور پیش کیا ہے، وہ یقیناً سراہے جانے کے لائق ہے۔ علمی، فکری اور لسانی نقطۂ نگاہ سے اس میں خامیوں کا امکان بہت کم ہے۔ بلاشبہ مفتی صاحب قبلہ علم و فضل کی گوناگوں خوبیوں اور اخلاق و کردار کی بلندیوں پر فائز ہیں۔ بالخصوص درسی کتابوں پر تو بے پناہ مہارت، صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسے کہنہ مشق مدرس اور استاذ گر استاذ ہیں کہ بڑے سے

بڑے اشکال کو تمثیل کے ذریعے آسان بنا کر طلبہ کے ذہن میں اُتار دیتے ہیں۔
ان کے سیکڑوں خوش نصیب شاگرد مدارسِ اسلامیہ میں اعلیٰ منصب پر فائز ہو کر علمی وادبی، دینی وملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں تقریر وافتاء اور دیگر کئی علوم وفنون، عروض وغیرہ پر بھی بھرپور عبور رکھتے ہیں۔ اشعار کے انتخاب میں بھی اپنے شعری ذوق کا عمدہ مظاہرہ کیا ہے۔ آج کے خطباء بالعموم غیر موزوں اشعار پڑھ کر گزر جاتے ہیں، یا الفاظ کے ردّ وبدل سے اشعار کو غیر موزوں کر دیتے ہیں۔ اور شعری ذوق کے فقدان کے سبب انہیں احساس نہیں ہو پاتا۔ جس کے سبب پڑھے لکھے طبقے پر ان کی علمی چھاپ بہتر نہیں بن پاتی۔ ضرورت ہے کہ نو آموز طلبہ ان نقطوں پر گہری نظر رکھیں اور خطابت جو ہماری تبلیغی اور اشاعتی ذمّے داری کا ایک اہم جوہر ہے اس کے ذریعے خوابیدہ قوم کے اندر احساسِ عمل کی سرد پڑتی چنگاری کو سلگایا جائے، بے عملی کی طرف تیزی سے بڑھتی ہوئی امّت کو بے عمل زندگی سے نکال کر اعمالِ صالحہ کی شاہ راہ پر لا کر کھڑا کیا جائے۔

میری دعا ہے کہ پروردگارِ عالم اس کتاب کو ناظرین وقارئین کے لیے نایاب تحفہ اور مصنف کے لیے آخرت کا توشہ بنائے۔ آمین، آمین یارب العٰلمین۔

☆☆☆

جملہ دعائیہ

جامع معقول ومنقول فخر القراء
حضرت علامہ قاری محمد انوار الحق صاحب برکاتی
ناظم اعلیٰ دار العلوم محی الاسلام، ممبئی

برادر زادہ عزیزم مفتی محمد مجاہد الاسلام قادری سلمہٗ ربہٗ کا شمار ہندوستان کے جید افاضل اور استاذ الاساتذہ میں ہوتا ہے۔موصوف چونکہ اپنے والدین کا پہلا پھول تھے، اس لیے بڑے ناز ونعم اور لاڈ و پیار کے ساتھ اُن کی پرورش ہوئی۔ ذہانت وفطانت اور آثار وقرائن سے ایام طفولیت ہی میں ہونہار معلوم ہو رہے تھے۔مَیں نے اُن کا بچپن دیکھا، جوانی دیکھی گویا مہد سے لے کر ابھی تک اُن کی کوئی ادا میری نگاہوں سے اوجھل نہیں۔موصوف شروع ہی سے محنتی اور شریف و سادہ لوح انسان ہیں۔اور علمی بصیرت ونمایاں خصوصیات کے حامل ہیں۔ممدوح نے فراغت کے بعد ہی درس وتدریس اور افتاء کا آغاز کر دیا اور تاہنوز یہ مبارک مشغلہ جاری رکھا ہے۔فی الحال دو سال سے مہاراشٹر کی مشہور ومعروف مرکزی درسگاہ دار العلوم دیوان شاہ، بھیونڈی میں دینی خدمات پر مامور ومصروف ہیں اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے ہزاروں شائقینِ علم وفن کی تشنگی بجھا رہے ہیں۔مَیں اُن کے نیک کارناموں اور دینی خدمات سے بہت خوش ہوں۔میری نیک خواہشات اُن کے ساتھ ہیں۔دعا ہے کہ اللہ رب العزت بوسیلۂ آقائے نعمت انہیں عمر خضر عطا فرمائے اور اُن کی اِس تصنیف پر اپنی رحمتِ خاصّہ کا ساون بھادو برسائے اور عوام وخواص کے لیے مشعلِ راہِ ہدایت بنائے۔ آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین آباد۔

حقیقت کا اظہار و اعتراف

از قلم مصنف

از یں قبل کہ میں کچھ عرض کروں اپنا مختصر سا تعارف پیش کرتا ہوں۔ میرا وطن مالوف ریاست بہار کے ضلع پورنیہ کا ایک متوسط قریہ شرقی ٹولہ پانکی ہے۔ یہیں میری پیدائش ہوئی۔ ویسے تو اسناد میں میری تاریخ پیدائش ۱۹۷۱ء اور ۱۹۸۸ء ہے، لیکن ہمارے بزرگوں کے بتانے کے مطابق میری تاریخ پیدائش بوقتِ صبح صادق بروز پیر ۱۲/ جیٹھ بنگلہ، مئی ۱۹۷۲ء ہے۔ میری تعلیم کا آغاز محلّے کے ماسٹر محمد محسن صاحب نے کیا اور مکمل قاعدہ بغدادی اُن سے پڑھا۔ اللہ رب العزت موصوف مرحوم کو جنت نصیب فرمائے، آمین۔ پارۂ عم کی تعلیم مولانا نظیر احمد صاحب ساکن جنتا بائسی سے حاصل کی۔ ربِ قدیر انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ ناظرۂ قرآن شریف منشی عبدالمجید صاحب ساکن تال ٹولہ، پلساڑی نے مجھے صرف اُنتیس دن میں پڑھایا۔ ربِ کریم مرحوم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں منشی محمد سہراب ساکن ہری پور و مولانا عبدالحکیم صاحب ساکن کھپڑا نے پڑھائیں۔ اور باقاعدہ فارسی کی تعلیم ماہرِ فن منشی عبدالسبحان صاحب ساکن دھرم باڑی سے حاصل کی۔ مولائے کریم تینوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ بعدہٗ ماہرِ ادب، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حضرت مولانا مفتی زاہد علی سلامی کے ادارہ فیض العلوم، سرائے ترین مرادآباد میں عربی تین درجے کی کتابیں بڑی محنت اور لگن کے ساتھ حضرت مولانا شمس الحق صاحب صدر المدرسین ساکن لوٹیا باڑی و حضرت مولانا غلام یٰسین مصباحی صاحب شیخ الحدیث مرادآبادی اور قاری نور الحسن صاحب سنبھلی نے پڑھائیں۔

انہیں تینوں کی ٹھوس تعلیم دینے کے سبب میرے آگے بڑھنے کا راستہ ہموار ہوا۔ اِس کے بعد خطیب الہند حضرت مولانا الحاج الشاہ حبیب اشرف صاحب اشرفی تغمدہ اللہ مرقدہٗ کے ادارہ ''حامدیہ اشرفیہ'' سنبھل مرادآباد میں حضرت مولانا نور عالم صاحب قبلہ رشیدی، پروفیسر، حضرت مولانا مفتی شائق القادری صاحب قبلہ رشیدی شیخ الحدیث، حضرت مولانا افسر عالم صاحب ایم۔اے، حضرت مولانا محمد حنیف صاحب اشرفی، حضرت مولانا اظہار اشرف صاحب اشرفی شہزادۂ حضرت خطیب الہند کی خصوصی عنایات سے مَیں تدریس و افتاء کے قابل ہوا۔ بعدہٗ مَیں نے حضرت مولانا الحاج اجمل شاہ (علیہ الرحمہ) کے گہوارۂ علم و حکمت ''اجمل العلوم'' میں حضرت مولانا مفتی منظور عالم صاحب رضوی صدر المدرسین، حضرت مولانا عارف حسین صاحب شیخ الحدیث، حضرت قاری یوسف صاحب، حضرت مفتی محمد رفیق صاحب سنبھلی، حضرت مولانا مفتی اختصاص الدین صاحب اجملی اشرفی شہزادۂ حضرت اجمل شاہ کے زیر سایہ رہ کر قرأت و فضیلت کی سند حاصل کی۔ بعدہٗ مرکز اہلِ سُنّت منظر اسلام بریلی شریف میں حضرت علامہ مولانا مفتی نعیم اللہ صاحب پرنسپل، حضرت مولانا سید عارف حسین صاحب شیخ الحدیث، حضرت مولانا اعجاز انجم صاحب نائب پرنسپل، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب شیخ الحدیث سے مَیں نے اکتسابِ علوم و فنون کیا۔ مولائے کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور میرے سر پر سب کا سایۂ کرم قائم و دائم رکھے، آمین۔

مروّجہ نصاب کے علاوہ عروض، افتاء وغیرہ کا علم حاصل کیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ بعد فراغت سے تادمِ تحریر یکے بعد دیگرے بدایوں شریف، پیلی بھیت شریف، بانسی، دارالعلوم دیوان شاہ، بھیونڈی میں تدریس و افتاء کی خدمت بالاستیعاب جاری ہے۔

انہیں مشاغل اور گھریلو مصروفیات کے سبب عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے مجھ جیسے کم علم کا کچھ لکھنا ایک دشوار اَمر ہے۔ بالآخر طلبہ کے اصرارِ شدید اور پیرِ

طریقت رہبرِ شریعت حضرت علامہ و مولانا الحاج الشاہ غلام غوث اکمل برکاتی صاحب قبلہ بانی دار العلوم امام احمد رضا کی تحفیض مدید اور حضرت علامہ و مولانا عبد الجبار ماہر القادری صدر تنظیم آل انڈیا ائمۂ مساجد، سیکریٹری جنرل آل انڈیا علما فیڈریشن، قاضی شہر خطیب و امام چشتی ہندوستانی مسجد، بائیکلہ ممبئی کی پیہم تاکید اور حضرت علامہ و مولانا غلام جیلانی ساکن پانکی کی پُر زور تائید نے مجھے قلم اُٹھانے پر مجبور کر ہی دیا۔ بہر حال احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے بانیٔ اسلام اور مبلغینِ اسلام نے جن وسائل و ذرائع سے کام لیا ہے، وہ یہ ہیں۔ نمبر ۱: شمشیر، نمبر ۲: تقریر، نمبر ۳: تحریر۔ بلاشبہ اسلام کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ شمشیر سے کہیں زیادہ اخلاقِ حسنہ کے ذریعے اسلام فروغ پایا ہے کیونکہ تلوار سے گردن جھکتی ہے، مگر اخلاق و کردار سے دل کی دنیا فتح ہو جاتی ہے۔ لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ جب باطل طاقتوں نے اخلاق و کردار کی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور اسلام کے خلاف چیلنج کر دیا، تو مجاہدینِ اسلام نے کبھی جنگِ اُحد میں تو کبھی میدانِ بدر میں، کبھی نہاوند میں تو کبھی یرموک میں، کبھی موتہ میں تو کبھی جنگِ خندق میں، کبھی دریاؤں میں، تو کبھی کربلا وغیرہ کے صحراؤں میں، شمشیر بکف ہو کر اپنی عزیز جانوں کی بازی لگا کر اُن سرکشوں اور باطل قوتوں کے چیلنج کو قبول کیا اور اُنہیں کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ تاریخِ عالم گواہ ہے کہ پیغمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوتِ حق اور تبلیغِ اسلام کا آغاز تقریر ہی سے فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود اور نمرودیوں کے سامنے تبلیغ و ارشاد کا آغاز تقریر ہی سے فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کے سامنے رشد و ہدایت کا آغاز تقریر ہی سے فرمایا۔

الغرض انبیائے سابقین، سلف صالحین، علمائے ربانیین نے اغیار کو اسلام کی

حقانیت سے روشناس کرانے کے لیے تقریر ہی کا سہارا لیا۔......بہر حال تقریر تبلیغ حق کے لیے ایک بہترین ذریعہ ہے۔ لیکن اِس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شمشیر و تقریر سے کہیں زیادہ کردار تحریر کا ہے، کہ شمشیر و تقریر کے اثرات صرف انھی لوگوں تک محدود رہتے ہیں جن کو اُن سے واسطہ پڑتا ہے، مگر تحریر کے اثرات دیر پا ہیں۔

قارئین محترم! مجھے اعتراف ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کوئی ایسا موضوع اور کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا جس پر کماحقہٗ روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ اس میدانِ تحریر میں مجھ جیسے کم علم اور بے سامان کا کچھ تحریر کرنا، آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ مگر یہ خیال کرتے ہوئے کہ "میرا نام بھی یوسف کے خریداروں میں آ جائے" اور نجاتِ اُخروی کا سبب بن جائے۔ رب مجیب بطفیلِ حبیب قبول فرمائے، آمین۔ بہر حال قارئین و ناظرین سے میری یہ گزارش ہے کہ مجھے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا خوب احساس ہے۔ مَیں نے اس کی صحت کی ہر ممکن کوشش کی ہے، مگر پھر بھی بتقاضۂ بشریت "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" کے تحت اگر کوئی شرعی یا ادبی خامی نظر آئے تو تنقید کا نشانہ نہ بنائیں، بلکہ مجھ ناچیز کو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔ آئندہ اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔

خدا حافظ

محمد مجاہد الاسلام قادری

بہارِ خطابت

﴿فنِ تقریر﴾

(۱) تقریر وخطابت ایک مستقل فن ہے جسے ہر انسان حاصل نہیں کر پاتا۔ اللہ وہاب وکریم جسے علمی صلاحیت اور وصفِ گویائی کی دولت عطا فرماتا ہے، وہی اپنے دل ودماغ میں آنے والے خیالات کو دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔

ماہرینِ فن نے خطابت کے لیے کچھ قواعد وضوابط وضع فرمائے ہیں۔ پس جو خطیب ان کی رعایت کرتا ہے وہ اپنے مضامین کو سامعین تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ ان کے قلوب واذہان میں روحانیت اور انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔

فنِ تقریر ایک مستقل شعبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے ماہرین کے نزدیک تقریر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) فی البدیهه تقریر

تقریر پہلے سے تیار نہ کرنا بلکہ حاضرین کی نفسیات کو سمجھ کر مقتضی حال اور وقت کی ضرورت کے مطابق تقریر کرنا۔ یہ فی البدیہہ تقریر ہے جو بڑا مشکل کام ہے۔ اس میں وہی خطیب ومقرر کامیاب ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علومِ کثیرہ کے ساتھ ساتھ قوتِ حافظہ سے بھی سرفراز فرمایا ہو۔ ورنہ اس میدان میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے چرب زبان مقرر اور ذی علم خطیب بغیر تیاری کے جب تقریر کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو حالت یہ ہو جاتی ہے کہ کہنا کچھ چاہتے ہیں لیکن کچھ اور کہہ جاتے ہیں۔ پھر تو اس کی حالت گمشدہ بچّے کی طرح ہو جاتی ہے۔ نہ تو اُنہیں یہ یاد ہوتا ہے کہ کیا بیان کر چکے اور نہ ہی دماغ میں یہ آتا ہے کہ وہ اب کیا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ یہیں تک بس نہیں بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ

بولنا کچھ چاہتے ہیں اور منہ سے کچھ اور نکل جاتا ہے۔ اور کبھی مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے جب انہیں الفاظ نہیں ملتے تو بار بار رُکتے اور اٹکتے ہیں۔ آں آں...... ایں ایں......اوں اوں کرنا شروع کردیتے ہیں۔

(۲) تیار شدہ تقریر

تقریر پہلے ہی سے تیار کرلینا یعنی وقت کی ضرورت کے مطابق منتخب شدہ موضوع کی مناسبت سے آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ کریمہ، اقوالِ مفسرین و محدثین جمع کرلیے جاتے ہیں۔ دلچسپ حکایات و روایات ذہن نشین کرلی جاتی ہیں۔ اور موقع ومحل کے مطابق نکات واشعار چسپاں کرلیے جاتے ہیں۔ پھر ان سب کو ترتیب دے کر حاشیۂ ذہن میں محفوظ و مستحضر کرلیے جاتے ہیں۔ قسم دوئم کی تقریر فی البدیہہ تقریر سے کہیں زیادہ تشہیر وتاثیر پیدا کرسکتی ہے۔

یہ تو ہر مبلغ کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تقریر پوری توجہ سے سُنی جائے۔ لہٰذا اس حصولِ مقصد کے لیے خطابت کے لوازمات وہدایات کا جاننا ضروری ہے۔

طلبہ و مقررین کے لیے چند مخصوص ہدایات

(۱) تقریر کثرتِ مشق کا نام ہے، محض کثرتِ علم سے انسان مقرر نہیں بنتا بلکہ اس کے لیے مشق ضروری ہے۔ اگر آپ کے دل میں بے باک اور کامیاب مقرر بننے کی خواہش ہو تو جب موقع ملے مجمع عوام میں بے دھڑک مائک پر آجائیں اور بلا جھجک اپنا تیار شدہ موضوع موقع محل اور مقتضی حال کے مطابق بیان کرنا شروع کردیں۔ اس طرح آپ اعلیٰ پیمانے کے مقرر بن سکتے ہیں۔

(۲) جب آپ تقریر کے لیے کھڑے ہوں تو دورانِ تقریر آپ کے دل و دماغ پر وحشت و گھبراہٹ نہ ہو اور نہ کسی کی لمبی پگڑی، اونچی ٹوپی، دراز داڑھی اور زرق برق لباس سے مرعوب ہوں اور نہ ہی عوام کی بھیڑ بھاڑ سے خائف ہوں۔

ورنہ آپ اصل مواد ہی بھول جائیں گے۔اور یہ بھی ضروری ہے کہ تقریری مواد چاہے آپ کہیں سے بھی لیں لیکن کسی مقرر و خطیب کی نقالی ہرگز نہ کریں۔ ورنہ آپ کی ساری محنت رائیگاں ہو جائے گی اور نام منقول عنہ کا ہو جائے گا۔اس لیے بھول کر بھی ایسی طفلانہ غلطی نہ کریں۔ جو آپ کا اپنا فکری انداز بیان ہو وہی بیان کریں۔ان شاء اللہ کامیابی قدم چومے گی۔

(۳)ایک بہترین مقرر بننے کے لیے مکمل تعلیم اور ماضی و حال کی تواریخ و سیَر کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ برتن سے وہی نکلتا ہے، جو برتن میں ہوتا ہے۔اردو ادب کے مطابق صاف ستھری زبان اپنانے کے لیے روزانہ کا معمول بنالیں۔تاکہ دورانِ تقریر زبان میں لکنت اور سلاست و روانی میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

(۴) آنکھیں بند کر کے تقریر نہ کریں بلکہ آنکھیں کھول کر حاضرین کی طرف دیکھ کر تقریر کریں اور اس بات کی کوشش کریں کہ حاضرین ومخاطبین کی پوری توجہ آپ کی طرف ہو۔ آپ اپنے ہاتھوں کو باندھ کر یا لٹکا کر تقریر نہ کریں، بلکہ الفاظ اور جملے کی مناسبت سے اپنے ہاتھوں کو جنبش و حرکت دیں کہ اِس سے بھی سمجھنے اور سمجھانے میں مدد ملتی ہے۔

(۵) موضوع منتخب کر لینے کے بعد موضوع کے مطابق تفسیر و احادیث سے اپنی تقریر کو مزین کریں۔ پھر علمی نکات اور باریکیوں میں اُترنے کی کوشش کریں اور موقع و محل کے مطابق معجزات و کرامات، لطائف و عبرت آموز واقعات اور مناسب اُتار چڑھاؤ اور موزوں اشعار پیش کریں۔ اِن خوبیوں سے آپ کی تقریر میں چار چاند لگ جائیں گے اور آپ ہر دلعزیز مقرر و خطیب بن جائیں گے۔

(۶) خطیب و مقرر کا سامعین و حاضرین پر اثر انداز ہونا اپنے ہاتھ کی بات نہیں، اس لیے تو کہا گیا ہے کہ ”اسٹیج کسی کا یار نہیں“ یہ صرف اور صرف فضلِ خداوندی ہی سے ہو سکتا ہے۔کوشش کرنا اپنا کام ہے اور کامیابی عطا کرنا رب کا انعام ہے۔

(۷) خطیب کو چاہیے کہ لاؤڈ اسپیکر کے متعلق منتظمین کو پہلے ہی سے آگاہ کردے اور لاؤڈ اسپیکر کو اس طرح سے لگانے کی ہدایت کردے کہ حاضرین جلسہ کو آواز اچھی طرح سے سُنائی دے، اور بیان کرنے والے کو بھی صحیح طور سے آواز سنائی دے۔ بہت سی جگہ پر دیکھا جاتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز جلسہ گاہ سے باہر کان پھاڑ دیتی ہے اور جلسہ گاہ میں معمولی آواز ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں جلسہ ناکام ہوجاتا ہے۔ جو منتظمین و مقررین کی ندامت کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

(۸) خطیب اور حاضرین کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہئے۔ تقریر کرنے سے پہلے حاضرین کو یک جا اور اپنے سے قریب تر کرلے۔ حاضرین کے بکھرے ہوئے انداز میں بیٹھنے کی صورت میں محفل میں بے رونقی اور حاضرین میں بے ذوقی پیدا ہوجاتی ہے، جو خطابت کی ناکامی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

(۹) خطیب کو چاہیے کہ اپنے سامنے رکھے میز پر سے غیر ضروری چیزوں کو اُٹھوا دے (مثلاً گلدستے، گل دان، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ) تاکہ درمیان میں حجاب نہ بنے، اور خطابت سے فارغ ہوکر فوراً پانی نہیں پینا چاہئے۔ اس سے گلے کی حفاظت ہوگی اور بار بار تقریر کرنے سے بھی آواز خراب نہ ہوگی۔ اِسی طرح ہر کھٹی، میٹھی اور نقصان دہ چیز کے استعمال اور بے احتیاطی سے گلا پھنسنے کا قوی اندیشہ ہے۔

(۱۰) خطیب و مقرر کو بیان سے قبل غذا ہلکی اور کھانا کم کھانا چاہیے۔ اگر پیٹ بھر کر کھانا ہو تو خطاب و تناول کے درمیان اتنا وقفہ ہونا ضروری ہے کہ جس سے کھانا قدرے ہضم ہوجائے ورنہ درمیانِ تقریر ہی میں آواز بیٹھنے اور گلا پھنسنے کا خطرہ ہے۔

(۱۱) خطیب و مقرر کو بیان سے پہلے گفتگو میں مشغول نہیں ہونا چاہئے کہ ذہنی تھکاوٹ سے تقریر کے درمیان مضمون کی آمد میں رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے۔ تقریر سے پہلے چند لمحات بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔ لہٰذا گفتگو وغیرہ میں مشغول ہوکر تضیع اوقات نہ کریں بلکہ اپنے مضمون پر نظر ثانی کریں۔

(۱۲) خطیب اپنے بیان کو ہلکی آواز سے گفتگو کے انداز میں آغاز کرے، پھر جب گلا گرم ہو جائے تو دھیرے دھیرے اپنی آواز بلند کرتا جائے۔ ایک انداز اور ایک آواز میں پوری تقریر کرنے سے احتراز کرے۔ بلکہ موقع محل کے مطابق زوردار جملے ہوں تو اُن کو جوشیلے انداز و آواز میں بیان کرے۔ اس کے بعد حسب سابق ہلکی آواز میں خطاب جاری رکھے۔

(۱۳) خطیب و مقرر کی وضع، قطع سُنّتِ رسول کے مطابق ہونی چاہیے۔ لباس پاکیزہ اور صاف ستھرا ہونا چاہیے، گفتگو باوقار ہونی چاہیے۔ پھر جو بات کہے وہ دل کی گہرائیوں سے کہتا چلا جائے، لوگوں کو تلقین و تاکید کرنے سے پہلے خود بھی اس پر عمل کرے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: لِمَ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ یعنی جو خود نہیں کرتے اس کا حکم کیوں دیتے ہو؟ بے عمل خطیب و مقرر کی اہمیت پانی کے بلبلے کی طرح ناپائیدار ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ واعظ پہلے خود بھی پابندِ شرع ہو، تاکہ سننے والوں کے دل و دماغ میں ایک ایک بات اُترتی چلی جائے۔

دِل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے (علامہ اقبال)

(۱۴) عوام کی نشست میں ضرورت کے مطابق دینی و شرعی مسائل، صحابہ و اولیا کے سیر و خصائل، مشائخِ عظام اور بزرگانِ دین کے معمولات و فرمودات، اسلاف و اکابرین کی کرامات و کمالات بیان کریں تاکہ وہ کنویں کے پاس سے پیاسے نہ جائیں اور آئندہ بھی بار بار اپنی پیاس بجھانے کے لیے آپ کے پاس آتے رہیں، اور عقائدِ صحیحہ، اعمالِ صالحہ اور دینی معلومات کا یہ قیمتی سرمایہ حاصل کرتے رہیں...... انھیں قصے، کہانیاں، لطائف و چٹکلے ہرگز ہرگز نہ سنائیں۔ ٹائم پاس اور واہ واہ کرنے کے لیے ہنسی مذاق کی پھل جھڑیاں نہ چھوڑیں کہ ان چیزوں سے بجائے عزت و عظمت کے نفرت و خفت کا خطرہ ہی خطرہ ہے۔

(۱۵) عوام سے کسی چیز کی طلب وفرمائش ہرگز نہ کریں ورنہ عزت میں فرق آنے کا قوی اندیشہ ہے۔ ہاں اگر وہ اپنی مرضی اور خواہش سے آپ کی خدمت میں کچھ پیش کرتے ہیں تو قبول کرنے میں مضائقہ نہیں۔

(۱۶) تقریری میدان میں قدم رکھتے ہی نذرانے کی خواہش نہ کریں بلکہ اپنی تقریر کی تشہیر وترقی کے لیے اپنے اکابر یااراکین سے اس بات کی کوشش کریں کہ وہ آپ کو کچھ بولنے کا موقع دے دیں۔ ابتداءً اگر اس میں آپ کامیاب ہوجائیں تو اسی کو اپنی تقریر کا بہترین نذرانہ تصور کریں۔ پھر جب لوگوں کو آپ کی حاجت ہوگی تو وہ خود ہی آپ کو طلب کریں گے۔ اب آپ اپنی صواب دید کے مطابق جیسا چاہیں معمول بنالیں۔ اس طرح آپ کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوجائے گا۔ ورنہ عوام میں آپ کا صحیح تعارف بھی نہ ہو پائے گا۔

(۱۷) آپ کی چال چلن، آپ کی رفتار وگفتار باوزن اور پُر وقار ہونی چاہیے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ تھام کر یا کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ہرگز ہرگز نہ چلیے اور نہ ہی عوام سے اتنا منہ لگایئے کہ وہ آپ سے بے تکلف ہوجائیں۔ خود کو اپنی قوم کے لیے شروع ہی سے ایک باوزن ذمے دار فرد بنانے کی کوشش کیجیے۔

(۱۸) تقریر وخطابت میں وہی بات بیان کریں جس کا حوالہ ضرورت کے وقت آپ پیش کرسکیں۔ غیر معتبر وغیر مستند روایات و حکایات سے گریز کریں۔ یہاں تک کہ تقریری مواد کے لیے کسی غیر معتبر وغیر مستند کتاب کا مطالعہ بھی نہ کریں۔

(۱۹) گفتگو کے وقت بھی تذکیر وتانیث وغیرہ کا خوب دھیان رکھیے تاکہ مخاطبین آپ کے بارے میں یہ گمان نہ کرسکیں کہ تعلیم وتربیت کے آٹھ سالہ کورس کے زمانے میں جبکہ اردو نہ سیکھ سکے تو عربی کیا سیکھ سکے ہوں گے۔

(۲۰) شروع ہی سے آپ اپنے ذہن کو قصے، کہانی، لطائف وظرائف اور چٹکلے نما واقعات سے بہت کم وابستہ رکھیں۔ علمی نکات اور گہرائیوں میں اُترنے کی

عادت ڈالیں۔ اس طرح آپ اپنی اصل عمر کو پہنچتے ہی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔

(۲۱) کانفرنس وغیرہ میں ذی استعداد اکابر علمائے اہلِ سُنّت سے قریب سے قریب تر رہیے۔ یہ تصور کر کے کہ مستقبل میں یہ بارگراں میرے سر پر آنے والا ہے۔ تو یہ آپ کے لیے ٹریننگ کا کام دے گا۔ اس طرح آپ صحیح عمر کو پہنچتے ہی سیاسی و سماجی، ملکی وملی بڑے سے بڑے مسائل بلا جھجک حل کر سکیں گے اور نامور قائد و خطیب بن کر چمکیں گے۔

(۲۲) تقریر ایک فن ضرور ہے لیکن فن برائے فن استعمال نہ کریں۔ بلکہ فروغِ ملّتِ طاہرہ، اصلاحِ معاشرہ، ترویجِ عقائدِ حقہ اور تردیدِ عقائدِ باطلہ کی نیت سے استعمال کریں۔

(۲۳) تقریر چاہے آپ کسی بھی عنوان پر کریں مگر سامعین کو یہ سمجھانے کی ضرور کوشش کریں کہ ہمارا اور ہمارے حریفوں کے درمیان اصل اختلاف عقائد میں ہے۔

(۲۴) قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۔ کے مطابق سامعین سے اچھی اور میٹھی باتیں پیش کیجیے، تلخ کلامی سے گریز کیجیے۔ ان سے داد حاصل کرنے کے لیے اخلاق سے گری ہوئی باتیں کرنے سے بھی گریز کیجیے۔ مثلاً تم لوگ بڑے بے ذوق اور بے حس ہو...... نہ جانے تم لوگ کہاں سو اور کھو گئے ہو...... مردہ دل ہو گئے ہو...... تقریر سُننے کے لیے نہیں آئے ہو...... منہ میں بیڑی اور دہی جمائے بیٹھے ہو...... نہ جانے کن لوگوں سے پالا پڑ گیا ہے آج (وغیرہا) ان باتوں سے سامعین کا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر یا تو وہ بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگتے ہیں یا پھر وہ اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ اس لیے خطیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ حاضرین کو عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھے اور ان کی حوصلہ افزائی کرے اور اپنا بیان جاری رکھے۔ پھر جب محفل میں روحانیت کی کیفیت پیدا ہوگی تو اب داد دینے کے لیے ان سے کہنے کی ضرورت

بھی نہ پڑے گی۔ وہ خود ہی غیر ارادی طور پر سبحان اللہ اور الحمدللہ کہہ کر داد دینے لگیں گے۔

(۲۵) شرعی و سماجی تقاضوں اور وقت کی ضرورت کی مناسبت سے تقریر و خطابت کا عنوان آپ منتخب کریں۔ تقریر فروشی اور ضمیر فروشی سے گریز کریں۔ بُرائی کی مخالفت ضرور کریں۔ مگر اپنا یا کسی اور کا ذاتی معاملہ لے کر کسی خاص قوم یا کسی خاص برادری یا کسی فرد و شخصیت کو اپنی تقریر کا نشانہ ہرگز ہرگز نہ بنائیں۔ بلکہ پیغمبرِ اعظم ﷺ کے اس فرمانِ عالی شان کو مشعلِ راہ بنائیں کہ کسی کالے کو گورے پر یا کسی گورے کو کالے پر، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فوقیت حاصل نہیں۔ تم میں بہتر وہ ہے جس کے کردار و عمل اچھے ہیں۔ قرآن کریم کا چیلنج ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یعنی تم میں سے بہتر وہ ہے جو پرہیز گار ہے۔ بہر کیف مقرر کو سنجیدہ اور بلند حوصلے کا مالک ہونا چاہیے اور اس کی نیت میں خلوص ہونا چاہیے۔

(۲۶) مناظرہ کے چیلنج میں حتی الامکان پہل نہ کریں اور اگر دوسرا فریق چیلنج دے اور آپ اس کے اہل ہوں تو ضرور قبول کرلیں۔ ورنہ اسے اپنے علمائے اکابرین و مناظرین کی جانب منتقل کردیں۔ لیکن شروع سے آخر تک آپ بھی شریک رہیں۔ تاکہ مناظرہ کی شرائط طے کرنے اور مناظرہ کرنے کا فن آپ بھی سیکھ جائیں۔

(۲۷) مناظرہ کو مجادلہ نہ بنائیں۔ مناظرہ کبھی بھی اکیلے ہرگز نہ کریں۔ کیوں کہ تنہا آپ کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری قوم و ملت کا مسئلہ ہے۔ اس لیے کسی ماہرِ فن اچھے مناظر کا اس میں موجود ہونا ضروری ہے۔

ماہرینِ فن نے تقریر کو تین دَور میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا دَور

تقریر کا آغاز سب سے پہلے تمہیدی کلمات سے کرنا چاہیے اور یہی تمہید

پوری تقریر کی جان ہوتی ہے۔ لیکن تمہید اتنی لمبی نہ ہو کہ اس کے سبب سامعین کی توجہ ہٹ جائے۔

کچھ خطیبوں کو متمرض ہونے کی عادت ہوتی ہے۔ جیسے ہی خطبہ ہوا سب سے پہلے اپنی صحت کی خرابی اور طبیعت کی ناسازی کا رونا روتے ہیں۔ اور اس طرح سفید جھوٹ بول جاتے ہیں کہ میری طبیعت بہت خراب تھی۔ اب بھی میری طبیعت ناساز ہے۔ متواتر تقریری پروگرام سے تھکا ہوا ہوں۔ مسلسل سفر نے جسم کو چور چور کر رکھا ہے۔ مگر کیا کروں امام صاحب کا اصرار اور سیکریٹری صاحب کا حکم تھا جس کی وجہ سے مجھے آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہونا پڑا۔ پھر یہ کہ میں تو کوئی عالم بھی نہیں ہوں، اپنے پاس نہ علم ہے نہ عمل ہے اور نہ ہی کچھ بیان کرنے کے قابل ہوں۔ بس اگر آپ لوگوں کی توجہ ہوئی تو ان شاء اللہ میں تقریر کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔...... پھر کچھ دیر تقریر کرنے کے بعد وہ اس طرح گلا پھاڑ کر دھماکہ خیز آواز نکالتے ہیں کہ حاضرین پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ابھی تو حضرت اعلان کر رہے تھے کہ میری طبیعت خراب اور ناساز ہے۔ اتنی زوردار آواز تو بیمار آدمی کی نہیں نکل سکتی۔

اور پھر یہ کہ حضرت تو ابھی کچھ دیر پہلے کر رہے تھے اپنی بے علمی اور ناداری کا اظہار اور اب اتنی جلدی ہو گئے مباحثہ اور مقابلہ کے لیے تیار، اور دیکھتے ہی دیکھتے مناظرہ اور مباہلہ کے لیے ہیں بے قرار۔

بہر حال ان لایعنی باتوں سے سوائے بھانڈا پھوٹنے اور باشعور سامعین کی نظروں میں گرنے کے کچھ بھی حاصل نہیں۔

دوسرا دَور

تقریر کے دوسرے دَور کا آغاز تمہیدی کلمات کے بعد ہوتا ہے۔ اس میں

قرآن واحادیث، تفسیرات وتشریحات، علمی وادبی نکات بیان کیے جائیں۔ نیز موقع محل کے مطابق اشعار پیش کیے جائیں۔

تیسرا دَور

تقریر کے آخری دَور میں دلچسپ حکایات، سبق آموز واقعات اور موزوں و مناسب اشعار پیش کیے جائیں۔ پھر اپنی پوری تقریر کا ماحصل (نچوڑ) مختصر جملوں میں اعادہ کیا جائے۔ پھر نصیحت آمیز الفاظ، دل نشیں انداز اور دعائیہ کلمات سے تقریر وخطابت کا اختتام کیا جائے۔ تاکہ حاضرین نورانی محفل سے روحانی دوا اور غذا لے کر جائیں۔ اور وہ آئندہ بار بار آپ کے خطاب نایاب سننے کے لیے خواہاں اور خواہش مند ہو جائیں۔

احقر: محمد مجاہد الاسلام قادری

☆☆☆

صد۱۰۰ اشعار۔ خطبے کے بعد خطابت سے پہلے

(۱) الف:

جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں
اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں

(۲) الف:

اوج جھک جاتا ہے دل سلطانِ طیبہ کے حضور
جب حرم کی سرزمیں پہ سر کو خم کرتے ہیں ہم

(۳) الف:

انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی
انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

(۴) الف:

اُس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاج دار پھرتے ہیں

(۵) الف:

اک دل ہمارا کیا ہے آزار اِس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مردے جِلا دیئے ہیں

(۶) الف:

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر اُن کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجیے کہ سر کو خبر نہ ہو

☆☆☆

(۷) الف:

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

(۸) الف:

اخیر وقت ہے آسی چلو مدینے کو
نثار ہو کے مرو تربتِ پیمبر پر

(۹) الف:

آسی شہیدِ ناز ہوں مردہ نہ جانئے
مر کر ملی ہے زندگی جاوداں مجھے

(۱۰) الف:

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اُس گل سے ملاقات کی رات

(۱۱) الف:

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(۱۲) الف:

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

(۱۳) الف:

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

☆☆☆

الف: (۱۴)

اپنوں کی چاہتوں نے نہ کیا کیا دیئے فریب
روتے رہے لپٹ کے ہر ایک اجنبی سے ہم

الف: (۱۵)

اے حاصلِ خلوص بتا کیا جواب دوں
دنیا یہ پوچھتی ہے کہ مَیں کیوں اُداس ہوں

الف: (۱۶)

اب ہجر مسلسل سے میرا حال بُرا ہے
آجاؤ کہ ہر لمحہ قیامت کی گھڑی ہے

الف: (۱۷)

آزار یہ ایسا ہے سلگ جائے میری زیست
یہ دیس تو اپنا ہے کوئی اپنا نہیں ہے

الف: (۱۸)

اشک بن کر بہہ رہا ہے خونِ دل خونِ جگر
یہ متاعِ عشق ہے پانی نہیں شبنم نہیں

الف: (۱۹)

اے رحمتِ تمام تیرے لطف و کرم سے
طیبہ میں میرے واسطے دو گز کی زمیں ہو

الف: (۲۰)

اللہ رے لبِ ہائے نبوت کا یہ اعجاز
جو بات وہ فرمائیں وہ قرآن مبیں ہو

☆☆☆

(۲۱)ب:

بد ہیں تو آپ کے ہیں بھلے ہیں تو آپ کے
ٹکڑوں پہ آپ کے ہیں پلے رُخ کدھر کریں

(۲۲)ب:

بے قراری، آہ وزاری، سرد آہیں، اشکِ غم
اور کیا کیا چاہتے ہو اپنے دیوانے سے تم

(۲۳)ب:

بہت سنجیدگی بھی چوس لیتی ہے لہو دل کا
اسی خاطر تو ہم زندہ دلی کو پیار کرتے ہیں

(۲۴)ب:

بدل کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

(۲۵)بھ:

بھڑک جاتی ہے جب یہ آگ تو بجھنے نہیں پاتی
چراغِ عشق جل جاتا ہے تو مدھم نہیں ہوتا

(۲۶) بھ:

بھروسہ اس کو کہتے ہیں گنہگاروں نے محشر میں
خدا کے سامنے اُن کو پکارا یا رسول اللہ

(۲۷)پ:

پہنچا ہے عرش پر تن خاکی مصطفٰے
کس شان سے زمین گئی آسمان پر

☆☆☆

(۲۸)پ:

پوچھتے کیا ہو شہہ جیلاں کے فضائل آسی
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

(۲۹)پھ:

پھول لے کر پھول آیا پھول کر میں نے کہا
پھول لے کر کیا کریں گے تم تو خود ہی پھول ہو

(۳۰)پھ:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

(۳۱) ت:

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

(۳۲)ت:

تسلیم مجھ کو خانۂ کعبہ کی منزلت
سب کچھ سہی مگر وہ ترا آستاں نہیں

(۳۳)ت:

تقصیر بری کیا ہے اے میرے کرم فرما
قدموں میں رہا لیکن دل میں نہ جگہ پائی

(۳۴)ت:

تو خود کو فرشتہ نہ سمجھ واعظِ ناداں
دنیا میں ترے رنگ کے انسان بہت ہیں

☆☆☆

(۳۵)ت:

تم اپنے تغافل کا گلہ کیوں نہیں کرتے
کیوں دیتے ہو الزام میرے دیدۂ نم کو

(۳۶)ت:

تمہیں کالی گھٹا کا بھی نہیں پہچاننا آتا
نشیمن سے دُھواں اُٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے

(۳۷)ج:

جو شئے تری نگاہ سے گزرے دُرود پڑھ
ہر جز و کُل ہے مظہر انوارِ مصطفےٰ

(۳۸)ج:

جب تک بکا نہ تھا تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر مجھے انمول کردیا

(۳۹)ج:

جب بھی آتا ہے مرا نام ترے نام کے ساتھ
جانے کیوں لوگ میرے نام سے جل جاتے ہیں

(۴۰)ج:

جلوؤں سے اسے بھردو یا آگ لگادو تم
آنکھیں بھی تمہاری ہیں یہ دل بھی تمہارا ہے

(۴۱)چ:

چمن میں چھیڑتی ہے کس مزے سے غنچہ و گل کو
مگر موجِ صبا کی پاک دامانی نہیں جاتی

☆☆☆

(۴۲)ج:

چہرہ کھلی کتاب ہے عنوان کچھ بھی دو
جس رُخ سے بھی پڑھو گے مجھے جان جاؤ گے

(۴۳)ح:

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

(۴۴)خ:

خالق نے تمہیں ایسا طرح دار بنایا
یوسف کو تیرا طالب دیدار بنایا

(۴۵)خ:

خرد کام آئے نہ آئے تو کیا غم
جنوں میرا اب میرے کام آ گیا ہے

(۴۶)خ:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(۴۷)د:

دن لہو میں کھویا کیے شب صبح تک سویا کیے
شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

(۴۸)د:

در بدر کب تک پھریں خستہ خراب
طیبہ میں مدفن عنایت کیجیے

☆☆☆

(۴۹)د:

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۵۰)د:

دیوانگیٔ عشق بڑی چیز ہے سیماب
یہ اُن کا کرم ہے جسے دیوانہ بنادے

(۵۱)ڈھ:

ڈھونڈا ہی کرے صدر قیامت کے سپاہی
وہ کس کو ملے جو تیرے دامن میں چھپا ہو

(۵۲)ذ:

ذکر رو کے فضل کاٹے عیب کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں اُمّت رسول اللہ کی

(۵۳)ر:

رحمت رسولِ پاک کی ہر شئے پہ عام ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نام ہے

(۵۴)ر:

رسائی اہل دل کی ہے جہاں تک
خرد والے نہیں پہنچیں وہاں تک

(۵۵)ر:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جاجا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

☆☆☆

(۵۶) ز:

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

(۵۷) س:

سب نے صفِ محشر میں للکار دیا ہم کو
اے بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے

(۵۸) س:

سورج اُلٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

(۵۹) س:

سجدہ وہ رائیگاں ہے عبادت ہے سب فضول
جب تک شعورِ عشق نہ ہو بندگی کے ساتھ

(۶۰) ش:

شریکِ غم نہیں کوئی شریکِ جشن ہزار
حسین آج بھی ہے تنہا کربلا کی طرح

(۶۱) ص:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

(۶۲) ص:

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

☆☆☆

(۶۳) ط:

طیبہ سے دور رہ کر گر دفن ہوگیا تو
پہنچے گا میرا لاشہ کروٹ بدل بدل کے

(۶۴) ط:

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

(۶۵) ع:

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

(۶۶) ع:

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

(۶۷) غ:

غیرتِ ایماں کہاں سوئی ہے اُٹھ کر دیکھ لے
لے چلی اُن کی محبت سوئے بت خانہ مجھے

(۶۸) غ:

غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سُنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سُنا ہوتا

(۶۹) غ:

غش کھاگئے کلیم مگر ہنس پڑے حبیب
آنکھیں بدل گئیں تو نظارہ بدل گیا

☆☆☆

(۷۰)غ:

غلامانِ محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے کچھ پرواہ نہیں کرتے

(۷۱)ف:

فقیروں سے نہ اُلجھو ان کی دنیا ہی نرالی ہے
یہ گدڑی میں تو رہتے ہیں مگر گوہر لٹاتے ہیں

(۷۲)ف:

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

(۷۳)ق:

قرآن مبیں خود ہے ثنا خوانِ محمد
قرآں کی طرح اور ثنا کون کرے گا

(۷۴)ق:

قسمت نے گر ساتھ دیا تو شہرِ مدینہ جانا ہے
اور گنبدِ خضریٰ کے جلوؤں سے شیشۂ دل چمکانا ہے

(۷۵)ک:

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

(۷۶)ک:

کلکِ رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

☆☆☆

(۷۷)ک :

کوئی اُن کی قبا کی بندشوں کو کچھ نہیں کہتا
میرا ذوقِ جنوں ہی مفت میں بدنام ہوتا ہے

(۷۸)ک :

کریم اپنے کرم کا صدقہ لیئم بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے

(۷۹)گ :

گناہوں سے پشیماں دیکھ کر اے داورِ محشر
تری رحمت نے دھو ڈالا مرے دامانِ عصیاں کو

(۸۰)گ :

گرم آنسو، سرد آہیں، داغِ دل، خونِ جگر
یہ متاعِ عشق لایا ہوں تمہارے دیس میں

(۸۱)ل:

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سُنی تھی چراغ لے کے چلے

(۸۲)م:

محمد مصطفیٰ کے نام نے طوفاں کا رخ پھیرا
ذرا سا فاصلہ تھا دل کی کشتی ڈوب جانے میں

(۸۳)م:

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

☆☆☆

(۸۴)م:

محمد کی محبت ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

(۸۵)م:

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

(۸۶)م:

میرے چہرے پر دکھاوے کا تبسم ہے مگر
میری آنکھوں میں اداسی کے دیئے جلتے ہیں

(۸۷)م:

منظور ہے اس بزم میں اصلاحِ مفاسد
نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

(۸۸)م:

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے

(۸۹)م:

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دوجہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

(۹۰)م:

مدتوں خاموش تھا میں آج ہی کے واسطے
دیکھنا ہے کون ٹکراتا ہے اس طوفان سے

☆☆☆

(۹۱)ن:

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

(۹۲)ن:

نہ تیغ تیر پر تکیہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر
بھروسہ تھا تو اک سادہ سی کالی کملی والے پر

(۹۳)ن:

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار اُن سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

(۹۴)ن:

ناحق ہے گِلہ ہم سے، بے جا ہے شکایت بھی
ہم لوٹ کے آجاتے آواز تو دی ہوتی

(۹۵)و:

وسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب کو
جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے

(۹۶)و:

وسیلہ بھی بڑی چیز ہے خدا تک
میں پہنچا تو مگر دامن بہ دامن

(۹۷)ہ:

ہوسکے تو لایئے دونوں جہاں میزان میں
مَیں نے اِک سجدہ زمین کربلا سے لے لیا

☆☆☆

(۹۸)ہ:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

(۹۹)ی:

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑگئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

(۱۰۰)ی:

یہ آنکھ کے آنسو ہیں، کہ ساون کی جھڑی ہے
جب سے وہ گیا ہے مجھے کچھ ہوش نہیں ہے

☆☆☆

یازیادہ ۱۱/اشعار۔اختتامِ خطابت پر

(۱)الف:

ابھی اور زندگی دے کہ ہے داستان ادھوری
مری موت سے نہ ہو کبھی داستان پوری

(۲)الف:

احساس کی شدّت کا یہ کیسا تماشا ہے
سیراب ہوں مَیں لیکن مجھ میں کوئی پیاسا ہے

(۳)الف:

اکیلا ہوں مگر آباد کردیتا ہوں ویرانہ
بہت روئے گی میرے بعد میری شامِ تنہائی

☆☆☆

(۵)خ:

خوب کی سیرِ چمن پھول چنے شاد رہے
باغباں جاتا ہوں مَیں باغ تیرا آباد رہے

(۶)ط:

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک ہی بہت ہے اگر کچھ اثر کرے

(۷)ک:

کہتے ہی کہتے عمر گذر جائے گی میری
اُن کا بیان ہے یہ کوئی داستاں نہیں

(۸)م:

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قیدِ حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

(۹)و:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

(۱۰)ی:

یہ تو اپنا اپنا ہے حوصلہ، یہ تو اپنی اپنی اُڑان ہے
کوئی اُڑ کے رہ گیا بام تک، کوئی کہکشاں سے گذر گیا

(۱۱)ی:

یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ ہوا بیان، وہ آغازِ باب تھا

☆☆☆

Scanned by CamScanner

بہارِ نقابت

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ الْمُؤَدِّبِیْنَ بِاٰدَابِہٖ ○ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ○
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ (پ۲۲، ع ٤)

ترجمہ: بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے دُرود بھیجتے ہیں اُس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو! اُن پر دُرود اور خوب سلام بھیجو۔

اللھم صل علیٰ سیدنا شفیعنا حبیبنا مولانا محمدٍ بارک وسلم صلوا علیہ صلاۃً وّسلاماً علیك یا رسول اللّٰہ۔

آج بزمِ مصطفےٰ ہے سب کو آنا چاہیے
عاشقانِ مصطفےٰ تشریف لانا چاہیے

کہاں ہو غوث و خواجہ کے طلب گارو! اِدھر آؤ
کہ ذکرِ سرورِ عالم کا جلسہ ہونے والا ہے

آؤ خوابیدہ مقدر کو جگایا جائے
حکمِ آقا پہ عمل کرکے دِکھایا جائے

پرچمِ دینِ نبی آئے نظر چاروں طرف
اس طرح سے پرچمِ اسلام اُٹھایا جائے

رحمت و نور کی برسات جہاں ہوتی ہے
بس وہیں چل کے شب و روز نہایا جائے

اور مَیں تو یہی کہوں گا کہ

رحمت و نور کی برسات یہیں ہوتی ہے
آج کی شب اسی محفل میں گزاری جائے

برادرانِ اسلام! ہم اپنا سارا وقت کسی نہ کسی کام میں لگا دیتے ہیں، کسی نہ کسی مصروفیت میں صَرف کردیتے ہیں۔ لیکن ہمارا سب سے اچھا اور قیمتی وقت وہی ہے جو عبادت واطاعت میں گزر جائے۔ کیوں کہ ذکرِ الٰہی زندگی ہے اور ذکرِ الٰہی سے غفلت موت وشرمندگی ہے۔ بے شمار فضل واحسان ربِّ قدیر وبصیر کا کہ آج رات ہم ایک ایسی ایمانی و ایقانی، نورانی وعرفانی بزم میں حاضری کی سعادت حاصل کررہے ہیں جس کے متعلق مدنی سرکار ارشاد فرماتے ہیں تَـنَـزَّلُ الرَّحْمَةُ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْن۔ یعنی صالحین کے ذکر کے وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

دوستو! جب صالحین کے ذکر کے وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذکر کے وقت کس قدر رحمتوں کا نزول ہوگا۔

دشمنِ رسول ابولہب نے جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیدائش کی خبر سُنی تو خوشی میں خبر لانے والی باندی ثُویبہ کو اُنگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مَیں نے تجھے آزاد کردیا۔

حضراتِ محترم! حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بار بار اُس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، مگر اُس نے اسلام قبول نہیں کیا اور کفر ہی پر اُس کا خاتمہ ہوا۔ اِس کے باوجود اُس کٹر دشمنِ رسول اور اَبدی جہنّمی کو ولادتِ رسول کی خوشی منانے پر یہ صلہ ملا کہ پیر کے دن اُس کا عذاب ہلکا ہوجاتا ہے اور جس اُنگلی سے اشارہ کرکے باندی کو آزاد کیا تھا، اُس اُنگلی کو چوس کر وہ سیراب ہوتا ہے۔

جب دشمنِ رسول اِس قدر فائدہ اُٹھا سکتا ہے، تو ہم غلامانِ مصطفٰے بدرجۂ اولیٰ فیضیاب ہوسکتے ہیں۔ عذابِ قبر وحشر اور عذابِ جہنم سے کیوں نہ نجات ہوسکے گی۔

یہ دربارِ محمد ہے یہاں اپنوں کا کیا کہنا
یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے

ہے تو ہرے عصیاں کی فہرست بڑی لیکن
سرکارِ دوعالم کی رحمت کا سہارا ہے

کتنی پُرنور ہے پُرکیف فضا آج کی رات
چھائی ہر سمت ہے رحمت کی گھٹا آج کی رات

آج اِس عظیم الشان اجلاس اور تاریخ ساز کانفرنس میں شرکت کرنے والوں میں غربائے امت بھی ہیں اور رؤسائے شہر بھی، اہلِ علم و بصیرت بھی ہیں، اربابِ تصنیف و تالیف بھی، اربابِ سیاست بھی ہیں، شہرت یافتہ اہلِ صحافت بھی، کالج کے پروفیسر بھی ہیں، یونیورسٹی کے لیکچرار بھی۔..........اور زینتِ اسٹیج ہونے کے لیے اگر ایک طرف علمائے کرام و مشائخ عظام کا نورانی قافلہ موجود ہے، تو دوسری طرف شعراء و خطباء کا حسین امتزاج بھی۔

اگر ایک طرف گلاب کی خوشبو محسوس کریں گے، تو دوسری طرف یاسمین کی مہک بھی، اگر ایک طرف چمن کی دل کشی دیکھیں گے تو دوسری طرف گلوں کی تازگی بھی، اگر ایک طرف جوہی و چنبیلی کی چمک دیکھیں گے، تو دوسری جانب گلِ داؤدی کے دل کش باغ و بہار بھی۔ اگر ایک سمت فضاؤں کی رنگینی دیکھیں گے، تو دوسری سمت ہواؤں کی نغمگی بھی۔ اب بلا تاخیر بزم کا آغاز کلامِ الٰہی سے کیا جارہا ہے۔ جو لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے آیا ہے۔ جس کا پڑھنا، پڑھانا عبادت ہے، جس کا سُننا سُنانا عبادت ہے۔ جس کا چومنا اور سینے سے لگانا بھی عبادت ہے۔

محفل کی ابتدا ہے قرآنِ مجید سے
رحمت کے پھول برسیں گے ذکرِ سعید سے

اب مَیں ایک ایسے ذی استعداد اور مترنم قاریِ قرآن کو تلاوتِ قرآن کے

لیے آواز دے رہا ہوں، جن کی آواز میں کشش بھی ہے اور لحنِ داؤدی بھی۔ جن سے میری مراد قاریِ قرآن جناب .... صاحب ہے۔ موصوف سے مَیں گزارش کروں گا۔

سُناؤ نغمۂ قرآں کہ ہم بے دار ہوجائیں
اندھیروں سے نکل کر صاحبِ انوار ہوجائیں

تلاوتِ قرآن......................................

حضرات! تلاوتِ قرآن مجید سے ایک کیف آور سماں پیدا ہوگیا ہے، محفل میں انتہائی مؤدبانہ خاموشی چھا گئی ہے۔ ہر طرف نہایت ہی ایمان افروز سکوت کا پہرہ ہے۔......اب ذکرِ خدا کے بعد ذکرِ مصطفٰے کی طرف رُخ کیا جائے۔

سجاؤ شوق سے ذکرِ رسول کی محفل
کہ یہ چراغ ہے مرقد کی روشنی کے لیے

اب آیئے نعتِ نبی سے محفل کو گرمانے کے لیے ایک ایسے ادیب شہیر کو آواز دوں جن کی ایمان افروز نعتوں کا شہرہ آج پورے بھارت میں ہے۔ جن کی حاضری کانفرنس کی کامیابی کی ضمانت ہوا کرتی ہے۔ جن کی روح پرور نعتیں سُن کر ایک وجدانی اور مستانہ وار کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔

ایسے شاعر خوش الحان کہ جن کی آواز میں کوئل کی کوک، بُلبل کی چہک، پھولوں کی مہک اور آبشاروں کا ترنّم ہے۔ جن سے میری مراد شہنشاہِ ترنّم عالی جناب.............صاحب ہے۔ موصوف سے گزارش کروں گا کہ۔

عشقِ نبی میں جھوم کے نعتیں سُنایئے
ہم رندوں کو شرابِ محبت پلایئے
اتنا پلایئے کہ بجھے سب کی تشنگی
مائک پہ جھوم جھوم کے تشریف لایئے

نعت شریف

اے زائرِ طیبہ یہ مدینے کی گلی ہے
آہستہ سے چلنا کہ یہاں کوئے نبی ہے

سُن سُن کے مدینے کی بہاروں کے کوائف
تصویرِ مدینہ مری آنکھوں میں بسی ہے

وہ شمس و قمر سے بھی زیادہ ہے منوّر
تنویرِ محمد کی جھلک جس پہ پڑی ہے

تجدید کرو عام کرو دین کی باتیں
جس سمت بھی دیکھو مدنی دھوم مچی ہے

عشقِ شہِ بطحا سے سُلگتا ہے مرا دل
جو آگ بجھا دیگی وہی آگ لگی ہے

حیران مری موت سے کیوں ہیں مرے احباب
مرنے کے بہانے مری بارات سجی ہے

معراج کے دولہا سے ملاقات تو ہوگی
کس شان سے بارات مدینے کو چلی ہے

اوقات مری کیا ہے مری کیا ہے حقیقت
سرکار کی نسبت سے مری بات بنی ہے

آدابِ مدینہ رہے ملحوظ مجاہدؔ
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

☆☆☆

گنگناتا ہوا یہ کون چمن سے گزرا
ہر کلی مائل گفتار نظر آتی ہے

شہنشاہِ ترنم، بلبلِ باغِ مدینہ چہک رہے تھے اور عشاق مچل رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ حاضرین گویا مدینے کی گلیوں سے گزر رہے ہیں اور گنبدِ خضریٰ کا حسین منظر نگاہوں کے سامنے ہے۔

اب آیئے نظم سے نثر کی طرف رُخ کرتے ہوئے ایک ایسے برق بار، شعلہ دار، بے مثال خطیب شہیر کو مدعو کیا جائے، جو اپنی خطابت سے ملّتِ اسلامیہ کے نوجوانوں میں فکر و نظر، عزم و حوصلے کا جذبۂ بیکراں بھر دیتے ہیں۔ جن کی گفتگو میں شیروں کی گھن گرج ہے تو خطیبانہ جوہر بھی، مَیں بڑے ادب کے ساتھ علم و فضل کے

ماہِ درخشاں، علومِ شریعت کے نیّرِ تاباں، مجاہدِ قلم و بیاں حضرت علامہ و مولانا مفتی ....صاحب قبلہ سے گزارش کروں گا کہ کرسی خطابت پر جلوہ افروز ہوں۔

آیئے حضرت کا اِستقبال نعروں کی گونج میں کرلیا جائے۔ اس لیے کہ

کفر کی دھرتی ہلے گی نعرۂ تکبیر سے
شرک کی کھیتی جلے گی نعرۂ تکبیر سے

نعرۂ تکبیر.................

تقریر

غلط رَوی سے منازِل کا بُعد بڑھتا ہے
مسافرو روشِ کارواں بدل ڈالو
جگا جگا کے تمہیں تھک چکے ہیں ہنگامے
نشاطِ لذّتِ خوابِ گراں بدل ڈالو
سفینہ جا کے کنارے پہ لگ تو سکتا ہے
ہوا کے رُخ پہ چلو بادباں بدل ڈالو

بلاشبہ آج کل کے حالات کچھ ایسے ہی ہیں مگر پھر بھی مَیں کہوں گا کہ

نہ ہو مایوس مایوسی بھی زوالِ علم و عرفاں ہے
اُمید مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں
عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تُو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

خطیب ذی شان حضور مجاہد الاسلام اپنے زورِ خطاب سے جہاں قوم و ملت

کی فتح و کامرانی اور تعمیر و ترقی کی راہ متعین کر رہے تھے، وہیں مجاہد ینِ اسلام کی جرأت و ہمت، صبر واستقلال اور اُن کے پاکیزہ کردار و کمال کو تاریخِ اسلام کی روشنی میں یوں بیان فرمارہے تھے ۔

طارق کبھی موجوں پہ قدم لیتے ہیں
خالد کبھی ہاتھوں میں علم لیتے ہیں
ہر دَور میں اُٹھتے ہیں یزیدی فتنے
ہر دَور میں شبیر جنم لیتے ہیں

اب آیئے! ایک بار پھر اُسی عاشقِ رسول، گلشنِ طیبہ کے مہکتے ہوئے پھول، جن کی نعت خوانی میں بلبل کی چہک، پھولوں کی مہک اور غنچوں کی چٹک ساتھ ساتھ ہے۔ آپ کے سامنے وہی انداز، وہی مٹھاس، وہی چاشنی، وہی صاد، وہی ہنستا ہوا چہرہ، وہی رنگ وڈھنگ، وہی ہونٹوں پہ تبسم، وہی لب و لہجے، وہی لحن و ترنم لیے مائک پہ حاضر ہر دل عزیز شخصیت جناب.........صاحب۔ مَیں اُن سے گزارش کروں گا کہ

چلا وہ تیر جو بہتر تری کمان میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے
کتنی اچھی، کتنی پیاری مدح بھری آواز ہے
دل کو جو اپنا بنالے وہ حسیں انداز ہے

(نعت پاک) خوش نہال ہے

فضل خدا سے قلب مرا خوش نہال ہے — عشقِ رسولِ پاک سے کیا مالا مال ہے
سورج پلٹ گیا تو کبھی چاند شق ہوا — اعجازِ مصطفےٰ کا یہ ادنیٰ کمال ہے
دیدارِ مصطفےٰ کا ہے دعویٰ محض غلط — چوبیس نمبروں کو تو ایسا محال ہے
نعتِ نبی سے دِل کی کلی کھل کے رہ گئی — کچھ اِس طرح سُنا کہ طبیعت بحال ہے

بے جان کنکروں کو بھی کلمہ پڑھا دیا مختارِ کائنات کا ایسا جلال ہے
سدرہ پہ مصطفیٰ سے کہا جبرئیل نے آگے بڑھوں ذرا بھی میری کیا مجال ہے
اصحاب پی کے آب سے سیراب ہو گئے واللہ انگلیوں کا وہ فیض و کمال ہے
بے نور آیا مانگنے پُرنور ہو گیا سرکارِ دوجہاں کا وہ جود و نوال ہے
میزان و پل صراط پہ، کوثر کے حوض پر اُمّت کے واسطے اُنہیں کیسا خیال ہے
تشبیہ چاند سے تو مجاہدؔ ہے نا تمام
اللہ کے حبیب کا ایسا جمال ہے

حضرات! اب آپ قلب وجگر تھام کر تشریف رکھیں، اس لیے کہ اب میں ایک ایسے فن کار و مشاق ادیب اور شعلوں کو ہوا دینے والے خطیب کو پیش کرنے جا رہا ہوں، جن کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ بنگال کی کھاڑی سے لے کر گجرات کی وادی تک، کشمیر سے کنیا کماری تک جن کی شہرت کا ڈنکا بج رہا ہے۔

بھارت کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی جن کی خطابت کا چرچا ہو رہا ہے، جن کے فلسفیانہ خطاب کی شہرت پورے شہر میں بوئے گل کی طرح پھیل جاتی ہے، جن کے سحر انگیز اور ولولہ خیز خطابِ نایاب سے اگر خون میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ جہالت وضلالت کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔

حضرت کی تقریر اگر غلامانِ مصطفیٰ کے لیے سراپا تنویر ہوتی ہے، تو دشمنانِ مصطفیٰ اور باغیانِ مجتبیٰ کے لیے برہنہ شمشیر ہوا کرتی ہے۔

لہٰذا میرا یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ۔

اُن کی تقریر طبع یار کو بے چین کرتی ہے
سبب کیا ہے وہی کہتے ہیں جو دل پہ گزرتی ہے
کبھی شعلہ، کبھی شبنم حسیں تقریر ہوتی ہے
لبھائے دِل کو جو، وہ دل نشیں تقریر ہوتی ہے

اب مَیں بڑے ادب واحترام کے ساتھ خطیب ذیشان، مقررِ شیریں بیان حضرت علامہ.................صاحب قبلہ کی خدمتِ اقدس میں عرض کروں گا۔

نشیمن پر نشیمن اس طرح تعمیر کرتا جا
کہ بجلی گرتے گرتے آپ خود بے زار ہو جائے

آیئے اپنے آئے ہوئے ہر دل عزیز مہمانِ خصوصی کا استقبال فلک شگاف نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت سے کریں۔ نعرۂ تکبیر..........نعرۂ رسالت..........

اب آیئے باہر سے تشریف لائے ہوئے اُس خصوصی مہمان شاعر کو آواز دوں..........جن کی مترنم آواز سے سامعین پر کیف وسرور کی طلسماتی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جن کی نعت خوانی سے عشقِ رسالت کی بادِ بہاری رقص کرنے لگتی ہے، جن کی روح پرور نغمگی، فصلِ خزاں میں موسمِ بہار کا منظر پیش کرتی ہے......

لیکن اُس خصوصی مہمان کو پیش کرنے سے پہلے مَیں آپ حضرات سے گزارش کروں گا کہ خاموشی کا پہرہ نہ لگایا کریں...... یہ شہر، شہرِ خموشاں نہیں ہے۔ یہ دیوانوں کے مچلنے کی جگہ ہے..........سبحان اللّٰہ! الحمد للّٰہ! پڑھ لیا کریں۔ اور جب نامِ محمد (ﷺ) سُنیں تو عشقِ نبی میں جھوم کر، انگوٹھوں کو ہونٹوں سے چوم کر، دُرود شریف پڑھ کر اپنی آنکھوں سے لگا لیں۔ کیونکہ مدنی سرکار نے دُرود نہ پڑھنے والوں کو بخیل و کنجوس فرمایا ہے اور پڑھنے والوں کو رحمت و برکت کی بشارت سُنائی ہے۔

جو شے تری نگاہ سے گزرے دُرود پڑھ
ہر جز و کُل ہے مظہرِ انوارِ مصطفےٰ

ہر درد کی دَوا ہے صلِ علیٰ محمد
تعویذ ہر بلا ہے صلِ علیٰ محمد

اب میں باہر سے آئے ہوئے مہمان شاعر بلبلِ باغِ مدینہ عالی جناب......
صاحب سے گزارش کروں گا ۔

سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے
خرمنِ باطل جلادے شعلۂ آواز سے
ابھی وہ نغمۂ بلبل ذرا اک بار ہوجائے
کلی کی آنکھ کھل جائے چمن بیدار ہوجائے

❖❖❖

(نعت پاک) کیسا لگے گا

سرکار کریں مجھ پہ کرم کیسا لگے گا
مٹ جائیں مرے رنج و الم کیسا لگے گا

چوکھٹ پہ جبیں ہو مری خم کیسا لگے گا
رکھ دیں جو مرے سر پہ قدم کیسا لگے گا

نکلے درِ سرکار پہ دَم کیسا لگے گا
مدفن ہو مرا ارضِ حرم کیسا لگے گا

ماں باپ سے بڑھ کر مرے آقا کی ہے شفقت
محشر میں بھی رکھیں گے بھرم کیسا لگے گا

آئیں گے قیامت میں جو دشوار مراحل
فرمائیں گے حل شاہِ اُمم کیسا لگے گا

آقا کی شفاعت پہ بھروسہ ہے مجاہدؔ
مسکن ہو مرا باغِ اِرم کیسا لگے گا

شہنشاہِ ترنم نے واقعی اپنی دل کش آواز اور لحنِ داؤدی سے اس تاریخ ساز

کانفرنس کو چمن زار بنادیا۔

نظروں میں مصطفےٰ کی گلی تھی ابھی ابھی
بزم تصوّرات سجی تھی ابھی ابھی

کس کی زباں پہ نعتِ نبی تھی ابھی ابھی
معلوم کر رہے تھے فرشتوں سے جبرئیل

اب آیئے ایک ایسے بے باک اور نڈر خطیب کو پیش کردوں، جو قرآن و سُنّت کی ترویج و اشاعت اور مذہب اسلام کے فروغ و استحکام کے لیے ہمیشہ سرگرم اور کوشاں رہتے ہیں۔ اپنے ایمانی و عرفانی اور حقانی خطاب سے خوابیدہ قوم کو بیدار کر کے اُن میں تعمیری انقلاب پیدا کردینے کا دِل میں حوصلہ رکھتے ہیں۔ حضرت خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ دینی درس گاہ کے باصلاحیت مدرّس اور استاذ الاساتذہ بھی ہیں۔...... آیئے حضرت کا استقبال نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت سے کریں۔ نعرۂ تکبیر.................، نعرۂ رسالت..................

جو ساقیِ کوثر کا وفادار نہیں
وہ کوثر و تسنیم کا حق دار نہیں

سامعین کرام! خطیبِ اہلِ سُنّت جہاں عقایدِ حقّہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت کر کے غلامانِ مصطفےٰ کے قلوب و اذہان کو جلا بخش رہے تھے۔ وہیں شعلہ و برقِ الٰہی بن کر ایوانِ باطل کے گمراہ کن فاسد عقیدوں کی دھجیاں بکھیر رہے تھے۔ بلکہ یہ کہنا بھی مناسب ہوگا کہ حضرت مسلکِ اعلیٰ حضرت کی مکمل ترجمانی کر رہے تھے کہ ؎

وسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب کو
جُرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے
حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولیٰ کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دَم میں جب تک دَم ہے ذِکر اُن کا سُناتے جائیں گے

حضرات! آج اس دورِ حاضر میں کچھ لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ مسلکِ اعلیٰ

حضرت کیا ہے؟ کیا یہ کوئی نیا مذہب ہے؟ کوئی کہتا ہے، یہ بریلی والے ہیں۔

دوستو! اس کا جواب ہمارے پاس یہ ہے کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کوئی نیا راستہ نہیں ہے، بریلویوں کا یہ کوئی نیا دین و مذہب نہیں ہے، اہلِ سُنّت کا یہ کوئی نیا مسلک نہیں ہے، بلکہ مسلکِ امامِ اعظم کا سچا علم بردار ہے۔ یہ وہی طریقہ ہے جسے امام اعظم نے بنایا ہے، یہ وہی راستہ ہے جسے امام اعظم نے سجایا ہے، یہ وہی مذہب و مسلک ہے جسے امام اعظم نے ہمیں دیا ہے.......... تقریباً آج سے سو سال پہلے تک مسلکِ امام اعظم کہہ دینا ہمارے لیے کافی تھا، مگر جب سے انگریز کے اُن زر خرید غلاموں نے مسلکِ امام اعظم کا لیبل لگا کر تفریق بین المسلمین کا گھنونا کردار ادا کرنا شروع کر دیا، اپنے کو حنفی مسلمان بتا کر ہر شہر اور ہر گاؤں میں گھر گھر جا کر عوام کو گمراہ کرنا شروع کر دیا، نماز کا بہانہ بنا کر سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دینا شروع کر دیا، تو ہم مسلکِ امام اعظم کے ساتھ مسلکِ اعلیٰ حضرت بھی کہنے لگے۔ تاکہ عوام الناس اپنوں اور بے گانوں میں فرق پیدا کر سکیں۔ کیونکہ ؎

آج جاہل بھی ہے عالم کا لبادہ اوڑھے
ایسے ملاؤں سے ایماں کو بچائے رکھیے

مسلمانو! آج اِس دورِ پُر فتن میں اِن شہر شہر، گاؤں گاؤں چکّر لگانے والوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اِن بہروپیوں کے لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد کا تمہیں پاس نہیں
یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

ہزاروں سلام ہو روحِ اعلیٰ حضرت کو جن کی بے لوث خدمات نے..........

مسلمانوں کے دلوں میں عشقِ نبی کا چراغ روشن کردیا
جن کے نیزۂ قلم نے مذہبی بہروپیوں کا چہرہ بے نقاب کردیا
یہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار آر سے پار ہے
کلکِ رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

اب مَیں بلا تاخیر ایک ایسے نوجوان شاعر کو پیش کرنے جارہا ہوں، جنہیں موسم بہار کی طرح چھا جانا آتا ہے اور گھٹا بن کر بادلوں کی طرح برسنا بھی، جن سے میری مراد رئیس الشعرا وصفِ شاہ ہدیٰ جناب.........صاحب قبلہ ہیں۔

فدا جن کی آواز پر ہے زمانہ وہی آج شیریں کلام آرہا ہے

منقبت درشان اعلیٰ حضرت

پیشوائے اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت قادری
بلبلِ باغِ رسالت اعلیٰ حضرت قادری

مظہرِ شانِ نبوت اعلیٰ حضرت قادری
ہیں ثنا خوانِ سیادت اعلیٰ حضرت قادری

عاملِ قرآن و سُنّت اعلیٰ حضرت قادری
باخدا کنزالکرامت اعلیٰ حضرت قادری

رات دن کرتے رہے نشر و اشاعت دین کی
چشمۂ رُشد و ہدایت اعلیٰ حضرت قادری

دشمنانِ دین و ملّت کے لیے تلوار ہیں
پاسبانِ دین و ملّت اعلیٰ حضرت قادری

پیشواؤں نے دیا ہے اعلیٰ حضرت کا لقب
اس لیے ہر سُو ہے شہرت اعلیٰ حضرت قادری

اے مجاہد دامنِ احمد رضا تھامے رہو
لے چلیں گے سوئے جنت اعلیٰ حضرت قادری

رئیس الشعرا بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں گلہائے عقیدت لٹا رہے تھے اور اپنی مسحور و مترنم آواز سے سامعین و ناظرین پر ساون بھادو کی طرح برس رہے تھے۔ اب مَیں آپ حضرات کے سامنے ایک ایسی معروف و مشہور شخصیت کو پیش کروں، جو قرآن و حدیث کا درس دے کر فتح و نصرت کا سامان مہیا کر دیتے ہیں۔ اسلام پر کیے گئے شبہات و اعتراضات کا اِزالہ اتنی خوش اسلوبی سے کرتے ہیں کہ معترضین و معاندین دَم بخود رہ جاتے ہیں۔ بگڑے ہوئے معاشرے کے لیے موصوف ایسا لائحۂ عمل پیش کرتے ہیں کہ جس سے عوام و خواص کے اندر عقابی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ ٹھوس دلائل، مضبوط شواہد اور فکر انگیز استدلال سے ہر طرف فکر و فن کے غنچہ و گل کِھل اُٹھتے ہیں۔

خطابت کی دنیا پہ ہے حکمرانی دلوں کو جگاتی ہے سحرالبیانی
فدا ان کی تقریر پہ ہے یقیناً گلوں کا تبسم، کلی کی جوانی

اب میں شیر بیشۂ اہلِ سُنّت فخرِ مسلکِ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مولانا...... ....صاحب قبلہ سے عرض کروں گا کہ۔

لے کے گلزار طیبہ کی کلی کی مہک غنچۂ باغِ خطابت چلے آیئے
لے کے جامِ خطابت کی سرمستیاں واعظِ اہلِ سُنّت چلے آیئے

آیئے کرلیں سواگت نعرۂ تکبیر سے
لرزہ براندام ہے باطل اسی شمشیر سے

نعرۂ تکبیر............ نعرۂ رسالت..................

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار آر سے پار ہے
کلکِ رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

حضرات! یہ تھے فخرِ مسلکِ اعلیٰ حضرت، یہ تھے شیر بیشۂ اہلِ سُنّت، جو دشمنانِ مصطفےٰ اور باغیانِ مجتبیٰ پر برق خاطب بن کر گر رہے تھے اور خرمنِ الحاد و بے دینیت کو خاکستر کر رہے تھے اور ہم سب کو یہ پیغامِ رضا دے رہے تھے کہ۔

خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دَم میں جب تک دَم ہے ذِکر اُن کا سُناتے جائیں گے

اب میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں دُور دراز سے آئے ہوئے ایک ایسے خصوصی مہمان شاعر کو جن کی آواز میں کوئل کی کوک اور بلبل کی چہک ہے، نرالہ انداز اور درد بھری مترنم آواز ہے، جن سے میری مراد ہر دل عزیز شاعرِ اہلِ سُنّت جناب (سجاد جمالی) صاحب ہیں، مَیں جناب سے یہی کہوں گا کہ۔

ساون کی طرح آج برسنا ہے تمہیں بھادو کی طرح آج گرجنا ہے تمہیں
برسات ترنم کی یہیں ہونی ہے آج سب کو مدنی رنگ دکھانا ہے تمہیں

منقبت شریف

گلِ گلزار باغِ مصطفےٰ مخدوم سمنانی
حسینی یادگارِ کربلا مخدوم سمنانی
ضیائے بارگاہِ مرتضیٰ مخدوم سمنانی
چراغِ حضرت غوث الوریٰ مخدوم سمنانی

شریعت میں طریقت میں حقیقت میں سیادت میں
ہمارے پیشوا اور رہنما مخدوم سمنانی
کچھوچھہ کے سبھی سادات سے ہم کو عقیدت ہے
اسی نسبت کا صدقہ ہو عطا مخدوم سمنانی
ہمارے پیر و مرشد جو ہمارا دھیان رکھتے ہیں
ہمارے پاس ہیں جلوہ نما مخدوم سمنانی
کچھوچھہ سے ہزاروں تشنگاں سیراب ہوتے ہیں
ہمیں بھی جام عرفاں کا پلا مخدوم سمنانی
مجاہدؔ منتظر بیٹھے ہیں ہم کب سے زیارت کو
اُٹھا دو رُخ سے پردہ اب ذرا مخدوم سمنانی

اب مَیں بلا تاخیر ایک ایسے بے باک اور نڈر خطیب کو مدعو کر رہا ہوں جو علم کے سمندر اور زبان و قلم کے شہنشاہ ہیں۔ جن سے میری مراد نباضِ قوم وملت، رہبرِ شریعت .... (حضور غازیِ ملت) ...... صاحب قبلہ ہیں۔ حضرت کا استقبال حضرت کے شایانِ شان پُر تپاک انداز میں نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت سے کیا جائے۔ نعرۂ تکبیر............ نعرۂ رسالت............

بے جان پرندوں پر ہم وار نہیں کرتے
مرجھائے ہوئے پھولوں سے پیار نہیں کرتے
کرتے ہیں زیارت بس اللہ کے ولیوں کی
گستاخ نبی کا ہم دیدار نہیں کرتے

خطیب باکمال، حضور غازیِ ملت، اولیائے کرام اور بالخصوص حضور مخدوم پاک کی روحانیت اور اُن کے تصرفات و کرامات کو تواریخ وسیر اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں واضح فرمارہے تھے، اور اُن حضرات سے عقیدت ومحبت رکھنے

کا درس دے رہے تھے۔

بلا شک وشبہہ اولیاءِ کرام نے اپنے وجودِ مسعود سے ہر خطے کو سرچشمۂ رُشدو ہدایت سے سیراب کیا ہے، اور آج بھی اُن کے فیضان جاری ہیں۔

حضرات! ایک انگریز سیاح جب بھارت کے عجائب دیکھ کر اپنے وطن واپس گیا تو اُس کے دوستوں نے پوچھا کہ انڈیا کی سب سے انوکھی چیز کیا ہے؟ تو اُس وقت اُس سیاح نے اپنے دوستوں کو برجستہ یہ جواب دیا تھا۔ مَیں نے دِلّی کا لال قلعہ دیکھا...... لکھنؤ کا عجائب گھر دیکھا...... قطب مینار دیکھا...... چاندنی چوک دیکھا...... آگرہ کا تاج محل دیکھا...... سومناتھ کا مندر بھی دیکھا...... گوتم بدھ کا استھان بھی دیکھا...... اور سلطان الہند خواجہ غریب نواز کا مزارِ پُر انوار بھی دیکھا۔ مگر سب سے حیرت انگیز منظر مجھے اجمیر ہی میں نظر آیا۔ کیونکہ وہاں ایک مُردہ لاکھوں زندوں پر حکومت کر رہا ہے ؎

ہندو مسلم سکھ عیسائی سب ہی دَر پہ آتے ہیں
سب کی جھولی بھرتے ہیں، یہ داتا ہی کچھ ایسے ہیں

وہ انگریز اپنے دوستوں سے کہتا ہے، مَیں نے بہت غور سے دیکھا، مجھے یہی محسوس ہوا کہ راجہ نظر نہیں آتا مگر راج چل رہا ہے، حاکم نظر نہیں آتا مگر حکومت چل رہی ہے۔

اب مَیں شہنشاہِ ترنم عالی جناب (شبنم کمالی) صاحب کو آپ حضرات کے حوالے کرتا ہوں، اِس لیے کہ ؎

بلبل سے بہر حال نشیمن نہ چھٹے گا　بارود کی دہشت سے یہ گلشن نہ چھٹے گا
ماحول ابھی گرچہ موافق بھی نہیں ہے　سرکار مگر آپ کا دامن نہ چھٹے گا

اب مَیں بلا تاخیر عندلیبِ چمنِ رسالت شاعرِ اہلِ سُنّت جناب.............. سے گزارش کروں گا کہ ؎

فلک سے چاند اُترے گا ستارے مسکرائیں گے
اگر مائک پہ مدّاحِ نبی تشریف لائیں گے

(نعت شریف) خیرات مدینے میں

انعام لُٹاتے ہیں، دن رات مدینے میں
پاتا ہے تہی دامن، خیرات مدینے میں

بے اِذن نہیں لاتے جبریل امیں لوگو
دربارِ الٰہی سے، آیات مدینے میں

گستاخِ نبی نجدی جاکے تو ذرا دیکھو
سرکارِ دوعالم کے اثرات مدینے میں

آدابِ نبی عاشق، ملحوظ رہے ہر دَم
رو رو کے سُنانا تم ہر بات مدینے میں

روضے کا حسیں منظر، فردوس سے پیارا ہے
ہر لمحہ ہے رحمت کی برسات مدینے میں

جنّات ہوں یا انساں دربارِ نبی میں سب
آتے ہیں ملائک بھی، دن رات مدینے میں

ٹھوکر میں زمانہ ہے، مجبور نہیں ہیں ہم
اِک پل میں سنورتے ہیں، حالات مدینے میں

اللہ کے خزانوں سے دیتے ہیں شہِ بطحا
محتاج وغنی سب کو، صدقات مدینے میں

مردود وہابی کیوں، منکر ہو سلاموں کے
بُلبل بھی سُناتا ہے نغمات مدینے میں

سوغات مدینے میں لے چلنا مجاہد تم
عشاق لے جاتے ہیں سوغات مدینے میں

❖❖❖

عطر و گلاب، رنگ و گلستاں بھی مات ہے
کتنی حسین آج یہ جلسے کی رات ہے

حضرات! دل جمعی کے ساتھ بیٹھے رہیں اور زندہ دلی کا ماحول قائم رکھیں، اور آنے والے خطبا کو داد و تحسین دیتے رہیں۔ اب مَیں ایک ایسے خطیب کو پیش کر رہا ہوں جو مُردہ جسم میں ایمان ویقین کی روح پھونک دیتے ہیں اور ظلمت کدۂ دل میں خوفِ خدا اور عشقِ مصطفیٰ کا چراغ روشن کر دیتے ہیں۔ اگر قرآنی آیات کی طرف توجہ کرتے ہیں تو حقائق و معارف کے جوہر لٹاتے ہیں۔ اور اگر احادیثِ نبوی کی شرح و وضاحت پر اُترتے ہیں تو پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل حل ہوتے نظر آتے ہیں۔

آیئے حضرت کا استقبال نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت سے کریں۔ نعرۂ تکبیر..............

اب مَیں شہنشاہِ ترنّم عالی جناب..........صاحب سے گزارش کروں گا کہ

رونق بڑھے گی بزم میں نعت رسول سے — بزمِ نبی میں نعتِ نبی گنگنایئے
عشقِ نبی میں جھوم کے نعتیں سُنایئے — ہم رندوں کو شرابِ محبت پلایئے
اتنا پلایئے کہ بجھے سب کی تشنگی — مائک پہ جھوم جھوم کے تشریف لایئے

نعت شریف

جو سگِ سرکار ہو ہی جائے گا — خُلد کا حق دار ہو ہی جائے گا
مومنو پڑھتے رہو اُن پہ دُرود — خواب میں دیدار ہو ہی جائے گا
یارسول اللہ کہتے ہی مرا — پل میں بیڑا پار ہو ہی جائے گا

عظمتِ سرکار سے جو دور ہے ہر جگہ وہ خوار ہو ہی جائے گا
جو بھی مٹتا ہے نبی کی یاد میں وہ گُلِ گلزار ہو ہی جائے گا
جس کو طیبہ میں بلائیں گے حضور حاضرِ دربار ہو ہی جائے گا
جوش میں جب اُن کی آنکھیں آئیں گی لُطف کا انبار ہو ہی جائے گا
قبر میں تشریف لائیں گے حضور صدقۂ انوار ہو ہی جائے گا

حوضِ کوثر پر مجاہد قادری
جام سے سرشار ہو ہی جائے گا

سبحان اللہ! سبحان اللہ! شاعرِ اہلِ سُنت، شہنشاہِ ترنّم نے عشق و عرفان سے بھرپور نعتِ نبی سُنا کر اِس تاریخ ساز کانفرنس کو چمن زار اور رشکِ فردوس بنادیا ہے۔

دوستو! ہم لوگوں کی خوش نصیبی ہے کہ آج اِس عظیم الشان اجلاس اور تاریخ ساز کانفرنس میں ان مقتدر اور مایہ ناز مشائخ عظام اور علمائے کرام کی زیارت کی سعادت کا ہم کو موقع ملا ہے، جن کے چہروں کا دیکھنا بھی عبادت ہے، ایسی مقدس ہستیوں کی شان میں کیا لب کشائی کی جاسکتی ہے، اتنا ضرور کہوں گا کہ ۔

نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کو اِرادت ہو تو دیکھ اِن کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اب آپ حضرات ہمہ تن گوش اور حاضر دماغ ہو کر پوری تیاری کے ساتھ جم کر بیٹھیں۔ اس لیے کہ اب مَیں اِس تاریخ ساز کانفرنس کی آخری کڑی یعنی اُس عبقری شخصیت کی بارگاہِ عالیہ میں عریضہ پیش کرنے جا رہا ہوں کہ ۔

جن کی رگوں میں محبتِ رسول خون بن کر دوڑتی ہے، اور دل کی دھڑکن بن کر تڑپتی ہے۔ جن کی خطابت سے علم و حکمت کی صبح جاں فزا نمودار ہو جاتی ہے، جن کے ٹھوس دلائل، مضبوط شواہد اور فکر انگیز استدلال سے ہر طرف فکر و فن کے غنچہ و گل کھل اُٹھتے ہیں۔

اب میں انتہائی ادب واحترام کے ساتھ غوّاصِ علم و حکمت، نباضِ قوم و ملت، آبروئے سنّیت، مرکزِ عقیدت، پیرِ طریقت، الحاج الشاہ حضور.......... صاحب قبلہ کی بارگاہِ عالیہ میں عرض کروں گا کہ اپنے نصیحت آمیز خطاب اور دعائیہ کلمات سے ہمارے قلوب کو منور و مجلّٰی فرمائیں..... ہم سب ایک آواز ہو کر حضرت کا استقبال نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت سے کریں۔ نعرۂ تکبیر.......... نعرۂ رسالت.......... حضور.......... صاحب قبلہ..... نعرۂ تکبیر..........

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆☆

☆☆

☆

پہلی تقریر

رسولِ اعظم ﷺ کی اطاعت ومحبت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ كَانَ نَبِيًّا وَّآدم بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْن ط وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ٥ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ٥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ٥

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْم٥ (پ۳ سورۂ آل عمران، ع۴) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم ط وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِىُّ الْاَمِيْنُ الْمَكِيْنُ الْكَرِيْمُ ط وَنَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ ط وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد کی محبت ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

بادۂ توحید کے متوالو! شمع نبوت کے پروانو! شہدائے ملّت کے طلب گارو! اولیائے اُمّت کے جاں نثارو! غوث وخواجہ کے دیوانو! مخدوم ورضا کے مہکتے پھولو!

آیئے نہایت ہی ادب واحترام اور دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ، گنبد خضریٰ کی جانب لو لگا کر حضور اقدس، قاسم النعم، مالک الارض ورقاب امم، معطی منعم قثم رحیم، ولی والی، علی عالی، کاشف الکرب، رافع الرتب، معین کافی، حفیظ وافی، شفیع شافی، غنی عظیم، وہاب کریم، دیان العرب، ولی الفضل، جلی الافضال، رفیع المثل ممتنع الامثال ﷺ کے دربار گہر بار میں جھوم جھوم کر درود وسلام کا ہدیہ نچھاور کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۔ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد میں نے جس آیتِ کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے، وہ یہ ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔

اس کا ترجمہ یہ ہے "اے محبوب! تم فرما دو (لوگوں سے) کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو، تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ۔ اللہ تم کو دوست رکھے گا، اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ اے محبوب (ﷺ) آپ اعلان فرما دو کہ اے لوگو!

(۱) اگر تم اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہو، تو میرے تابع دار ہو جاؤ۔

(۲) اگر تم اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو، تو میرے وفادار ہو جاؤ۔

شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے پاس ٹھہرے، جنہوں نے خانۂ کعبہ میں بت نصب کیے تھے اور انہیں سجا سجا کر سجدہ کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اے گروہ قریش! خدا کی قسم تم اپنے آبا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے دین کے خلاف ہو گئے۔ قریش نے کہا کہ

ہم ان بتوں کواللہ کی محبت میں پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ محبتِ الٰہی کا دعوٰی سیدِ عالم ﷺ کے اتباع وفرماں برداری کے بغیر قابلِ قبول نہیں، جو اس دعوے کا ثبوت دینا چاہے، حضور کی غلامی کرے اور حضور نے بت پرستی سے منع فرمایا، تو بُت پرستی کرنے والا حضور کا نافرمان اور محبتِ الٰہی کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ (کنزالایمان)

حضراتِ محترم! اِس آیتِ کریمہ میں لوگوں کو خدا تک پہنچنے کا راستہ بتایا گیا ہے اور اِس سے حبیب خدا ﷺ کی شانِ عالی کا اچھی طرح ظہور ہو رہا ہے۔

❖ مکہ شریف کے مشرکین کہا کرتے تھے،
❖ مکہ شریف کے مشرکین ڈینگیں مارا کرتے تھے،
❖ مکہ شریف کے مشرکین شیخی بگھارا کرتے تھے،
❖ مکہ شریف کے مشرکین دعوٰی کیا کرتے تھے،
❖ مکہ شریف کے مشرکین بکواس کیا کرتے تھے کہ

ہم تو اللہ کے پیارے ہیں، ہم تو اللہ کے چاہنے والے ہیں، ہم تو اللہ کو ماننے والے ہیں۔

اُن سب کو جواب دیا گیا، اُن سب کو حکم دیا گیا کہ اگر تم واقعی خدا کی محبت رکھتے ہو تو

❖ میرے محبوب کی اتباع کرو۔
❖ میرے محبوب کی پیروی کرو۔
❖ میرے محبوب کی فرماں برداری کرو۔
❖ میرے محبوب کی وفاداری کرو۔
❖ میرے محبوب کی غلامی کرو۔

پھر یہ ہوگا کہ ابھی تو تم خدا کے چاہنے والے بنتے ہو، مگر........ پھر خدا تمہارا

چاہنے والا ہوگا۔ وہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

اتباع کا مطلب

اِتباع کہتے ہیں، پیچھے پیچھے چلنے کو، قران ہمیں بتا رہا ہے، کہ اگر اللہ کی محبت چاہتے ہو تو

- ❖ محبوبِ خدا کے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔
- ❖ محبوبِ خدا کے نقش قدم پہ چلے آؤ۔
- ❖ محبوبِ خدا کے غلام بن کر چلے آؤ..........مگر..................خبردار!
- ❖ بھائی بن کر اُن کے برابر نہ چلنا۔
- ❖ باوا بن کر اُن کے آگے نہ چلنا۔
- ❖ انہیں دار العلوم کا باورچی نہ بنالینا۔
- ❖ انہیں اُردو زبان کا شاگرد نہ بنالینا۔..........بلکہ..........
- ❖ سچا اُمتی بن کر پیچھے پیچھے چلنا۔
- ❖ غلامِ نبی بن کر پیچھے پیچھے چلنا۔

ریل کا وہ ڈبہ سفر کرتا ہے، جو انجن کے پیچھے لگ جاتا ہے۔
ریل کا وہ ڈبہ منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے جو انجن سے جُو جاتا ہے۔
فرسٹ کلاس کا ڈبہ کیوں نہ ہو، اگر انجن سے کٹا ہوا ہے تو

- ❖ اُس کا کرایہ کوئی نہیں دیتا ہے۔
- ❖ اُس کا ٹکٹ کوئی نہیں لیتا ہے۔
- ❖ اُس میں کوئی نہیں بیٹھتا ہے۔
- ❖ اُس میں کوئی بھی سفر نہیں کرتا ہے۔

اور اگر تھرڈ کلاس کا ڈبہ انجن سے جُوا ہوا ہے تو

❖ اُس کا کرایہ ہر کوئی دیتا ہے۔
❖ اُس کا ٹکٹ ہر کوئی لیتا ہے۔
❖ اُس میں ہر کوئی بیٹھتا ہے۔
❖ اُس میں ہر کوئی سفر کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ ڈبّے کی اپنی کوئی قیمت نہیں بلکہ

❖ انجن سے کڑی مل جانے کی قدر و قیمت ہے۔
❖ انجن سے جُو جانے کی قدر و قیمت ہے۔
❖ انجن سے لگ جانے کی قدر و قیمت ہے۔
❖ انجن یہ نہیں دیکھتا ہے کہ میرے پیچھے ڈبّہ کیسا ہے، وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ مجھ سے کڑی ملی ہے یا نہیں۔

ڈبّہ تھرڈ کلاس کا ہو یا سیکنڈ کلاس کا۔

ڈبّہ فرسٹ کلاس کا ہو یا اے سی کا۔

سب کو ایک ہی رفتار سے لے جاتا ہے، صرف اتنی شرط ہے کہ ڈبّہ انجن سے جُوا ہوا ہو، گویا انجن زبانِ حال سے یہ کہتا ہے کہ ڈبّہ اگر چہ کمزور سہی مگر مَیں تو قوی ہوں۔

بلاشبہ قرآنِ کریم نے ہماری رہنمائی فرمادی۔ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ یعنی تم رسول کی تابع داری کرو، اللہ تمہیں دوست بنالے گا۔ تم رسول کے ہو جاؤ، خدا تمہارا ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تمہاری صورت کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہاری نسبت کو دیکھتا ہے ع

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

اطاعت تین طرح کی ہوتی ہے

(۱) اطاعت ڈر کی۔ (۲) اطاعت لالچ کی۔ (۳) اطاعت محبت کی۔
یہاں محبت کی اطاعت مقصود ہے۔ کیونکہ ڈر یا لالچ کی اطاعت تو منافقین بھی

کرتے تھے۔اس لیے اس آیت کو محبت سے شروع فرمایا گیا۔

ایک بات اور بتا کر گزر جانا چاہتا ہوں کہ محبت بھی تین قسم کی ہوتی ہے۔(۱) چھوٹے سے محبت۔(۲) برابری والے سے محبت۔(۳) بڑے سے محبت، جو عظمت کے ساتھ ہو۔اتبعوا سے معلوم ہوا کہ محبت عظمت کے ساتھ ہونی چاہیے۔

حضرات! یہ بھی یادر کھیے کہ عظمت دو طرح کی ہوتی ہے، دنیادی عظمت اور دینی عظمت۔ یحببکم اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول سے محبت وعظمت بڑا بھائی سمجھ کر نہ کرو بلکہ رسول سے ایسی محبت رکھو جو نبوت ورسالت کی بنا پر ہو، جو اُن کے شایانِ شان ہو۔

معیارِ محبت

رسولِ کردگار، دونوں عالم کے مالک ومختار نے مومن ہونے کا معیار ہی یہ رکھا ہے کہ دنیا کی ہر چیز پر آپ کی محبت غالب ہو۔چنانچہ آپ ارشادفرماتے ہیں

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ.(بخاری شریف ج۱،ص۷)

(ترجمہ) تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا جب تک مَیں اُس کے ماں باپ اور اُس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

یعنی تم میں سے کوئی بھی اُس وقت تک ایمان دار نہیں ہوسکتا، جب تک اُس کے دل میں میری محبت ومودت اُس کے ماں باپ، اُس کے بھائی بہن، اُس کی اولاد، اُس کے رشتے دار یہاں تک کہ ساری کائنات سے زیادہ نہ ہو۔اس لیے عبدالحفیظ جالندھری اس کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔

محمد کی محبت دین حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

کوئی کہتا ہے کہ مصطفےٰ کی محبت میں اگر خامی ہے تو ایمان نامکمل ہے مگر......
حدیث پاک کی روشنی میں، مَیں کہتا ہوں کہ

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں ہی معطل ہے

ایسی نماز جو ادائے مصطفےٰ کی محبت سے خالی ہو، غلیظ کپڑے میں لپیٹ کر اُس نمازی کے منہ پر ماردی جائے گی۔ اس لیے کہ

- نماز تو وہ ہے جو عشقِ مصطفےٰ میں ڈوب کر پڑھی جائے۔
- نماز تو وہ ہے جو ادائے مجتبیٰ سمجھ کر پڑھی جائے۔
- نماز تو وہ ہے جو جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوة کا مژدہ مان کر پڑھی جائے۔
- نماز مومنوں کی معراج ہے۔
- نماز افضل العبادات ہے۔
- نماز جنت کی کنجی ہے۔
- نماز......معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔
- نماز......عابد و معبود کے درمیان تقرب کا وسیلہ ہے۔
- نماز......ساجد و مسجود کی گفتگو کا ذریعہ ہے۔
- نماز......طالب و مطلوب کی ملاقات کا واسطہ ہے۔

مگر......قربان جاؤ نماز کا تحفہ لانے والے اُس محبوب کی شان و عظمت پر کہ جن کی نیند پر ترکِ نماز تقاضۂ ایمان ہے۔

جی ہاں، ارے یہ اَمر تو نص سے ثابت ہے کہ اگر عین حالتِ نماز میں مدنی سرکار کا بلاوا آجائے تو فوراً نماز توڑ دو اور بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو جاؤ۔

معلوم ہوا کہ سجدے کی لذت اگرچہ زبردست اہمیت کی حامل ہے مگر دیدارِ مصطفیٰ کا درجہ اِس سے بھی کہیں بلند و بالا ہے۔

اس لیے اہلِ سُنّت و جماعت کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اطاعتِ مصطفیٰ ہی حقیقت میں اطاعتِ خدا ہے۔قران کریم میں خود ربِ کریم کا ارشادِ گرامی ہے۔مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

خود خداوندِ قدوس نے اپنے محبوب سے اپنی محبت کا معیار یہ قائم فرمایا ہے۔

اے لوگو!

- اگر تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے محبوب کی اطاعت کرو۔
- اگر تم مجھے خوش کرنا چاہتے ہو تو میرے محبوب کی تابع داری کرو۔
- اگر تم میری رضا حاصل کرنا چاہتے ہو تو میرے محبوب کی رضا حاصل کرو۔

حضرات! اگر اب بھی یقین نہ آتا ہو تو لاؤ قران مجید اور کھولو تیسرا پارہ سورۂ ال عمران کا چوتھا رکوع اور دیکھ لو سر کی آنکھوں سے۔ربِ کریم اپنے محبوب سے اعلان کرا رہا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اے محبوب آپ کہہ دیجیے، اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو۔تو میری پیروی کرو (پھر) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

قران کریم کا پارہ نمبر ۵، رکوع نمبر ۸ کھول کر دیکھ لو۔خالقِ کائنات ارشاد فرماتا ہے:مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یعنی جس نے رسول اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کی اُس نے اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کی۔

چھبیسواں پارہ میں ارشادِ ربانی ہے:اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یعنی جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔

دین کے ٹھیکے دارو! اِدھر آؤ میرے پاس شفاء شریف موجود ہے، اس کا جلد

نمبرا،ص ۱۲ کھول کر تعصب کی عینک اُتار کر انصاف کی نگاہ سے دیکھو جَعَلْتُ ذِکْرَكَ مِنْ ذِكْرِیْ فَمَنْ ذَكَرَكَ ذَكَرَنِیْ ۔یعنی اے محبوب! میں نے تیرے ذکر کو اپنا ذکر بنایا۔تو جس نے تیرا کا ذکر کیا،اُس نے میرا ذکر کیا۔

حضراتِ محترم!ان آیات واحادیث کی روشنی میں مبینہ طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکی سرکار،مدنی تاج دار،دونوں عالم کے مالک ومختار ﷺ کی محبت جزوِ ایمان نہیں بلکہ اصلِ ایمان اور جانِ ایمان ہے۔اس لیے تو امام عشق ومحبت سیدنا اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہیں انہیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

میرے رسول کی شان،وہ شان ہے کہ

- میرے رسول کے نقشِ قدم پہ جو چلا،اُس کے درجات بلند ہو گئے۔
- میرے رسول کے دروازے پہ جو بھی آیا،اُس کے کمالات بلند ہو گئے۔
- میرے رسول کے آستانے پہ جو بھی آیا،اُس کے مراتب بلند ہو گئے۔

آستانۂ رسول

میرے رسول کا آستانہ وہ آستانۂ عالیہ ہے۔

- جہاں ہر سائل کی جھولی بھری جاتی ہے۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ
- جہاں ہر گنہگار کی بخشش ہو جاتی ہے۔وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ
- جہاں ہر خطا کارِ اُمت کی شفاعت ہو جاتی ہے۔یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاسَكَ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ
- جہاں ہر ایک کو نعمت میسر ہو جاتی ہے۔وَاللّٰهُ مُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ
- جہاں بے گانوں پر بھی رحمتوں کی بارش ہو جاتی ہے۔وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا

رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

❖ جہاں خدا تک پہنچنے کے لیے رہنمائی ہو جاتی ہے۔ قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ

بے مانگے آقا نے جھولی کو بھر دیا — محتاج آیا مانگنے سلطان کر دیا
خالی درِ رسول سے لوٹا کوئی نہیں — یعنی رسولِ پاک کے جیسا کوئی نہیں

ہاں ہاں یہی وہ مکّی سرکار اور مدنی تاج دار کا شہنشاہی دربار ہے کہ

جہاں ناپاک آیا تو پاک بن گیا، شقی آیا تو سعید بن گیا، بدکار آیا تو نیکوکار بن گیا، بے دین آیا تو دین دار بن گیا، رہزن آیا تو رہبر بن گیا، بُرا آیا تو اچھا بن گیا ،ادنیٰ آیا تو اعلیٰ بن گیا محتاج آیا تو سلطان بن گیا، مجبور آیا تو مختار بن گیا، فقیر آیا تو امیر بن گیا، امیر آیا تو جہانگیر بن گیا، راہ گیر آیا تو دستگیر بن گیا، غلام آیا تو امام بن گیا، اعرابی آیا تو صحابی بن گیا، جہنمی آیا تو جنتی بن گیا۔

ارے یہ وہ دربارِ عالیہ ہے کہ......

❖ جہاں ابوبکر آیا تو صدیقِ اکبر بن گیا

❖ عمر آیا تو فاروق اور رہبر بن گیا

❖ عثمان آیا تو دامادِ پیمبر بن گیا

❖ علی آیا تو شیرِ خدا اور حیدر بن گیا

ارے مجھے کہہ لینے دیا جائے کہ.....

❖ ابوبکر آئے تو صداقت کے تاج دار بن گئے

❖ عمر آئے تو عدالت کے تاج دار بن گئے

❖ عثمان آئے تو سخاوت کے تاج دار بن گئے

❖ علی آئے تو شجاعت کے تاج ار بن گئے

اس لیے تو امام اہلِ سُنّت مجدّدِ دین وملّت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا

قادری محدث بریلوی علیہ رحمۃ الباری ارشاد فرماتے ہیں،

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہادیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں

قیامت کی تیاری

بخاری شریف ص ۹۱۱ میں ایک بہت ہی پیاری حدیث شریف موجود ہے، جس کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

اِنَّ رَجُلًا اَتَـى اَلنَّبِیَّ (ﷺ) فقال مَتٰی السَّاعَۃُ یَارسولَ اللّٰہِ ۔ قـال مَا اَعْدَدْتَّ لَھَا ۔ قـال مَـا اَعْدَدْتُّ لَھا مِنْ کَثِیْرِ صَلٰوۃٍ وَّلَا صَوْمٍ وَّلَا صَدَقَۃٍ وَلٰکِنِّیْ اَحَبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ۔

(ترجمہ): ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ فرمایا، تُو نے قیامت کے لیے کیا سامان اکٹھا کیا ہے؟ تو اُس شخص نے عرض کیا۔ نہ بہت نمازوں، نہ بہت روزوں اور نہ بہت صدقات کو توشہ بنایا ہے، لیکن مجھے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ بہت محبت ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تیرا حشر اُس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری محبت ہے۔

حضرات! کیا سمجھے آپ! حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟

رسولِ اعظم ﷺ مسکرا کر فرماتے ہیں کیا تم نے قیامت کی تیاری کر لی ہے؟ وہ شخص عرض کرتا ہے۔ یا رسول اللہ!

- میرے پاس نمازوں کا ذخیرہ نہیں ہے
- میرے پاس روزوں کا انبار نہیں ہے

- میرے پاس نیکیوں کا ڈھیر نہیں ہے
- میرے پاس صدقات وخیرات کی دولت نہیں ہے
- میرے پاس حج کی سعادت نہیں ہے
- میرے پاس جانی و مالی عبادت نہیں ہے
- میرے پاس قولی وفعلی ریاضت نہیں ہے

آقا! میرے پاس آخرت کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر............ میرے دل میں اللہ اور رسول کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہے۔ عاشقِ رسول کا محبت بھرا جواب سُن کر رحمتِ عالم ﷺ کا دل بھر آتا ہے، چہرۂ انور پر مسکراہٹ کے آثار نمودار ہوتے ہیں، لبہائے مبارک کو جنبش ہوتی ہے اور پھول جھڑنے لگتے ہیں۔ بڑے پیار سے ارشاد فرماتے ہیں۔ میرے جاں نثار! اگر ایسا ہے تو تم میرے ساتھ جنت میں رہو گے۔

حضرات! معلوم ہوا کہ اعمال کا دارومدار ایمان پر ہے، اور رسول کی محبت ایمان کی جان ہے۔ اس لیے صحابیِ رسول نے کہہ دیا۔ یارسول اللہ! میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے لیکن آپ کی محبت ضرور ہے اور رسولِ کائنات نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ مَیں تمہیں کیا دے سکتا ہوں، بلکہ ارشاد فرمایا تم میرے ساتھ جنت میں رہو گے۔ اِس روایت سے پورے طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ رسول کی محبت تمام نیک اعمال سے بڑھ کر ہے۔ رسول کی محبت دنیا و فیہا سے بہتر ہے۔ رسول کی محبت کا بدلہ جنت ہے۔ اس لیے تو ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

معیارِ ایمان یعنی محبتِ رسول کے چند نمونے سماعت فرمائیں اور اپنے سینوں میں محبتِ رسول کا مدینہ بنائیں۔

صدیق اکبر اور محبت رسول

حضرات! تاریخِ اسلام میں جنگِ بدر بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ وہ جنگ ہے جس میں رسولِ کائنات (ﷺ) خود بھی بنفسِ نفیس شریکِ جنگ تھے۔ کفارِ قریش اور مسلمانوں کے درمیان حق و باطل اور کفر و اسلام کی لڑائی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ کافروں کی تعداد ہزاروں میں ہے، مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ ہے۔ رسولِ ہاشمی کی طرف سے عاشقِ رسول صدیقِ اکبر ہیں۔ اور ابو جہل کی طرف سے صدیقِ اکبر کے لڑکے عبدالرحمٰن ہیں۔ لڑائی کے دوران عبدالرحمٰن کی تلوار کی زد میں صدیقِ اکبر آ گئے۔ قریب تھا کہ بیٹے کی تلوار سے صدیقِ اکبر شہید ہو جاتے۔ بیٹے نے باپ کو اپنی تلوار کی زَد میں دیکھا تو محبتِ پسری غالب آ گئی اور تلوار روک لی۔ لڑائی کے کچھ دنوں بعد عبدالرحمٰن ایمان قبول کر لیتے ہیں۔ ایک دن گفتگو کرتے ہوئے اپنے باپ حضرت صدیقِ اکبر سے عرض کرتے ہیں۔ ابا جان! جنگِ بدر میں میری تلوار کے نیچے آپ آ گئے تھے۔ لیکن مَیں نے آپ کو باپ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ یہ سُن کر حضرت صدیقِ اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو جلال آ جاتا ہے اور ارشاد فرماتے ہیں، خدا کی قسم! اگر تو میری تلوار کے نیچے آ جاتا، تو مَیں عشقِ رسول میں تم کو بیٹا سمجھ کر چھوڑ نہیں دیتا، بلکہ دشمنِ رسول سمجھ کر تمہاری گردن اُڑا دیتا۔

حضرات! یہ ہے سیدنا حضرت صدیقِ اکبر کی محبتِ رسول کی ایک جھلک، جو لولاد پر غالب آ گئی۔ جسے مَیں نے نمونے کے طور پر آپ لوگوں کے سامنے بیان کر دیا۔ حقیقت میں جو مومنِ کامل ہوتا ہے، وہ ہر چیز سے زیادہ رسول سے محبت کرتا ہے۔

فاروق اعظم اور محبت رسول: (بھانجے کی تلوار اور ماموں کا سر)

جنگِ بدر شباب پر ہے حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا حقیقی ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ، رسول اللہ ﷺ کے خلاف غصّے میں بھرا ہوا ہے۔ میدانِ

جنگ میں نکل آتا ہے اور مقابلہ طلب کرتا ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم محبتِ رسول میں مگن ہو کر آگے بڑھتے ہیں۔ دونوں کے درمیان حق و باطل کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ آخر کار بھانجے نے ماموں کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی جبڑے تک اُتر گئی اور حضرت فاروقِ اعظم نے قیامت تک کے لیے یہ مثال قائم کر دی کہ قرابت و رشتہ داری سب کچھ محبتِ رسول پر قربان ہے۔

اُمِ حبیبہ اور محبت رسول (باپ ناپاک اور بسترِ نبوت پاک)

اُمّ المومنین حضرت اُمِ حبیبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے والد ابو سفیان جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، صلح حدیبیہ کے زمانے میں مدینہ شریف آئے ہوئے تھے۔ اپنی بیٹی اُمِ حبیبہ سے ملنے کے لیے اُن کے مکان پر گئے اور بسترِ نبوت پر بیٹھنے لگے۔ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوراً بسترِ نبوت اُلٹ دیتی ہیں، اور فرماتی ہیں، یہ اللہ کے حبیب کا پاک بستر ہے، اور تم مشرک ہونے کی وجہ سے ناپاک ہو، اس لیے تم اس بسترِ نبوت پر بیٹھ نہیں سکتے۔ اللہ کبیرا! حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے باپ کی محبت کو محبتِ رسول پر قربان کر دیا۔ کیونکہ یہی ایمان کی شان ہے کہ باپ چھوٹ جائے تو چھوٹ جائے، مگر محبتِ رسول کی انمول دولت ہاتھ سے نہ جائے۔

زید بن حارثہ اور محبت رسول

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ جاہلیت میں ننھیال جا رہے تھے۔ بنو قیس نے اُس قافلے کو لوٹ لیا، جس میں حضرت زید بھی شامل تھے۔ اُن کو مکّہ میں لا کر بیچ دیا۔ حکیم ابن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے اُنہیں خرید لیا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تو انہوں نے حضرت زید کو شہنشاہِ

کائنات ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بطور ہدیہ پیش کیا۔...... اُدھر حضرت زید کے والد ماہیٔ بے آب کی طرح اُن کے فراق میں تڑپ رہے تھے۔ اولاد کی محبت فطری چیز ہوتی ہے۔ وہ اُن کے فراق میں دردبھرے اشعار پڑھا کرتے تھے، اور روتے ہوئے ڈھونڈتے پھرا کرتے تھے۔ اتفاق سے اُن کی قوم کے چند لوگ حج بیت اللہ کے لیے مکہ شریف پہنچے۔ اُن لوگوں نے حضرت زید کو پہچان لیا اور اُن کے باپ کا سارا حال کہہ سُنایا۔ حضرت زید نے بھی اپنی خیر خبر اُن لوگوں کے ہاتھ بھیجی اور اپنا پتا بتایا۔ حج سے فارغ ہوکر اُن لوگوں نے جا کر حضرت زید کی خیر خبر اُن کے باپ کو سُنائی اور اُن کا پتا بتایا۔ جیسے ہی معلوم ہوتا ہے کہ زید مکہ میں ہے، اُن کے باپ اور چچا فدیہ کی رقم لے کر اُن کو غلامی سے چھڑانے کی خاطر مکہ معظمہ پہنچ جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں، اے ہاشم کی اولاد! اے اپنی قوم کے سردار! تم لوگ اللہ کے گھر کے پڑوسی ہو، تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو، تم لوگ خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہو، حاجت مندوں کی حاجت پوری کرتے ہو، ہم اپنے بیٹے زید کے لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔ ہم پر احسان کرو اور فدیہ قبول فرما کر اِس کو رہا کردو۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، بس اتنی سی بات ہے۔ سُنو! زید کو بلا کر پوچھ لو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ ہی لے جاؤ۔ اور اگر نہ جانا چاہے تو مَیں جبر نہیں کرسکتا۔ وہ دونوں عرض کرتے ہیں کہ آپ نے استحقاق سے بھی زیادہ احسان فرمایا۔ یہ بات ہم خوشی سے منظور کرتے ہیں۔

بعدۂ حضرت زید بلائے جاتے ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ زید! اِن دونوں کو پہچانتے ہو؟ عرض کرتے ہیں، جی ہاں مَیں پہچانتا ہوں۔ یہ میرے باپ اور یہ میرے چچا ہیں۔ مدینے والے آقا فرماتے ہیں، زید! تم انہیں

پہچانتے ہو اور مجھے بھی خوب جانتے ہو، میری طرف سے تمہیں اختیار اور اجازت ہے کہ اگر تم میرے پاس رہنا چاہتے ہو تو میرے پاس رہو اور اگر اِن کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو جاسکتے ہو۔.......... حضرت زید عرض کرتے ہیں، یارسول اللہ! مَیں آپ کے مقابلے میں بھلا کس کو پسند کرسکتا ہوں۔ آپ میرے لیے باپ کی جگہ بھی ہیں اور چچا کی جگہ بھی۔ گویا کہ حضرت زید نے یہ کہہ دیا کہ

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا

حضرت زید کے باپ اور چچا نے کہا۔ زید! کیا تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو؟ حضرت زید اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہاں محمد کی غلامی دنیا کی شہنشاہی سے بھی بہتر ہے۔

محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

اور سرکار اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

رحمتِ عالم ﷺ جواب سُن کر اپنے غلام حضرت زید کو گود میں لے لیتے ہیں، اور اعلان فرمادیتے ہیں کہ مَیں نے زید کو اپنا بیٹا بنالیا۔...... حضرت زید کے باپ اور چچا یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوجاتے ہیں اور خوشی سے اُن کو چھوڑ کر وطن واپس ہوجاتے ہیں۔ (ملخص از صحابہ کا عشقِ رسول و تاریخ خمیس)

حضرات! حضرت زید کا سارے عزیز و اقارب کو چھوڑ دینا اور غلامی کو آزادی پر ترجیح دے دینا، محبتِ رسول کا یہ ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہی وہ محبت ہے جس کو رسولِ اعظم ﷺ نے ایمان کا معیار فرمایا ہے۔

Scanned by CamScanner

یہودی نوجوان اور محبت رسول

پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی روایت ہے کہ ایک یہودی جو رسول اللہ ﷺ سے بغض و عداوت رکھتا تھا۔ ہر وقت وہ ہمارے مدنی سرکار کی شان میں گستاخی کرتا رہتا تھا۔ اُس یہودی کا ایک لڑکا تھا۔ جو اپنے ماں باپ کا بڑا چہیتا اور پیارا تھا، جو اپنے ماں باپ کا فرماں بردار اور وفادار تھا، جو اپنے ماں باپ کے کہنے کے مطابق رسولِ اعظم ﷺ سے دشمنی رکھتا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ سے توہینِ مصطفیٰ سُن کر رسولِ ہاشمی کو تکلیف پہنچانے کے لیے راستے میں کھڑا رہتا تھا۔ ایک روز مدینہ شریف کے راستے میں یہودی نوجوان کو مدنی چاند کا دیدار ہو جاتا ہے۔ نگاہِ نبوت جیسے ہی اُس نوجوان پر پڑتی ہے، اُس کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے، زندگی میں عجیب انقلاب آ جاتا ہے، عداوت و دشمنی کا چراغ بجھ جاتا ہے، عشق و محبت کا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ اُس کے دل میں والدین کی محبت اور مدنی سرکار کی محبت کے درمیان جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ اِسی فکر میں وہ نوجوان کھویا کھویا رہتا ہے۔ ایک طرف جنت ہے اور ایک طرف دوزخ۔ سوچنے لگتا ہے کیا کروں؟ آخرکار رسول کی محبت غالب آ جاتی ہے۔ اب محبت کا یہ عالم ہے کہ بغیر دیدارِ مصطفیٰ سکون ہی نہیں ملتا۔ دیدارِ مصطفیٰ کی خاطر مسجد نبوی کے پاس کچھ نہ کچھ بہانہ بنا کے ٹہلنے لگتا۔ دیدار کر لینے کے بعد گھر کو واپس ہوتا تو بیمار کی طرح واپس ہوتا۔ کچھ عرصے بعد وہ نوجوان محبتِ رسول میں بیمار پڑ جاتا ہے۔ والدین نے بہت علاج کرایا مگر فائدہ کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔.......... فائدہ کہاں سے ہوتا، بیمار تو روح تھی اور علاج جسم کا ہو رہا تھا۔ اس لیے فائدہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دن بدن وہ نوجوان کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آخرکار ایک دن اُس خوبصورت نوجوان کا جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے، آواز ہلکی ہو جاتی ہے، جاں کنی کا

عالم ہے۔ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر یہودی باپ بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتا ہے، اے میرے لعل! اگر دل میں کوئی آخری تمنا ہو تو بتاؤ؟ نوجوان ہلکی سی آواز میں کہنے لگتا ہے، ابا جان اگر آپ میری آخری تمنا پوری کرنے کا وعدہ کریں تو میں ایک راز یعنی دل کی بات کہہ دیتا ہوں۔ ڈبڈبائی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں یہودی کہنے لگتا ہے، بیٹا! ضرور پوری کروں گا بیٹا۔ نوجوان کہنے لگتا ہے، ابا جان! مَیں کچھ دنوں سے محمد مصطفیٰ کا اسیر محبت ہو چکا ہوں، اب میری صرف ایک ہی تمنا ہے کہ اُن کے نورانی چہرے کا دیدار کرلوں اور میری روح نکل جائے، یعنی میرا یہ سینہ عشق رسول کا مدینہ ہو گیا ہے۔ یہ سُن کر باپ کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو جاتا ہے۔ بڑی مشکل سے غصّہ برداشت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ مَیں تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہوں، اگرچہ یہودی قوم مل کر مجھے اپنی ذات اور برادری سے نکال دے گی لیکن میں تمہاری روح کی خوشی کے لیے سب کچھ برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جلدی سے وہ یہودی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔ میرا نوجوان بیٹا تمہاری محبت میں گرفتار ہو چکا ہے، اس وقت وہ جاں کنی کے عالم میں ہے، اُس کے دل کی آخری تمنا یہ ہے کہ تم اُس کے سرہانے کھڑے ہو کر سفرِ آخرت کا توشہ دے دو۔ اُس کو دوزخ سے نجات کا پروانہ دے دو، اُس کو جنت کا ٹکٹ دے دو۔

رسولِ اعظم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، میرے جاں نثارو! چلو جنتی دولہے کو دیکھ آئیں۔ جب یہ نورانی قافلہ نوجوان کے پاس پہنچتا ہے، تو باپ بے قرار ہو کر آواز دیتا ہے۔ میرے شہزادے ذرا آنکھیں تو کھولو۔ تمہارے سرہانے تمہارے محمد مصطفیٰ تشریف فرما ہیں، جی بھر کر اُن کا دیدار تو کرلو۔ محمد مصطفیٰ کا نام سُن کر جاتی ہوئی روح واپس آئی اور مریضِ عشق مصطفیٰ نے آنکھیں کھول دیں اور گویا زبانِ حال سے یہ کہتا ہے کہ ؎

بیمار مدینہ ہوں دوا مانگ رہا ہوں
ایمان پہ مرنے کی دُعا مانگ رہا ہوں

جیسے ہی مدینے کے چاند، جانِ ایمان، روحِ کائنات ﷺ کے رُخِ انور پر نظر پڑتی ہے، تو دیوانہ دامنِ محبوب تھام لیتا ہے اور دھیمی آواز میں اظہارِ تمنائیوں کرتا ہے۔ میرے سرکار! مَیں اپنے سینے میں آپ کی محبت وعقیدت کی مقدس امانت لیے ہوئے اس دارِ فانی سے جا رہا ہوں، آپ مجھے اپنے غلاموں میں شامل فرما لیجیے۔ جواب دیا جاتا ہے، اگر ایسا ہے تو تُو کلمہ پڑھ لے، تیری نجات ہو جائے گی۔ وہ نوجوان عرض کرتا ہے یا رسول اللہ! مَیں نے کبھی نماز نہیں پڑھی ہے، مَیں نے کبھی روزہ نہیں رکھا ہے، مَیں نے کبھی صدقہ وخیرات نہیں کیا ہے، مَیں نے کبھی عبادت نہیں کی ہے۔ یا حبیب اللہ! میرے نامۂ اعمال میں معبودِ حقیقی کے لیے ایک سجدہ بھی نہیں ہے۔ میرے نامۂ اعمال میں ایک نیکی تک نہیں ہے۔ پھر میری نجات کیسے ہو سکتی ہے؟...... مالکِ جنت، غم خوارِ اُمت تسلّی دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، پیارے! اب کلمۂ توحید کا اقرار کر کے داخلِ اسلام ہو جاؤ۔ مَیں تمہاری نجات و بخشش کا ضامن ہوں۔ وہ جوان مصطفےٰ جانِ رحمت ﷺ کے رُخِ انور پر نگاہ جماتے ہوئے، زیارتِ رسول کرتے ہوئے عرض کرتا ہے، میرے سرکار! قبر کی پہلی منزل سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک آپ کی ضمانت پر اسلام قبول کرتا ہوں اور سب کے سامنے آپ کی موجودگی میں صدقِ دل سے کلمۂ شہادت پڑھتا ہوں۔ اشهد ان لا اله الا اللّٰه و اشهد ان محمداً عبدهٗ ورسوله ط کلمۂ شہادت پڑھتے ہی اُس نوجوان نومسلم کی روح جسم سے نکل جاتی ہے اور بارگاہِ مصطفےٰ میں سلام عرض کر کے اپنے مقام پہ پہنچ جاتی ہے۔

یہودی باپ کہنے لگتا ہے، اب یہ مسلمان کا جنازہ ہے، اب یہ اسلام کی امانت ہے۔ اب یہ جنازہ میرے گھر سے نہیں بلکہ آپ کے دَر سے اُٹھے گا۔ کفن ودفن کا

انتظام آپ کے ذمے رہے گا۔ میرے نبی صحابۂ کرام کو حکم دیتے ہیں، اس جنتی دولہے کو اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر لے چلو۔ اس کی بارات مدینے کی گلیوں سے نکالی جائے گی۔...... چنانچہ ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ قرب و جوار سے سارے لوگ نمازِ جنازہ کے لیے اِکھٹے ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف بھیڑ بھاڑ ہے، مدینے کی گلیاں کھچا کھچ ہو جاتی ہیں۔ سارے رسوم کی ادائیگی کے بعد آخری دیدار کے لیے دیوانے کے چہرے سے کفن ہٹایا جاتا ہے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہے، چہرے پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ ہے، گویا وہ خموش زبان سے یہ کہہ رہا ہے۔

حیراں میری موت سے کیوں ہو میرے احباب
مرنے کے بہانے میری بارات سجی ہے (مجاہد)

آخر ایسا کیوں؟ اس لیے کہ

دنیا سے جانے والا رسولِ اعظم سے اپنی نجات کا اقرار نامہ اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ دنیا سے جانے والا رسولِ اعظم سے جنت کا ٹکٹ اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ دنیا سے جانے والا مصطفیٰ کی رضا کا ویزا اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

نمازِ جنازہ میں شریک ہونے والوں کی اتنی بھیڑ تھی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ صرف پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ کسی نے یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر پوچھ لیا۔ تو فرمایا کہ آج آسمان سے رحمت کے اتنے فرشتے آئے ہیں کہ مدینے کی زمین پر قدم رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔

اپنے عاشق کا جنازہ خود حضور ﷺ قبر میں اُتارتے ہیں۔ اُس وقت آپ کے سارے کپڑے پسینے سے بھیگ جاتے ہیں۔

محسنِ کائنات ﷺ جب قبر سے باہر تشریف لائے۔ تو مسکرا کر فرماتے ہیں کہ جنت کی حوریں جنتی لباس اور جنتی خوشبو لے کر قبر میں پہلے ہی سے حاضر تھیں۔

وہ اس نوجوان کو لینے آئی تھیں۔ جنت کی حوروں کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے مَیں پسینہ پسینہ ہوگیا۔ یہ سُن کر صحابۂ کرام خوشی سے جھوم اُٹھے اور کہنے لگے کہ محبتِ رسول نے ایسے نوجوان کو جس نے زندگی میں ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا، خدا تک پہنچا دیا اور جنت کا حق دار بنادیا۔

دوزخ میں ان کا چاہنے والا نہ جائے گا
کیونکہ رسولِ پاک سے دیکھا نہ جائے گا
جنت میں وہ رسول ہمارا نہ جائے گا
جب تک ہر ایک اُمّتی بخشا نہ جائے گا

حضرات! اب آیئے تلاوت کردہ آیت کریمہ کا پورا مفہوم آپ کے حاشیۂ ذہن میں اُتاردوں، چنانچہ ربانی ارشاد ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔اے محبوب! فرمادو اگر یہ لوگ اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہیں تو اللہ یونہی راضی نہیں ہوگا۔فَاتَّبِعُوْنِيْ۔میری اتباع کرو، میرے پیچھے چلو، اللہ تم سے راضی ہوجائے گا۔وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْم ۔اللہ تم پر رحم وکرم کی بارش فرمادے گا۔مجاہدالاسلام پورے عالمِ اسلام کو یہی دعوتِ فکر دیتا ہے کہ اگر خدا سے دوستی رکھنا چاہتے ہو، اگر تم خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو، اگر تم خدا کی رضا چاہتے ہو تو

- رسولِ خدا کے پیچھے پیچھے چلنا ہوگا۔
- رسولِ خدا کے دروازے پہ آنا ہوگا۔
- رسولِ خدا کی عظمت کا ترانہ گانا ہوگا۔
- رسولِ خدا کا وفادار غلام بننا ہوگا۔

اور یہ ماننا پڑے گا کہ

مدینے کے چاند جیسا کوئی بے گرد وغبار نہیں، مدینے کے تاج دار جیسا کوئی

مالک ومختار نہیں۔

- ❖ اُس جیسا کوئی ربّ العالمین نہیں۔اِس جیسا کوئی رحمۃ للعٰلمین نہیں
- ❖ اُس جیسا کوئی معبود نہیں۔اِس جیسا کوئی عابد نہیں
- ❖ اس جیسا کوئی معطی نہیں۔اِس جیسا کوئی قاسم نہیں
- ❖ اس جیسا کوئی مسجود نہیں۔اِس جیسا کوئی ساجد نہیں
- ❖ اس جیسا کوئی محب نہیں۔اِس جیسا کوئی محبوب نہیں
- ❖ جہاں جہاں رب کی ربوبیت ہے۔وہاں وہاں میرے نبی کی نبوّت ہے
- ❖ جہاں جہاں خدا کی خدائی ہے۔ وہاں وہاں میرے مصطفٰے کی مصطفائی ہے
- ❖ جہاں جہاں کبریا کی کبریائی ہے۔وہاں وہاں میرے رسول کی شہنشاہی ہے
- ❖ وہ مغرب والوں کا رب۔یہ مغرب والوں کے رسول
- ❖ وہ مشرق والوں کا رب۔یہ مشرق والوں کے رسول
- ❖ وہ جنوب والوں کا رب۔یہ جنوب والوں کے رسول
- ❖ وہ شمال والوں کا رب۔یہ شمال والوں کے رسول
- ❖ وہ زمین والوں کا رب۔یہ زمین والوں کے رسول
- ❖ وہ آسمان والوں کا رب۔یہ آسمان والوں کے رسول
- ❖ وہ فرش والوں کا رب۔یہ فرش والوں کے رسول
- ❖ وہ عرش والوں کا رب۔یہ عرش والوں کے رسول
- ❖ وہ عزرائیل کا رب۔یہ عزرائیل کے رسول
- ❖ وہ اسرافیل کا رب۔یہ اسرافیل کے رسول
- ❖ وہ میکائیل کا رب۔یہ میکائیل کے رسول
- ❖ وہ جبرئیل کا رب۔یہ جبرئیل کے رسول
- ❖ وہ جس جس چیز کا رب۔یہ اُس اُس چیز کے رسول

اِس لیے تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں ؎

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بَری
حیراں ہوں میرے شاہ مَیں کیا کیا کہوں تجھے

وہ ایسے رسول ہیں کہ اُن کا مثل کوئی نہیں، اُن کی ہرادا بے مثال ہے۔ اُن کی آمد بے مثال۔ اُن کا بچپنا بے مثال۔ اُن کی جوانی بے مثال۔ اُن کی صورت بے مثال۔ اُن کی سیرت بے مثال۔ اُن کی عادت بے مثال۔ اُن کی نبوت بے مثال۔ اُن کی رسالت بے مثال۔ اُن کا کعبہ بے مثال۔ اُن کی کتاب قرانِ مقدس بے مثال۔ اُن کے محبت یافتہ صحابہ بے مثال۔ اُن کے اہلِ بیت بے مثال۔ اُن کی ہر ہر چیز بے مثال۔

علمائے اہلِ سُنّت کا عقیدہ ہے کہ

❖ نبی کا حکم۔ امر اللہ ہے ❖ نبی کا دستور۔ آئین اللہ ہے ❖ نبی کی شفقت۔ رحمۃ اللہ ہے ❖ نبی کی نورانیت۔ نور اللہ ہے ❖ نبی کی تعریف۔ حمد اللہ ہے ❖ نبی کی یاد۔ ذکر اللہ ہے ❖ نبی کی زبان۔ لسان اللہ ہے ❖ نبی کا ہاتھ۔ ید اللہ ہے ❖ نبی کا چہرہ۔ وجہ اللہ ہے ❖ نبی کا قول۔ قول اللہ ہے ❖ نبی کا فعل۔ فعل اللہ ہے ❖ نبی کا قبلہ۔ کعبۃ اللہ ہے ❖ نبی کی کتاب۔ کلام اللہ ہے ❖ ☆ نبی کا خُلق۔ قران اللہ ہے ❖ نبی کا سبق۔ لاالہ الا اللہ ہے ❖ نبی کا وجود۔ محمد رسول اللہ ہے۔

اس لیے تو کسی عاشقِ رسول نے کیا خوب کہا ہے۔

محبوبِ خدا کا کوئی ہم پایا نہیں ہے
اِس شان کا دنیا میں کوئی آیا نہیں ہے

اِس دنیا میں جس طرف بھی دیکھیے۔ ہر طرف فتنے ہی فتنے اُبھرتے نظر آرہے ہیں۔

- کوئی رسول کو بڑا بھائی اور اپنے جیسا بشر کہتا ہے............تو کوئی رسول کو پیٹھ پیچھے کی خبر سے بے خبر کہتا ہے۔
- کوئی صحابۂ کرام کو برا بھلا کہتا ہے۔تو کوئی اہلِ بیت کی طہارت پر انگشت نمائی کرتا ہے۔
- کوئی اذانِ قبر پر اعتراض کرتا ہے۔تو کوئی مزاراتِ مقدسہ کی زیارت کو شرک بتا رہا ہے۔
- کوئی بزرگانِ دین پر کیچڑ اُچھالتا ہے۔تو کوئی میلاد النبی کو بدعت کہتا ہے۔
- کوئی یارسول اللہ کہنے پر شرک کا فتویٰ لگا رہا ہے۔تو کوئی کذبِ باری تعالیٰ پر امکان کا فتویٰ لگا رہا ہے۔
- کوئی علمِ غیب مصطفےٰ کا انکار کر رہا ہے۔تو کوئی ملک الموت اور شیطان کے علم کو علمِ نبی سے زیادہ بتا رہا ہے۔

لیکن............اسی نیلے آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر ہم اہلِ سنّت و جماعت ایسے سُنّی صحیح العقیدہ مسلمان ہیں، جو سب کو مانتے ہیں۔

اللہ کی الوہیت کو مانتے ہیں، نبی کی ختمِ نبوت کو مانتے ہیں، اہلِ بیت کی طہارت کو مانتے ہیں، ازواجِ مطہرات کی عصمت کو مانتے ہیں، صدیقِ اکبر کی صداقت کو مانتے ہیں، فاروقِ اعظم کی عدالت کو مانتے ہیں، عثمانِ غنی کی سخاوت کو مانتے ہیں، حیدرِ کرار کی شجاعت کو مانتے ہیں، تمام صحابۂ کرام کی عظمت کو مانتے ہیں، شہدائے عظام کی محبت کو مانتے ہیں، حسین اعظم کی شہادت کو مانتے ہیں، غوث و خواجہ کی کرامت کو مانتے ہیں، اولیائے اُمّت کی ولایت کو مانتے ہیں۔

ہمارے نزدیک معیار ایک ہی ہے۔وہ ہے مصطفےٰ کی محبت و مودّت، وہ ہے مدینے والے کی غلامی، چاہے وہ جتنا بڑا پرہیزگار ہو، چاہے وہ جتنا بڑا متقی ہو، چاہے وہ جتنا بڑا معلّم و مدرّس ہو، چاہے وہ جتنا بڑا مفکر و مدبّر ہو، چاہے وہ جتنا بڑا

محدّث و مفسّر ہو، چاہے وہ جتنا بڑا خطیب و مقرر ہو، چاہے وہ جتنا بڑا ادیب و مؤرخ ہو، چاہے وہ جتنا بڑا عالم و فاضل ہو۔ اگر اُس کا ڈبہ مدنی انجن سے کٹا ہوا ہے، تو وہ خدا تک پہنچنے کے لیے مجبور ہے۔ اگر اُس کا کنکشن مدنی ہائی پاور ہاؤس سے کٹا ہوا ہے تو وہ نورِ ایمان سے بے نور ہے۔

- جو تعظیمِ مصطفیٰ سے مغرور ہے، وہ شیطان مغرور ہے۔
- جو توہینِ مصطفیٰ سے مسرور ہے، وہ مردود و مقہور ہے۔
- جو دروازۂ مصطفیٰ سے دور ہے، وہ ایمان و اسلام سے دور ہے۔
- جو محبتِ مصطفیٰ سے دور ہے، وہ رحمتِ خدا سے دور ہے۔
- جو غلامیٔ مصطفیٰ سے دور ہے، وہ جنت کی حور و قصور سے دور ہے۔

اب یہ ناچیز مجاہد الاسلام اپنی تقریر کا اختتام ان الفاظ کے ساتھ کر کے رخصت ہوجانا چاہتا ہے۔ کہ اگر تم پکے اور سچے مسلمان بننا چاہتے ہو، اگر تم خدا کے محبوب و مقبول بندے بننا چاہتے ہو، تو مدینے والے نبی سے محبت کرو، اُن کی ہر ادا سے محبت کرو، حضور سرورِ کائنات ﷺ نے مومن ہونے کا معیار ہی یہ رکھا کہ ماں باپ، اہل و عیال اور دنیا کی ہر چیز پر آپ کی محبت غالب ہو۔ اِس لیے تو ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ جو مدنی تاج دار کے دَر کا غلام ہے، وہ ہمارا امام ہے۔ اُسی کا ٹھکانا جنت مدام ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب ﷺ کی محبت میں زندہ رکھے اور محبتِ رسول کے ساتھ اپنے دیدار سے مشرف فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔

□□□

دوسری تقریر

دُرودوسلام برخیرالانام

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی حَبِیْبِہِ المُصطَفٰی۔

اَمَّا بَعد

فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ○ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم○ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْاَمِیْنُ الْمَکِیْنُ الْکَرِیْم○

امامِ اہلِ سنّت، کنزالکرامت، گلِ گلزارِ قادریت، آبروئے ملت، وقارِ عشق ومحبت، معیارِ سنّیت، چشمۂ رُشد وہدایت، قلم کے شہنشاہ، عرب وعجم کے پیشوا، مجددِ ماضیہ وحاضرہ، مؤیدِ ملتِ طاہرہ، معجزۂ مّن معجزاتِ سیدالانبیاء، گلشنِ رسالت کے مہکتے پھول یعنی عاشقِ رسول، سرکارِ اعلیٰ حضرت الحاج الشاہ سیدنا امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آقا ومولیٰ سیدالانبیاء مالکِ دوسرا ﷺ کے دربارِ شاہانہ میں نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ عشق ومحبت میں ڈوب کر کروڑوں دُرود کا نذرانہ اِس والہانہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ میری آواز میں آواز ملا کر آپ لوگ بھی پڑھیں ؎

کعبہ کے بدرُ الدُّجیٰ تم پہ کروروں دُرود
طیبہ کے شمس الضُّحیٰ تم پہ کروروں دُرود

شافعِ روزِ جزا تم پہ کروروں دُرود
دافعِ جملہ بلا تم پہ کروروں دُرود
دل کرو ٹھنڈا میرا وہ کفِ پا چاند سا
سینے پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروروں دُرود
ذات ہوئی انتخاب، وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروروں دُرود
تم ہو حافظ و مغیث کیا کرے دشمن خبیث
تم ہو تو پھر خوف کیا تم پہ کروروں دُرود
گرچہ ہیں بے حد قصور تم ہو عفو و غفور
بخش دو جرم و خطا تم پہ کروروں دُرود
کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ تم پہ کروروں دُرود
کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نامِ رضا تم پہ کروروں دُرود

حضراتِ گرامی! آیئے ہم سب مل کر اپنے آقا و مولیٰ حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ عربی روحی فداہ ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں جھوم جھوم کر دُرود و سلام کا ہدیہ پیش کریں صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّ اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیکَ یارسولَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَسَلَّم۔

تمہید

حضرات! رب کی رحمت، رسول کی قربت، دین ودنیا کی خیر و برکت، دونوں جہاں کی عزت وعظمت، دارین کی فلاح ونعمت حاصل کرنے کے لیے دُرود وسلام

برِ خیر الانام سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

دُرود و سلام کے فضائل و برکات بے شمار ہیں، جو احاطۂ تقریر و تحریر سے باہر ہیں۔ قلم کی روشنائی ختم ہو سکتی ہے، الفاظ کی دنیا تنگ ہو سکتی ہے۔...... مگر فضائل دُرود و سلام کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ صبح ہو یا شام، دُکھ درد ہو یا راحت و آرام، ہر حال میں ہم گنہگاروں کو اپنے محسن و غم خوار، شفیع روزِ شمار ﷺ پر دُرود و سلام کا ہدیہ پیش کرتے رہنا چاہیے۔

ایسے رؤف و رحیم کہ وقتِ ولادت گنہگار اُمّت کو فراموش نہ فرمایا۔ سر سجدے میں رکھ دَبِّ هَبْلِیْ اُمَّتِیْ دَبِّ هَبْلِیْ اُمَّتِی کہتے ہوئے پیدا ہوئے۔ یعنی اے پروردگار میری اُمّت کو میرے حوالے کر دے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ لب پاک ہل رہے ہیں۔ غور سے سنا تو اُمّت کی شفاعت ہو رہی ہے۔

رب ہبلی اُمّتی کہتے ہوئے پیدا ہوئے
حق نے فرمایا کہ بخشا الصلوٰۃ والسلام (جمیل قادری)

ایسے کریم کہ معراج میں سیاہ کاروں کو یاد رکھا اور خصوصی نوازشات کے وقت اپنی اُمّت کو بخشش کا پروانہ عطا فرمایا۔

ایسے شفیع کہ قیامت میں سب کو اپنی اپنی جان کی فکر ہوگی، یہاں تک کہ انبیائے کرام فرمائیں گے نفسی نفسی...... مگر محسن اعظم ﷺ کو جہان کی فکر ہوگی، حضور فرمائیں گے اُمّتی اُمّتی اس لیے تو سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

جب ماں اکلوتے کو بھولے آ آ کہہ کے بلاتے یہ ہیں

لہٰذا عقیدت و محبت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم غلامانِ مصطفےٰ بھی ہر وقت اپنے مونس و غم خوار، شفیع روزِ شمار کے دربارِ شاہانہ میں نذرانہ گلہائے دُرود و سلام پیش کرتے رہیں۔

نزع کے وقت جب میرے سانسوں میں انتشار ہو
میری نظر کے سامنے گنبد ہو وہ ہرا فقط

نعت رسول پاک ہے نظمی کا مقصد حیات
آخری دم لیوں پہ ہو سرکار کی ثنا فقط

سرکارِ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا یاد اُن کی اپنی عادت کیجیے

دُرود باعثِ نزولِ رحمتِ خدا ہے۔ دُرود سببِ خوشنودیٔ مولیٰ ہے۔ دُرود حصولِ رضائے مصطفیٰ کا ذریعہ ہے۔ دُرود حصولِ قربِ مجتبیٰ کا طریقہ ہے۔ دُرود فرشتوں کا وظیفہ ہے۔ دُرود ذاکرین کا محبوب مشغلہ ہے۔ دُرود عاشقوں کی روحانی غذا ہے۔ دُرود دفعِ ہر بلا ہے۔ دُرود بیمار دلوں کی شفا ہے۔ دُرود قلبِ مضمحل و مضطرب کا آسرا ہے۔ دُرود۔ فلاحِ دارین کا مکمل نسخۂ کیمیا ہے۔ دُرود مُہر قبولیتِ دعا ہے۔ دُرود مُہرِ آدم وحوا ہے۔ دُرود ہر درد کی دوا ہے۔

ہر درد کی دوا ہے صلِ علیٰ محمد تعویذ ہر بلا ہے صلِ علیٰ محمد

صلِّ علیٰ نبینا صلِّ علیٰ محمدٍ

حضرات! خطبۂ مسنونہ کے بعد مَیں نے جس آیتِ کریمہ کی تلاوت کی سعادت حاصل کی ہے، وہ یہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا٥ یعنی تحقیق اللہ اور اُس کے فرشتے دُرود بھیجتے ہیں، اس نبی پر، اے ایمان والو اُن پر دُرود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔

یہ آیت کریمہ رسولِ اعظم ﷺ کی صریح نعت ہے، اِس میں ہم غلامانِ مصطفیٰ کو اپنے محسنِ اعظم ﷺ پر دُرود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر لطف تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں خداوندِ قدوس نے کثیر احکامات و ارشادات صادر فرمائے۔ مگر کہیں پر حکم نہ فرمایا کہ معاذ اللہ! اے ایمان والو!

ہم نماز قائم کرتے ہیں تم بھی نماز قائم کرو۔ ہم روزہ رکھتے ہیں تم بھی روزہ

رکھو۔ ہم زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تم بھی زکوٰۃ ادا کرو۔ ہم حج وعمرہ کرتے ہیں تم بھی حج و عمرہ کرو۔

غرض کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کسی جگہ بھی یہ حکم ارشاد نہیں فرمایا کہ یہ کام ہم بھی کرتے ہیں، ہمارے فرشتے بھی کرتے ہیں، اور اے مسلمانو! تم بھی کرو، صرف دُرود وسلام ہی کے لیے اس طرح فرمایا ان اللّٰہ وملٰئکته یصلون علی النبی یٰایھا الذین اٰمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما یعنی بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے دُرود بھیجتے ہیں، اُس نبی پر اے ایمان والو! تم بھی اُن پر دُرود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی فعل ایسا نہیں جو کہ اللہ کا ہو اور عبداللہ کا بھی ہو، یعنی رب کے کام ہم نہیں کر سکتے اور ہمارے کاموں سے اللہ رب العزت پاک اور بلند وبالا ہے۔

پیدا فرمانا اللہ کا کام ہے، عبداللہ کا ہرگز نہیں۔ رزق دینا اللہ کا کام ہے، عبداللہ کا ہرگز نہیں۔ مارنا جلانا اللہ کا کام ہے، عبداللہ کا ہرگز نہیں۔ اللہ پر ایمان لانا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ قرآن پر عمل کرنا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ اطاعت کرنا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ عبادت کرنا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ ریاضت کرنا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ نماز قائم کرنا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ روزہ رکھنا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ زکوٰۃ دینا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ حج وعمرہ کرنا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ جہاد ومجاہدہ کرنا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ کھانا پینا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ شادی بیاہ کرنا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔ اوامر ونواہی پر عمل کرنا ہمارا کام ہے، خدا کا نہیں۔

اگر کوئی ایسا فعل ہے جو سب کا ہو یعنی رب کا بھی ہو اور فرشتوں کا بھی ہو، اور مسلمانوں کا بھی ہو، تو وہ صرف اور صرف دُرود وسلام بر خیر الانام ہے، جس طرح ہلال پر سب کی نظریں جمع ہو جاتی ہیں، اِسی طرح مدینہ کے چاند پر ساری مخلوق کی نظر ہے۔

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
خالق نے تجھے ایسا طرح دار بنایا یوسف کو تیرا طالب دیدار بنایا

قرآنِ حکیم ہمیں یہ مژدہ سنا رہا ہے کہ اللہ اور اُس کے فرشتے رسولِ کردگار پر ہر وقت رحمتوں کی بارش برساتے ہیں، پھر یہ حکم دیا جا رہا ہے تم بھی اُن پر دُرود پڑھو، یعنی اپنے محسن کے لیے رحمت مانگو......اور مانگی وہ چیز جاتی ہے، جو پہلے سے حاصل نہ ہو، تو جب ہمارے بغیر رحمتیں نازل ہو رہی ہیں، پھر ہمیں مانگنے کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ سائل جب کسی کے دروازے پر مانگنے جاتا ہے، تو

صاحبِ خانہ کی صحت وتندرستی کی دعائیں مانگتا ہوا جاتا ہے۔ گھر والے کے مال واسباب میں خیر و برکت کی دعائیں مانگتا ہوا جاتا ہے۔ گھر والے کے اہل و عیال کے حق میں دعائیں مانگتا ہوا جاتا ہے۔ مالک کا گھر آباد رہے۔ مالک کا مال سلامت رہے۔ مالک کی اولاد زندہ رہے۔

مالک سمجھ جاتا ہے کہ یہ بڑا مہذب فقیر ہے، بھیک مانگنا چاہتا ہے مگر ہمارے مال واسباب میں برکت مانگ رہا ہے۔ بھیک مانگنا چاہتا ہے مگر ہمارے اہل و عیال کی صحت وتندرستی مانگ رہا ہے۔ گھر والا خوش ہو کر کچھ نہ کچھ مانگنے والے کی جھولی میں ڈال دیتا ہے۔

بلاتمثیل یہاں ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ اے ایمان والو! اے میرے نبی کا کلمہ پڑھنے والو! اے میرے محبوب کے خوش نصیب اُمتیو! جب تم ہمارے یہاں کچھ مانگنے کے لیے آؤ تو یاد رکھو ہماری شان مغنی اور غنی ہے، ہم بے نیاز اور غیر محتاج ہیں، ہماری شان لم یلد ولم یولد ہے، ہم اولاد سے پاک ہیں۔......مگر ہمارا ایک پیارا حبیب ہے، جس کا نام عرش کے کنگورے پر ہے، جس کا نام حوروں کی پلکوں پر ہے، جس کا نام غلمان کے سینوں پر ہے۔

اُس مُزمّل والے پیارے حبیب کی خیر۔ اُس شبِ اسریٰ کے دولہا کے اہلِ

بیت کی خیر۔اُس نوشۂ بزمِ جنت کے اصحاب کی خیر۔اُس مالکِ جنت کے اولیائے اُمت کی خیر۔اُس ساقیِ کوثر کے علمائے ملت کی خیر۔

مانگتے ہوئے آؤ، اُن کو دعائیں دیتے ہوئے آؤ، تو اُن پر جن رحمت وانوار کی بارشیں ہورہی ہیں، تم پر بھی اس کا ایک چھینٹا ماردیا جائے گا۔اے نبی کے وفادارو! دُرود وسلام پڑھنا حقیقت میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگنے کی ایک بہترین ترکیب ہے۔اس لیے تو سرکارِ اعلیٰ حضرت اپنے آقا کی شانِ اقدس میں جھوم جھوم کراس طرح سے مدح سرائی کرتے ہیں ؎

یارسول اللہ!

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

خبردار! اے دُرود وسلام پڑھنے والو! دل میں یہ خیال بھی پیدا نہ کرنا کہ ہمارے محبوب پر ہماری رحمتیں تمہارے مانگنے پر موقوف ہیں۔ ہمارے محبوب تمہارے دُرود وسلام کے محتاج ہیں۔تم دُرود وسلام پڑھو یا نہ پڑھو، فرشتے اُن پر دُرود وسلام پڑھتے رہتے ہیں۔تم دُرود وسلام پڑھو یا نہ پڑھو، اُن پر ہماری رحمتیں جھما جھم برستی رہتی ہیں۔

تمہاری زندگی، تمہاری بندگی۔تمہارا وجود، تمہارا دُرود

ابھی حال ہی میں ہوا اور مصطفےٰ جانِ رحمت پر رحمتوں کی برسات تو تب سے ہے، جبکہ "جب" اور "کب" بھی نہ بنا تھا۔

"یہاں" سے پہلے۔ "وہاں" سے پہلے۔"جہاں" سے پہلے۔ "کہاں" سے پہلے۔"زمین" سے پہلے۔ "زماں" سے پہلے۔"مکیں" سے پہلے۔ "مکاں" سے پہلے۔

ابھی ساری خدائی سے پہلے اُن پر بے شمار رحمتیں ہیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ ہماری حمد وثنا کا محتاج نہیں کہ وہ محمود ہے۔

چاہے کوئی اُس کی حمد وثنا کرے یا نہ کرے۔ چاہے کوئی اُس کی تسبیح وتہلیل کرے یا نہ کرے۔ چاہے کوئی اُس کی تقدیس وتکبیر بیان کرے یا نہ کرے۔ چاہے کوئی اُس کی طاعت وعبادت کرے یا نہ کرے۔

مگر..... پھر بھی وہ محمود ہے۔

ایسے ہی مدینے کے چاند کسی کی نعت خوانی کے محتاج نہیں کہ وہ محمد ہیں۔

چاہے کوئی اُن پر دُرود پڑھے یا نہ پڑھے۔ چاہے کوئی اُن پر سلام پڑھے یا نہ پڑھے۔ چاہے کوئی اُن کی تعظیم کا قیام کرے یا نہ کرے۔ چاہے کوئی اُن کی نعت شریف پڑھے یا نہ پڑھے۔

ارے حمدِ الٰہی کے لیے رسولِ کردگار کافی ہیں،

اور نعتِ مصطفیٰ کے لیے پروردگار کافی ہے،

خدا کی قسم الحمد کے الف سے لے کر والناس کے سین تک پورا قرآن مجید مصطفیٰ کی نعت ہی نعت ہے۔

قرآن مبین خود ہے ثنا خوانِ محمد
قرآں کی طرح اور ثنا کون کرے گا (مجاہد)

محمود اور ایاز

ایک بار سلطان محمود اپنے درباریوں کو حکم فرماتے ہیں کہ میرے گھر میں جو کچھ ہے، تم لوگ لوٹ لو، سب لوٹنے لگتے ہیں۔

کوئی دینار و درہم تلاش کر رہا ہے۔ کوئی سونا اور چاندی تلاش کر رہا ہے۔ کوئی ہیرے اور جواہرات تلاش کر رہا ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے مطلب کی چیز تلاش کر رہا ہے۔

مگر ایاز سلطان محمود کے پاس آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سلطان فرماتے ہیں، ایاز! سب لوگ لوٹ رہے ہیں، تم کیوں نہیں لوٹتے؟ عرض کرتے ہیں کہ سب نے مال و متاع کو لیا۔ میں تو حضور کو لیتا ہوں، جو مالک ہیں۔ سلطان فوراً جواب دیتے ہیں، ایاز! تم نے مجھ کو لیا، میں نے بھی تم کو لیا، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔

ٹھیک اسی طرح تمام دعاؤں سے دنیا ملتی ہے، مگر..... دُرود شریف پڑھنے سے مالکِ دنیا سرورِ کونین ﷺ ملتے ہیں۔

کس چیز کی کمی ہے مولیٰ تیری گلی میں
دنیا تیری گلی میں عقبیٰ تیری گلی میں

جھوم جھوم کر دُرود پاک پڑھیے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مَوْلٰينَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ ؕ بَارِكْ وَسَلِّمْ صَلَاةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ

سامعین محترم! آج میری تقریر کا عنوان "فیضانِ دُرود و سلام بر خیر الانام" ہے، اس لیے میں نے قرآن کریم کے بائیسویں پارے کی مشہور و معروف آیتِ دُرود و سلام کی تلاوت کی ہے۔ اس میں پانچ الفاظ ایسے ہیں، جب تک آپ اُنہیں نہ سمجھیں گے، آیتِ مقدسہ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ پائیں گے۔ اللہ کا مفہوم، ملائکہ کا مفہوم، نبی کا مفہوم، صلوٰۃ کا مفہوم، سلام کا مفہوم۔ اب میں آپ کے سامنے بہت ہی اختصار کے ساتھ لف و نشر مرتب کے طور پر اُن پانچ الفاظ میں سے ہر ایک کا صحیح مفہوم پیش کرتا ہوں۔

اللہ کا مفہوم

علمِ منطق کی ایک کتاب ہے، "شرح تہذیب"۔ یہ کتاب تقریباً ہر دارالعلوم

میں داخلِ نصاب ہے۔ عالم کا کورس کرنے والے طلبہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ **اللّٰہ**، اُس ذات واجب الوجود کا نام ہے، جو تمام صفاتِ کمالیہ کو مجمع ہو۔ یعنی معبودِ حقیقی ایک ایسی ذات ہے، جو ہمیشہ سے ہے، اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اور اُس کی جتنی بھی صفتیں ہیں، وہ سب کمال والی ہیں، اُس کی کوئی بھی صفت رذیل اور گھٹیا درجے کی نہیں۔

ابتدائی درجے کے بچوں کو اردو کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اُن میں بھی یہی پڑھایا جاتا ہے کہ اللہ پاک اور بے عیب ہے۔

''ملاّ حسن'' پڑھنے والے طلبہ بھی جانتے ہیں، سُبْحَانَ مَا اَعْظَمَ شَانُہٗ لَا یَحَدُّ وَلَا یَتَصَوَّرُ یہیں سے اُن نام نہاد مسلمانوں کے ایک عقیدۂ باطل کا خود بخود ردّ بھی ہو جاتا ہے، جن کا یہ دعویٰ ہے کہ خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے۔ یعنی خدا جھوٹ بول سکتا ہے، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ ذرا ان عقل کے یتیموں سے پوچھا جائے کہ ''جھوٹ'' رذیل اور گھٹیا درجے کی صفت ہے، یا اعلیٰ درجے کی کمال والی صفت ہے؟ تقریباً ہر دھرم اور ہر مذہب میں جھوٹ بولنا گناہ اور پاپ مانا گیا ہے۔ اور اِس کے مرتکب کو گنہگار اور پاپی قرار دیا گیا ہے۔ مگر اِن خالص توحید کے دعویداران اپنے خدا ہی کی طرف امکانِ کذب اور وقوعِ کذب کی نسبت کر کے اللہ سبوح وقدوس کو جھوٹا کہنا اور کہلوانا چاہتے ہیں، اور سب سے بڑی حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اگر انہیں جھوٹا کہا جائے تو لڑنے مرنے کو تیار ہو جائیں اور اگر اُن کے خدا کو معاذ اللہ جھوٹا نہ کہو تو جوابی جلسہ اور بنام مناظرہ، مجادلہ کرنے کو تیار ہو جائیں۔

حضرات! ایک فرقہ ہے ''فرقۂ زانئیہ'' جس کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ معاذ اللہ خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے۔ اس مسئلے کو کہا جاتا ہے ''امکانِ کذبِ باری تعالیٰ''۔ پھر اسی فرقے کے کچھ دوسرے بدنصیبوں نے کہا ہے کہ ''ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہو چکا''۔ اس مسئلے کو کہا جاتا ہے ''وقوعِ کذبِ باری تعالیٰ'' یعنی ایک

مسئلہ ہے امکانِ کذبِ باری تعالیٰ اور ایک مسئلہ ہے وقوعِ کذبِ باری تعالیٰ۔

تصویر کا پہلا رخ

جن لوگوں کا کہنا ہے کہ "خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے" اُن کی دلیل یہ ہے کہ کُلُّ مَقْدُوْرِ الْعَبْدِ مَقْدُوْرُ اللّٰہ یعنی جس پر بندہ قادر ہو اُس پر اللہ بھی قادر ہے، ورنہ بندے کی قدرت خدا سے بڑھ جائے گی" المختصر یہ کہ اُن کی اُلٹی کھوپڑی کا یہ کہنا ہے کہ اللہ ممتنعات اور محالات پر بھی قادر ہے۔ ہم اہلِ سُنّت و جماعت کا یہ کہنا ہے کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، مگر محالات و ممتنعات اس کے زیرِ قدرت نہیں۔ اور اگر اللہ کی قدرت کا یہی معنیٰ لیا جائے جو اُن خر دماغ لوگوں نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے، تو اِس پر نہ جانے کتنی خرابیاں لازم آئیں گی، اور نہ جانے کتنے استحالات اور اشکال لازم آئیں گے۔ مثال کے طور پر طائفۂ حائفہ سے مجاہد الاسلام ایک سوال کرتا ہے، قدرتِ الٰہی کے اگر یہی معنیٰ ہیں کہ ربِ قدیر محالات و ممتنعات پر بھی قادر ہے تو کیا خداوندِ قدوس اِس بات پر قادر ہے کہ معاذ اللہ اپنے جیسا ایک خدا پیدا کر لے۔

سوال

میرے اِس سوال کا جواب سارے بدمذہب مل کر دیں کہ اللہ اپنے جیسا اللہ پیدا کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہمارا حریف یہ جواب دے کہ نہیں پیدا کر سکتا ہے تو ہمارا مدّعیٰ ثابت اور اگر ہمارا حریف یہ جواب دے کہ (معاذ اللہ) پیدا کر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ جسے بھی پیدا فرمائے گا۔

وہ قدرت والا تو ہو سکتا ہے۔ وہ کمال والا تو ہو سکتا ہے۔ ہزاروں فضائل و محاسن والا تو ہو سکتا ہے۔ لاکھوں خوبیوں کا مالک تو ہو سکتا ہے۔

مگر...... وہ اللہ نہیں ہوسکتا۔ کیوں؟ اِس لیے کہ اللہ وہ ذاتِ واجب الوجود ہے، جسے کسی نے پیدا نہ کیا ہو اور جو پیدا کیا گیا ہو، وہ بندہ اور مخلوق ہے۔ لہٰذا اُسے عبداللہ کہا جا سکتا ہے، اللہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ ہر ممکن چیز پر قادر ہے مگر محالات اور ممتنعات تحتِ قدرت نہیں۔

ایک اور سوال

پھر مَیں دوسرے انداز سے ایک اور سوال کرتا ہوں کہ اگر اللہ کی قدرت کے یہی معنی ہیں کہ جن جن چیزوں پر بندہ قادر ہو، اُن اُن چیزوں پر اللہ بھی قادر ہو، تو یہ بتائیے کہ بندہ تو اِس بات پر قادر ہے کہ ریل کی پٹری پر لیٹ کر کٹ کر مر جائے تو کیا اللہ اِس پر قادر ہے کہ معاذ اللہ، اللہ بھی ریل کی پٹری پر لیٹ کر ریل سے کٹ کر مر جائے؟ تو ہر مسلمان کا یہی جواب ہوگا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اللہ جسم و جسمانیت سے پاک ہے، اُس کا جسم ہی نہیں اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ جب جسم ہی نہیں تو کٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کٹنا اور مرنا صفتِ حدوث ہے اور حدوث مخلوق کی صفت ہے خالق کی نہیں۔ اللہ تو خالقِ موت ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ٥ (پ ۲۹، رکوع ۱) اور سنو! اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ قدیم بالذات ہے۔ قرآن فرماتا ہے: اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَا الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ٥

حضرات!

ہم چلتے پھرتے ہیں، اللہ چلنے پھرنے سے پاک۔ ہم اُچھلتے کودتے ہیں، اللہ اُچھلنے کودنے سے پاک۔ ہم دوڑتے دھوپتے ہیں، اللہ دوڑنے دھوپنے سے پاک۔ ہم شادی بیاہ کرتے ہیں، اللہ شادی بیاہ کرنے سے پاک۔ ہم کھاتے پیتے ہیں، اللہ کھانے پینے سے پاک۔ ہم سوتے اونگھتے ہیں، اللہ سونے اونگھنے سے پاک۔

لَا تَـاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ دچاہے بالفعل ہو یا بالقوہ، اللہ ہر طرح کے سونے اور اونگھنے سے پاک، لیکن...... ان عقل کے اندھوں نے قدرتِ الٰہی کا جو مفہوم متعین کیا ہے، تو اس طرح کے نہ جانے کتنے استحالے لازم آئیں گے۔

صحیح جواب

اس کا صحیح جواب اور واضح مطلب بڑی ذمّے داری کے ساتھ مجاہد الاسلام آپ کے گوش گذار کر کے گزر جانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اپنا ذہن متحضر رکھیے اور اس اُلجھی ہوئی گتھی کا سُلجھا ہوا جواب ذہن نشین کر لیجیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہونا اُس کا عیب نہیں، بلکہ اُس کا اعلیٰ کمال ہے۔ ہمارا اور خدا کا فرق یہ ہے کہ خدا جھوٹ پیدا کرنے پر قادر ہے، اور ہم جھوٹ بولنے پر قادر ہیں۔ اللہ کی قدرت کو "قدرت علی الخلق" کہتے ہیں اور بندے کی قدرت کو "قدرت علی الفعل" اور "قدرت علی الکسب" کہتے ہیں۔ یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ جھوٹ پیدا کرنے پر قادر ہے اور ہم گنہگار وخطا کار جھوٹ بولنے پر قادر ہیں۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ پیدا کرنے کی قدرت بولنے کی قدرت سے، بہت زیادہ باوزن اور افضل واعلیٰ ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ

اب تک آپ نے تصویر کا پہلا رُخ یعنی امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کا مختصر بیان سماعت فرمایا۔ اب آپ تصویر کا دوسرا رُخ یعنی وقوعِ کذبِ باری تعالیٰ کا سرسری جائزہ لیجیے۔ ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں سے فرمایا:

نماز نہیں پڑھو گے تو یہ سزا ملے گی۔

روزہ نہیں رکھو گے تو یہ سزا ملے گی۔ زکوٰۃ نہیں دو گے تو یہ سزا ملے گی۔ حج نہیں کرو گے تو یہ سزا ملے گی۔ عبادت نہیں کرو گے تو یہ سزا ملے گی۔ اطاعت نہیں

کروگے تو یہ سزا ملے گی۔ گناہوں سے نہیں بچوگے تو یہ سزا ملے گی۔ فلاں گناہ کی یہ سزا ہے۔ فلاں خطا کی یہ سزا ہے۔ فلاں جرم کی یہ سزا ہے۔

مگر کتنے ایسے گناہ اور پاپ ہیں جن کو اللہ نے معاف کر دیا۔ آخر یہ (معاذ اللہ) جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے؟ لہٰذا خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہو چکا ہے۔

مسلمانو! یہ ہے ان خبط الحواس لوگوں کا عقیدہ، کہ اِن عقل کے دشمنوں نے اللہ سُبّوحٌ و قدوس کو بھی نہ چھوڑا۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ اس گمرہی میں مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اِس فرقے نے وعدہ اور وعید کا فرق نہیں سمجھا۔ وعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ اُسے پورا کیا جائے۔ مثلاً کسی صاحب نے اپنے لڑکے سے یہ کہا کہ اگر تم دسویں کے امتحان میں کامیاب ہوگئے تو تمہیں موبائیل خرید کر دوں گا۔ لہٰذا اب اخلاقی اور سماجی سطح پر ضروری ہے کہ شہزادے کو موبائیل خرید کر دے اور وعدہ پورا کیا جائے۔

اور وعید کے مطلب ہیں ڈرانے دھمکانے کے۔ اِس میں سزا بھی دی جا سکتی ہے اور معاف بھی کیا جا سکتا ہے۔ جنّتی مسلمانو! وعدہ اور وعید کا فرق خوب یاد رکھیے کہ وعدہ پورا کیا جاتا ہے اور وعید میں چاہے پورا کیا جائے یا معاف کر دیا جائے۔ مگر اِن عقل کے اندھوں کا یہ کہنا ہے کہ خدا بندوں کو جو معاف کرتا ہے (معاذ اللہ) یہ اُس کا جھوٹ ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم ٥ یہ ہے اِن بدعقیدوں کی اُلٹی کھوپڑی کہ اللہ سبوّح و قدوس کی شانِ الوہیت میں بھی عیب لگانا اُنہیں جہنمی خبیثوں کا دین و ایمان ہے، یعنی کبیر داس کی اُلٹی وانی، برسے کمبل بھیگے پانی۔ دُرود شریف پڑھ لیجیے:

صَلى اللّٰه علىٰ النَّبِيّ الامّی وآلِهٖ صلى الله عليه وسلم

صلوةً وّسلامًا عليك يارسول الله صلى الله عليه وسلّم

ملٰئکہ کا مفہوم

آیتِ دُرود میں لفظ اللّٰہ کے بعد ملائکہ کا لفظ ہے۔ ملائکہ کسے کہتے ہیں؟ ملائکہ کی تعریف سنیے، جِسْمٌ نُوْرِیٌّ یَتَشَکَّلُ بِاَشْکَالٍ مُخْتَلِفَۃٍ فرشتے اُس جسم نوری کو کہتے ہیں، جو اپنے آپ کو مختلف شکلوں میں بدل سکتے ہیں۔ فرشتوں کی تعداد انسانوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہے۔ اِن میں ہر ایک کی ڈیوٹی الگ الگ ہے۔

کچھ فرشتے تسبیح وتہلیل کرنے کے لیے ہیں۔ کچھ فرشتے دُرود وسلام پڑھنے کے لیے ہیں۔ کچھ فرشتے بندوں کی حفاظت کے لیے ہیں۔ کچھ فرشتے ماں کے پیٹ میں بچوں کی صورت بنانے کے لیے ہیں۔ کچھ فرشتے بندوں کے اعمال خدا تک پہنچانے کے لیے ہیں۔ کچھ فرشتے ہواؤں پر مقرر ہیں۔ کچھ فرشتے بادلوں پر مقرر ہیں۔ کچھ فرشتے پہاڑوں پر مقرر ہیں۔ کچھ فرشتے دریاؤں پر مقرر ہیں۔ کچھ فرشتے قیام کی حالت میں ہیں۔ کچھ فرشتے رکوع کی حالت میں ہیں۔ کچھ فرشتے سجدے کی حالت میں ہیں۔ کچھ فرشتے قعدہ کی حالت میں ہیں۔ کراماً کاتبین بندوں کی نیکی اور بدی لکھنے پر مامور ہیں۔

عزرائیل علیہ السلام ہر ذی روح کی روح نکالنے کے لیے مامور ہیں،

میکائیل علیہ السلام پانی برسانے اور رزق تقسیم کرنے کے لیے مامور ہیں،

اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے کے لیے مامور ہیں،

جبرئیل علیہ السلام پیغاماتِ خدا، انبیاء تک پہنچانے کے لیے مامور ہیں،

جبرئیل امین حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں بارہ مرتبہ حاضر ہوئے،

جبرئیل امین حضرت ادریس علیہ السلام کی خدمت میں چار مرتبہ حاضر ہوئے،

جبرئیل امین حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں پچاس مرتبہ حاضر ہوئے،

جبرئیل امین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بیالیس مرتبہ حاضر ہوئے،

جبرئیل امین حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں چار مرتبہ حاضر ہوئے،
جبرئیل امین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں اڑتالیس مرتبہ حاضر ہوئے،
جبرئیل امین حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں تین مرتبہ حاضر ہوئے،
جبرئیل امین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں دس مرتبہ حاضر ہوئے،
جبرئیل امین حضور علیہ السلام کی خدمت میں چوبیس ہزار مرتبہ حاضر ہوئے،
جبرئیل کبھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں حاضر ہوتے،
جبرئیل کبھی اور دوسرے آدمی کی شکل میں حاضر ہوتے،
جبرئیل اکثر حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں حاضر ہوتے،

میرے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، جبرئیل کو جب بھی مَیں نے دیکھا، تو شکلِ بشر میں دیکھا لیکن دو مرتبہ مَیں نے اُس کو ملکوتی شکل میں دیکھا۔

حضرات! غور فرمائیں آپ انبیائے کرام کی بارگاہوں میں حاضر ہونے والا فرشتہ سید الملائکہ کبھی مکہ کی پاکیزہ زمین پر، کبھی مدینہ طیبہ کی مقدس زمین پر، کبھی دوسرے مقاماتِ مقدسہ پر شکلِ بشر اور لباسِ بشر میں ہیں۔

جبرئیل کی آنکھیں ...... انسان کی آنکھوں کی طرح
جبرئیل کی ناک ...... انسان کی ناکوں کی طرح
جبرئیل کے ہونٹ ...... انسان کے ہونٹوں کی طرح
جبرئیل کے رُخسار ...... انسان کے رُخساروں کی طرح
جبرئیل کے ہاتھ ...... انسان کے ہاتھوں کی طرح
جبرئیل کے پاؤں ...... انسان کے پاؤں کی طرح
جبرئیل کے بال ...... انسان کے بالوں کی طرح
جبرئیل کی اُنگلیاں ...... انسان کی اُنگلیوں کی طرح
جبرئیل کا سر ...... انسان کے سروں کی طرح

جبرئیل کا دھڑ ...... انسان کے دھڑوں کی طرح

گویا جبرئیل کے ناخن سے لے کر سر کے بال تک اُن کا پورا وجود وہ سب کچھ ہے جو ایک بشر کو ہوتا ہے۔

سوال: اب مَیں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں، جواب سوچ سمجھ کر دیجیے گا۔ جبرئیل بارگاہِ رسالت میں حاضر ہیں، آسمان پر نہیں خاک پر ہیں، ملکوتی شکل میں نہیں بلکہ شکلِ بشر اور لباسِ بشر میں ہیں، تو بتایئے! اُنہیں خاکی کہا جائے گا یا نوری؟

یقیناً آپ کا جواب یہی ہوگا کہ جبرئیل نوری ہیں۔

آپ کے پاس دلیل موجود ہے، جِسْمٌ نُوْرِیٌّ یَتَشَکَّلُ بِاَشْکَالٍ مُخْتَلِفَہٖ۔ لہٰذا مجاہدالاسلام کو یہ کہہ لینے دیا جائے کہ جب سیدالملائکہ خاک پر بیٹھ کر شکلِ بشر میں اور لباسِ بشر میں نوری کہے جاسکتے ہیں تو پھر اُس کے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی لباسِ بشر اور شکلِ بشر میں ہوتے ہوئے بدرجۂ اولیٰ نوری کہا جاسکتا ہے۔

نبی کا مفہوم

آیت دُرود کا تیسرا لفظ ہے "نبی"۔ یہاں آیتِ دُرود میں علی النبی فرمایا، علی الرسول نہ فرمایا۔ آج کے اس دور میں بہت سے مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ حالانکہ دونوں میں بہت فرق ہے۔ نبی اُس کو کہتے ہیں جس کو خدا نے احکامات کی تبلیغ کے لیے منتخب فرمایا ہو، اور رسول اُسے کہتے ہیں جو صاحبِ شریعت جدیدہ ہو۔ جسے خدا نے نیا قانون، نئی کتاب، نئی شریعت عطا کی ہو۔ اہلِ علم خوب جانتے ہیں، کہ نبی عام ہیں اور رسول خاص۔ یعنی علمائے کرام کا اِس بات پر اتفاق ہے، کہ مقامِ رسالت مقامِ نبوت سے افضل و اعلیٰ اور بلند و بالا ہے۔ جب خدا اور اُس

کے فرشتے مقامِ نبوت پر دُرود و سلام بھیجتے ہیں، تو پھر اُن کے مقامِ رسالت کا کیا کہنا، جو کہ مقامِ نبوت سے بھی بدرجہا افضل و اعلیٰ ہے۔

حضرات! آیتِ دُرود کے تین الفاظ یعنی اللہ، ملائکہ اور نبی کے بارے میں آپ نے تھوڑا سا علمی بیان سماعت فرمایا۔ اب صرف دو ٹکڑے باقی رہ گئے ہیں۔

صلوٰۃ وسلام کا مفہوم

لہٰذا صلوٰۃ و سلام کے بارے میں چند جملے بیان کر رہا ہوں۔ دیکھئے ایک مُردہ بغیر سبب ظاہر کے زندہ ہو جائے تو کہا جائے گا کہ یہ اللہ کی قدرت ہے۔

ایک بوڑھی عورت کا اکلوتا بیٹا مر گیا، بے سہارا ضعیفہ کو روتے دھوتے دیکھ کر رحمتِ عالم ﷺ کو ترس آیا۔ مصطفےٰ کے ہونٹوں کو جنبش ہوتی ہے، مُردہ اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے، اور سرکار کے قدموں کو چوم لیتا ہے۔ اور ضعیفہ خوشی سے مچل کر دامن سرکار تھام لیتی ہے اور خدا کا شکر ادا کرتی ہے۔

دیکھیے! یہاں بھی ایک مُردہ ہی زندہ ہوا مگر کہا جائے گا کہ یہ رسول اللہ کا معجزہ ہے۔

غوث پاک نے فرمایا، قُمْ بِاِذْنِیْ یعنی میرے حکم سے اٹھ جا۔ مُردہ زندہ ہو گیا۔

دیکھیے! یہاں بھی ایک مُردہ ہی زندہ ہوا مگر کہا جائے گا کہ یہ غوث پاک کی کرامت ہے۔

کسی بھی ولی سے خرق عادت کوئی فعل صادر ہو تو یہی کہا جائے گا کہ یہ اُن کی کرامت ہے۔ کسی بھی مؤمن سے خرق عادت کوئی فعل صادر ہو تو یہی کہا جائے گا کہ یہ معونت ہے۔

دیکھیے کام نہیں بدل رہا ہے حقیقت و معنویت میں بھرپور یکسانیت ہے لیکن نسبتیں بدلتی جارہی ہیں، تو الفاظ بدلتے جارہے ہیں۔

زندہ ہونے کی نسبت خدا کی طرف ہوئی تو قدرت کہا گیا۔ زندہ ہونے کی

نسبت مصطفیٰ کی طرف ہوئی تو معجزہ کہا گیا۔ زندہ ہونے کی نسبت ولی کی طرف ہوئی تو کرامت کہا گیا۔

یہ ایک ایسی مثال ہے کہ الفاظ اور شئے ایک جیسی ہے مگر نسبتوں کے بدلنے سے الفاظ بدلتے گئے۔ لیکن صلوٰۃ ایک ایسی مثال ہے کہ اِس کی نسبتوں کے بدل جانے سے معنیٰ تو بدل جائیں گے مگر لفظ میں تبدیلی نہیں آسکتی۔

صلوٰۃ کی نسبت اگر ربِ قدیر کی طرف کی جائے کہ خدا نے اپنے حبیب پر صلوٰۃ بھیجا تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا نے مصطفیٰ پر رحمتیں نازل فرمائیں اور اگر صلوٰۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف کی جائے کہ فرشتوں نے حضور ﷺ پر صلوٰۃ بھیجا تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ استغفار یعنی طلبِ مغفرت کی اور اِسی صلوٰۃ کی نسبت مؤمن کی طرف کی جائے یعنی غلامانِ مصطفیٰ نے صلوٰۃ بھیجا تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دُرود شریف پڑھا یعنی گنہگار غلامانِ مصطفیٰ اللہ سبوّح وقدوس کی بارگاہِ عالیہ میں اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں، کہ اے پروردگار! ہماری زبان اِس قابل نہیں کہ ہم تیرے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام بھیج سکیں، ہم تیرے محبوبِ کے شایانِ شان دُرود وسلام نہیں بھیج سکتے۔ لہٰذا اے پروردگار! تُو ہی محمد ﷺ پر دُرود وسلام بھیج۔ (اللہ رب العزت ہم سب کو اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے اور عقایدِ صحیحہ پر ثابت قدم رکھے۔ آمین)

نـــوٹ:۔ اگر آپ چاہیں تو اِس مختصر ومدلّل تقریر کو اس قدر بیان کر کے دُعائیہ کلمات کے ساتھ اپنے بیان کا اختتام کردیں۔ جیسا کہ اوپر قوسین میں موجود ہے۔ اور اگر چاہیں تو خطبہ اور موضوع کا انتخاب کر کے صرف آنے والے صفحات کو ایک مستقل اور عام فہم تقریر بنا سکتے ہیں۔ نیز ماقبل کے صفحات کو مابعد کے صفحات کے ساتھ ضم بھی کر سکتے ہیں۔ بہرحال مقتضیٰ حال اور سامعین کے فہم کے مطابق تقریر کو کاٹ چھانٹ کرنا، گھٹانا بڑھانا یہ آپ کی صلاحیت اور آپ کے انتخاب پر ہے۔

فضائل دُرود وسلام

اِس خالص علمی گفتگو کے بعد اب آپ حضرات اِس اجمال کی تفصیل سننے کے لیے متوجہ ہو جائیں۔ پہلے ایک مرتبہ جھوم کر ہدیۂ دُرود وسلام پیش کریں۔

مشکوٰۃ شریف باب الصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام میں یہ حدیث پاک موجود ہے۔ رسولِ اعظم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو مجھ پر ایک بار دُرود پڑھتا ہے ربِ کائنات اُس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اُس کے دس گناہ معاف فرماتا ہے اور دس درجات بلند کرتا ہے۔ صاحبِ جذب القلوب اتنا اور اضافہ فرماتے ہیں کہ دس نیکیاں عطا فرماتا ہے، دس غلام راہِ خدا میں آزاد کرنے کا ثواب عطا فرماتا ہے اور غزوات میں شامل ہونے کا ثواب عطا فرماتا ہے۔

دامادِ پیغمبر، علی حیدر کرّم اللہ وجہہٗ الکریم روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص حجۃ الاسلام یعنی فرض حج ادا کرنے کے بعد ایک غزوہ میں شرکت کرتا ہے، تو پروردگارِ عالَم اُس کو چار سو حج کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے۔ حاضرین میں کچھ لوگ ایسے بھی موجود تھے جو استطاعتِ حج اور قوتِ جہاد نہیں رکھتے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے اِس فرمانِ عالی شان کو سُن کر اظہارِ افسوس کرنے لگے۔ اِتنے میں پروردگارِ عالَم کا دریائے رحمت جوش میں آتا ہے اور یہ مژدہ بذریعہ وحی ارشاد فرماتا ہے کہ اے محبوب! جو شخص آپ پر دُرود پڑھے گا اُس کو چار سو غزوات میں شریک ہونے کا ثواب ملے گا اور ہر غزوہ چار سو حج کے برابر ہوگا۔ (جذب القلوب)

اے رسولِ اعظم کے دیوانو! مچل جاؤ کیونکہ ایک بار دُرود شریف پڑھنے کا ثواب چار سو غزوات کے برابر ہے، اور ہر غزوہ چار سو حج کے برابر۔ چار سو کو چار سو سے ضرب دینے سے حاصل ضرب ایک لاکھ ساٹھ ہزار ہوتا ہے۔ مسئلہ سمجھ میں آ گیا

کہ ایک بار دُرود شریف پڑھنے سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار حج کا ثواب ملتا ہے۔

اُٹھایئے مشکوۃ شریف اور کھول کر دیکھ لیجیے۔ باب الصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام۔ رحمت والے آقا، نعمت بانٹنے والے داتا، حضور احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہ ہوگا جو مجھ پر کثرت سے دُرود شریف پڑھے گا۔

مالک جنت ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ جنت میں سب سے زیادہ حوریں اُسی شخص کی ہوں گی، جو مجھ پر سب سے زیادہ دُرود پڑھنے والا ہوگا۔ جھوم کر دُرود پاک پڑھیے۔ صلّی اللّٰہ علیٰ النّبِی الامّی واٰلہٖ صَلی اللّٰہ علیہ وسلّم ط صلوٰۃً وّسَلاماً عَلَیْکَ یا رسول اللّٰہ ط صلی اللّٰہ علیہ وسلّم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں، کہ رب کی برہان، صاحب قرآن ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ دُرود شریف پڑھتا ہے، خداوندِ قدوس اُس دُرود شریف پڑھنے والے شخص کے سانس سے ایک سفید بادل پیدا فرماتا ہے، پھر اُس بادل کو برسنے کا حکم دیتا ہے۔ جب وہ برستا ہے تو پروردگارِ عالم زمین پر برسنے والے ہر قطرے سے سونا پیدا فرماتا ہے، اور پہاڑ پر جو قطرات گرتے ہیں، ہر ہر قطرے سے چاندی پیدا فرماتا ہے اور کافر پر گرنے والے ہر قطرے کی برکت سے اُس کو ایمان کی دولت نصیب فرماتا ہے۔

دُرود شریف کی مشہور و معروف کتاب دلائل الخیرات شریف جو تقریباً ہر شہر اور ہر کتب خانے میں دستیاب ہے، اِس میں صاحب دلائل الخیرات شریف تحریر فرماتے ہیں، مدنی تاج دار، دونوں عالم کے مالک و مختار ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مجھ پر دُرود شریف پڑھتا ہے، تو وہ دُرود شریف اُس پڑھنے والے کے منہ سے فوراً نکل کر دنیا کے تمام میدانوں اور دریاؤں بلکہ چاروں طرف نکل جاتا ہے اور یہ اعلان کرتا جاتا ہے کہ مَیں فلاں بن فلاں کا دُرود ہوں، کہ جس نے

ساری کائنات کے افضل واعلیٰ، بہتر و برتر محمد رسول اللہ ﷺ پر پڑھا ہے۔ یہ اعلان سُن کر ساری چیزیں اُس دُرود پڑھنے والے شخص کے لیے رحمت ومغفرت کی دعائیں کرتی ہیں اور اُس دُرود شریف سے ایک ایسا پرندہ پیدا کیا جاتا ہے جس کے ستّر ہزار بازو ہوتے ہیں، ہر بازو میں ستّر ہزار پَر اور ہر پَر میں ستّر ہزار سر اور ہر سر میں ستّر ہزار چہرے اور ہر چہرے میں ستّر ہزار منہ اور ہر منہ میں ستّر ہزار زبانیں اور ہر زبان سے وہ پرندہ ستّر ہزار قسم کی بولیوں میں اللہ سبّوح وقدوس کی تسبیح بیان کرتا ہے اور خداوندِ قدوس اُن تمام کی تمام تسبیحات کا ثواب اُس دُرود پڑھنے والے کے لیے لکھتا ہے۔ (دلائل الخیرات)

حضرات! آپ کے حاشیۂ ذہن میں یہ سوال بار بار گردش کر رہا ہوگا کہ کسی حدیث میں ہے کہ ایک بار دُرود پاک پڑھنے پر دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے؟ کسی حدیث میں ہے کہ ایک بار دُرود شریف پڑھنے پر ستّر نیکیوں کا ثواب ملتا ہے؟ اور کسی حدیث میں لکھا ہے کہ ایک بار دُرود پڑھنے پر ڈھیروں تسبیحات کا ثواب ملتا ہے؟ بظاہر اِن فرمودات میں تعارض اور ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے، آخر اِن احادیث کی تطبیق کی صورت کیا ہوگی؟ تو اِس کا یہ جواب دے کر مجاہد الاسلام گزر جانا چاہتا ہے کہ جتنا اخلاص زیادہ ہوتا ہے، اتنا ہی ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۝ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

اسی دلائل الخیرات شریف میں حضرت علامہ ومولانا سیدنا امام ابوعبداللہ محمد بن سلیمان جزولی نَوَّرَ اللّٰہُ مرقدہٗ رقم طراز ہیں کہ رسولِ کائنات ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ جو لوگ آپ پر غائبانہ دُرود پاک پڑھتے ہیں، یا وہ لوگ جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اور وہ لوگ آپ پر دُرود پاک پڑھیں گے تو اُن کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ رسولِ کردگار جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ اہلِ محبت کا دُرود مَیں خود سُنتا ہوں، اور اُن کے علاوہ کا دُرود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں اور رسول کائنات ﷺ پر دُرود پڑھتے ہیں، تو اُن دونوں کے جدا ہونے سے پہلے اُن کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔(الترغیب والترھیب)

حامیِ بے کساں، چارہ سازِ دردمنداں ارشاد فرماتے ہیں: جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر دُرود پڑھو ان شاءاللہ وہ چیز یاد آ جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اِنَّ الدُّعَاءَ موقوف بین السماء والارض لَایَصْعَدُ مِنْهُ شَیْءٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّکَ۔ (ترمذی۔ مشکوٰۃ ص ۸۷، جلد ۱) یعنی تمہاری دعائیں اُس وقت تک زمین اور آسمانوں کے درمیان معلق رہتی ہیں، جب تک کہ تم دُرود پاک نہ پڑھ لو۔

دُرود و سلام عبادتوں کی رجسٹری ہے۔ دُرود و سلام دعاؤں کی رجسٹری ہے۔ جس طرح بیا کا لیبل لگ جانے سے مال برباد نہیں ہوتا ہے، بلکہ منزلِ مقصود تک ضرور پہنچ جاتا ہے، اُسی طرح ہماری دعائیں، ہماری عبادتیں، ہماری نیکیاں زمین و آسمان کے درمیان نہیں رُکتی ہیں، برباد نہیں ہوتی ہیں بلکہ دُرود و سلام کی برکت سے خدا اور رسول کی بارگاہ میں مقبول ہوتی ہیں۔ یہ فرشتے خود بھی دُرود و سلام پڑھتے ہیں اور ہم غلاموں کے دُرود و سلام کو بارگاہِ رسالت میں پہنچانے کے لیے بھی مقرر ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

دُرودوں کی ڈالی سلاموں کا تحفہ وہ دیکھو فرشتے لیے جا رہے ہیں

شہد کی مکھی

حضرت مولانا جلال الدین رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "مثنوی شریف" میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرورِ کونین ﷺ شہد کی مکھی سے دریافت فرماتے ہیں، اے شہد کی مکھی! بتا! تُو شہد کیسے بناتی ہے؟ شہد کی مکھی عرض

کرتی ہے اے اللہ کے پیارے حبیب! اے ساری مخلوق کے طبیب! ہم اپنے گھر سے چلتی ہیں اور سیدھی چمن میں پہنچتی ہیں اور مختلف پھولوں کا رس چوستی ہیں۔ چاہے کوئی بھی پھول ہو، ہم ہر قسم کے پھولوں کا رس چوستی ہیں۔ پھر وہ رس اپنے منہ میں لے کر اپنے چھتوں میں آ جاتی ہیں اور اُس میں اگل دیتی ہیں، اُس کا شہد بن جاتا ہے۔ شہد کی مکھی کا جواب سُن کر اللہ کے حبیب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، ہر پھول کی بو الگ الگ ہوتی ہے، ہر پھول کا ذائقہ الگ الگ ہوتا ہے اور شہد بہت میٹھا ہوتا ہے۔ اے شہد کی مکھی! یہ تو بتا کہ شہد میں مٹھاس کہاں سے پیدا ہوتی ہے؟ مکھی عرض کرتی ہے۔

گفت چون خوانم بر احمد دُرود　　　می شود شیریں و تلخی را ربود

اے پیغمبر! ہمیں رب نے یہ سکھا دیا ہے کہ چمن سے اپنے چھتے تک آپ پر دُرود و سلام پڑھتی ہوئی آتی ہیں، شہد کی یہ لذّت و مٹھاس اُنہیں دُرود و سلام کی برکت سے ہے۔

حضرات! ہمیں پوری امید ہے کہ ہماری روکھی پھیکی عبادت میں بھی دُرود شریف کی برکت سے قبولیت کی مٹھاس ہو جائے گی۔ لہٰذا ہمیں عادت ڈالنی چاہیے کہ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، ہر گھڑی اور ہر لمحہ، دُرود و سلام پڑھتے رہیں، تاکہ نزع کے وقت بھی کلمۂ طیبہ کے ساتھ دُرود و سلام کا ترانہ ہماری زبان پر جاری رہے۔

نزع کے وقت جب میرے سانسوں میں انتشار ہو
وردِ زباں میری رہے صلی علیٰ صدا فقط

اور ایسی عادت ڈالو کہ قبر میں بھی وقتِ سوال ہمارے منہ سے دُرود و سلام ہی نکلے۔

قبر میں فرشتے جب یہ سوال پوچھیں گے
ہم دُرود پڑھ دیں گے جو ہماری عادت ہے

اور ہمارا یہ جواب سُن کر والیِ بے کساں جناب محمد رسول اللہ ﷺ خوش ہوجائیں اور مسکرا کر فرشتوں سے یہ فرمادیں۔ کسی نے اِس طرح نقاشی کی ہے، کہ

قبر میں آئیں گے فرشتے تو کہہ دیں گے سرکار میرے
کہ سونے دو آرام سے اس کو، یہ تو میرا دیوانہ ہے

اور میدانِ محشر میں بھی دُرود و سلام کی برکت سے دامنِ محبوب میں پناہ لے سکیں۔ اُستادِ زمن مولانا حسن رضا خان بریلوی فرماتے ہیں۔

ڈھونڈا ہی کریں صدرِ قیامت کے سپاہی
وہ کس کو ملے جو تیرے دامن میں چھپا ہو
دیکھا اُنہیں محشر میں تو رحمت نے پکارا
آزاد ہے جو آپ کے دامن سے بندھا ہو

ایک فرشتے کا انجام

حضرت امام غزالی علیہ رحمۃ الباری کی تصنیف لطیف "مکاشفۃ القلوب" میں یہ حدیث پاک موجود ہے کہ ایک دن مکینِ سدرہ رسولِ ہاشمی کی بارگاہ میں حاضرِ خدمت ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں، مَیں نے آسمان پر ایک ایسے فرشتے کو دیکھا، جو تخت نشیں تھا اور ستر ہزار فرشتے صف بستہ اُس کی خدمت میں حاضر تھے۔ اُس کے ایک ایک سانس سے پروردگارِ عالم ایک ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ ابھی ابھی ٹوٹے ہوئے پروں کے ساتھ کوہِ قاف میں روتے ہوئے دیکھا ہے۔ مجھے دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں سفارش کرنے کے لیے کہا، تو مَیں نے اُس سے پوچھا کہ تیرا جرم کیا ہے؟ جواب ملا کہ معراج کی رات جب سرورِ انبیاء کی سواری گزری، تو مَیں تخت پر بیٹھا رہا، اُن کی تعظیم و تکریم کے لیے کھڑا نہ ہوا، اِس لیے مجھے یہ سزا ملی ہے۔..... جبرئیل امین عرض کرتے ہیں، یارسول اللہ ﷺ میرے سفارش کرنے پر ربِ قدیر کا ارشاد ہوا کہ میرے

محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر دُرود و سلام بھیجنے کے لیے کہہ دو۔

چنانچہ جیسے ہی اُس فرشتے نے آپ کی بارگاہ میں دُرود بھیجا تو ربِ قدیر نے اُس کی اِس لغزش کو معاف کر دیا اور اُس کے نئے پَر بھی پیدا فرما دیے۔

(مکاشفۃ القلوب، ص ۱۵۲)

ہما شما کی کیا حقیقت ہے، ایک مقرب فرشتہ تعظیم مصطفیٰ کے لیے کھڑا نہیں ہوا تو اُس کا انجام کتنا بُرا ہوا۔ اب جو لوگ تعظیم مصطفیٰ کے منکر ہیں وہ لوگ اپنی بدبختی پر ماتم کریں۔ اس لیے تو اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ رسول
اُس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے

دُرود نہ پڑھنے کے وبال و وعیدات

اِسی طرح ایک شخص تھا جو بارگاہِ رسالت میں دُرود نہیں بھیجتا تھا۔ ایک رات جیسے ہی وہ شخص محوِ خواب ہوتا ہے، زیارتِ رسول سے مشرّف ہو جاتا ہے، لیکن رسولِ اعظم ﷺ اپنے رُخ کو اُس شخص کی طرف سے پھیر لیتے ہیں۔ وہ شخص گھبرا کر عرض کرتا ہے یا رسول اللہ! کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟ سرکار جواباً ارشاد فرماتے ہیں، نہیں، مَیں تم کو پہچانتا ہی نہیں ہوں۔ پھر وہ شخص کانپتے ہوئے عرض کرتا ہے، یا رسول اللہ آپ مجھے کیسے نہیں پہچانتے، حالانکہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ آپ اپنی اُمّت کے ایک ایک شخص کو اُس کی ماں سے بھی زیادہ پہچانتے ہیں۔ رسولِ کائنات ارشاد فرماتے ہیں، ہاں علماء کرام نے سچ کہا ہے، مگر تو نے مجھے دُرود پڑھ کر یاد نہیں دلایا۔ میرا جو اُمّتی مجھ پر جتنا زیادہ دُرود پڑھتا ہے، مَیں اُسے اتنا ہی زیادہ پہچانتا ہوں۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ پھر وہ شخص روزانہ سو مرتبہ دُرود و سلام پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد قسمت کا ستارہ چمک اُٹھتا ہے، دیدارِ جمال

جہاں آرا سے مشرف ہوتے ہیں، رُخِ زیبا پھرا ہوا نہیں بلکہ مدینے کا چاند سامنے موجود ہے۔ چہرۂ انور سے روشنی پھوٹ رہی ہے اور مسکرا کر ارشاد فرماتے ہیں، ائے دیوانے! مَیں اب تجھے پہچانتا ہوں اور مَیں تیری شفاعت کروں گا۔ اس لیے تو شاعرِ اہلِ سُنّت فرماتے ہیں ؎

آپ روٹھ جائیں تو زندگی قیامت ہے
زندگی سنورتی ہے آپ کے مسکرانے سے

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ تین شخص میری زیارت سے محروم رہیں گے۔ والدین کا نافرمان، میری سُنّت کا چھوڑنے والا، جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر دُرود نہ پڑھتا ہو۔ (القول البدیع)

ایک دوسری روایت میں اِس طرح ہے کہ جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر دُرود نہ پڑھے تو وہ شخص دوزخ میں جائے گا۔ ایک اور مقام پر تاجدارِ مدینہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو مجھ پر دُرود پڑھنا بھول گیا، وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔ (القول البدیع) مشکوٰۃ شریف کی حدیث پاک ہے، رسول کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، بخیل وہ شخص ہے، جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر دُرود نہ پڑھے۔

کالا زہریلا سانپ

ایک آدمی کے انتقال کے بعد جب اُس کے لیے قبر کھودی گئی، تو قبر میں بہت ہی خطرناک کالا زہریلا سانپ دکھائی دیا۔ لوگوں نے گھبرا کر وہ قبر بند کر کے دوسری قبر کھودی، وہاں بھی وہی زہریلا سانپ نظر آیا۔ اُس قبر کو بھی بند کر کے تیسری قبر کھودی گئی، وہاں بھی وہی کالا سانپ موجود تھا۔ آخر کار وہ کالا زہریلا سانپ زبانِ حال سے کہنے لگتا ہے، لوگو! تم لوگ جہاں بھی قبر کھودو گے، مجھے موجود پاؤ گے۔ اِسی حیرت و استعجاب کے عالم میں لوگ دریافت کرتے ہیں، ماجرا

کیا ہے؟ وہ کالا زہریلا سانپ غضب ناک ہوکر زبانِ حال سے جواب دیتا ہے۔ جب یہ شخص سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک سُنتا تھا تو دُرود وسلام پڑھنے میں بخیلی کرتا تھا۔ اب مَیں اِس بخیل کو سزا دیتا رہوں گا۔ (شفاء القلوب)

صلی اللہ علی النبی الامی والہ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم صلوٰۃً وّسَلٰمًا عَلَیْکَ یارسول اللّٰہ۔

صاحب دلائل الخیرات اور فیضانِ دُرود وسلام

حضرات! جب قبر کی بات آ ہی گئی تو ایک روایت اور سماعت فرمالیجیے۔ صاحب دلائل الخیرات شریف نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کے جسم مبارک کو انتقال کے ستر برس کے بعد مقام ''سوس'' سے ''مراکش'' منتقل کرنے کے لیے قبر سے باہر نکالا گیا، تو آپ کا جسم مبارک بالکل صحیح سالم تھا۔ آپ کی قبرِ انور سے مشک کی خوشبو مہکتی تھی۔ یہاں تک کہ کفن شریف بھی بوسیدہ اور پرانا نہیں ہوا تھا۔ انتقال سے پہلے آپ نے داڑھی کا خط بنوایا تھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے ابھی خط بنوا کر لیٹے ہیں۔ کسی نے امتحاناً رخسار مبارک پر اُنگلی رکھ کر دبا کر ہٹائی تو وہ جگہ سفید ہوگئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ جگہ سرخ ہوگئی، جیسے زندہ لوگوں کا ہوتا ہے۔ (مطالع المسرات)

دُرود شریف سننے والی مچھلی

یہ ہے دُرود وسلام کی برکت کہ دُرود وسلام کی تلاوت کرنے والے کے جسم کو مٹی نہیں کھا سکتی۔ سوداگر دُرود وسلام کی تلاوت کر رہا تھا اور مچھلی ادب واحترام سے سُن رہی تھی مگر جب خریدنے والے نے اُس کو پکانا چاہا تو ہزار کوششوں کے باوجود چولہے میں آگ نہیں جلی۔ جب دُرود شریف سننے سے مچھلی کو آگ سے نجات مل سکتی ہے، تو جو مسلمان روزانہ دُرود وسلام بر خیر الانام کا بصد ادب واحترام

درود کرے گا، اُس کو دنیا کی آگ تو کیا جہنم کی آگ بھی اثر نہیں کرے گی۔

دوزخ میں اُن کا چاہنے والا نہ جائے گا
کیونکہ رسولِ پاک سے دیکھا نہ جائے گا
جنت میں وہ رسول ہمارا نہ جائے گا
جب تک ہر ایک اُمتی بخشا نہ جائے گا

کثرتِ دُرودوسلام کا انعام

حضرت شیخ احمد بن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک اچھے بزرگ گذرے ہیں۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو شیراز کے کسی شخص نے خواب میں اُن کو دیکھا کہ وہ شیراز کی جامع مسجد میں کھڑے ہیں، جنتی لباس پہنے ہوئے ہیں، سر پر موتیوں والا چمک دار تاج رکھا ہوا ہے۔

پوچھنے پر بتایا کہ پروردگارِ عالَم نے مجھے بخش دیا اور جنتی لباس پہنا کر مجھے جنت میں داخل کر دیا۔ خواب دیکھنے والے پوچھتے ہیں، تجھے یہ مقام کس وجہ سے ملا؟ شیخ احمد جواب دیتے ہیں، کہ کثرتِ دُرود و سلام بر خیر الانام کی برکت سے ملا۔

اُن کا کرم تو اُن کا کرم ہے
اُن کے کرم کی بات نہ پوچھو

دُرود پڑھنے والا غنی ہو گیا

''تحفۃ الاخیار'' میں ہے کہ ایک شخص نے جب یہ حدیث پاک سُنی کہ ''جو مجھ پر روزانہ پانچ سو بار دُرود شریف پڑھے گا وہ کبھی محتاج نہ ہوگا'' تو اُس شخص نے روزانہ پانچ سو مرتبہ دُرود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ دنوں میں وہ شخص دُرود و سلام کی برکت سے خوش حال اور مال دار ہو گیا۔

اس لیے سرکارِ اعلیٰ حضرت بارگاہِ رسالت میں اس انداز سے نذرانہ دل لٹا رہے ہیں ؎

ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا
موجِ بحرِ سخاوت پہ لاکھوں سلام

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی کتاب جذب القلوب میں لکھتے ہیں، کہ ایک غریب صالح مسلمان تھا جو تین ہزار دینار کا مقروض ہوگیا تھا، قرض خواہ نے مقدمہ دائر کردیا۔ قاضی سے صرف ایک مہینے کی مہلت ملی۔ وہ غریب مسلمان پریشان ہوکر عدالت سے لوٹ آیا اور بارگاہِ خداوندی میں التجا کرنا شروع کردیا۔ اے قاضی الحاجات! میری حاجت روائی فرما۔ اے مسبب الاسباب! تو ہی میرے قرض کی ادائیگی فرما۔

بارگاہِ رسالت میں استغاثہ کرنا شروع کردیتا ہے، یَا رسول اللّٰہ اُنْظُرْ حَالَنَا، یَا حَبِیْبَ اللّٰہ اِسْمَعْ قَالَنَا اے دستگیرِ بے کساں میری دستگیری فرمایئے۔ اے چارہ سازِ دردمنداں میری رہبری فرمایئے۔ اُس نے حامیِ بے کساں کی بارگاہ میں دُرود و سلام پیش کرنا شروع کردیا۔ اب ایک ہی دُھن اور ایک ہی مشغلہ ہے۔

بیٹھے ہیں تو دُرود و سلام۔ چل رہے ہیں تو دُرود و سلام۔ سفر میں ہیں تو دُرود و سلام۔ حضر میں ہیں تو دُرود و سلام۔ صبح کر رہے ہیں تو دُرود و سلام۔ شام کر رہے ہیں تو دُرود و سلام

ایک دن گذر گیا، دو دن گذر گئے، تین دن گذر گئے، ایک ہفتہ گذر گیا، دو ہفتے گذر گئے، تین ہفتے گذر گئے، گویا کہ دل اور زبان یہی عرض کر رہے تھے ؎

تم ہو جواد و کریم تم ہو رؤف و رحیم
بھیک ہو داتا عطا تم پہ کروڑوں دُرود

چھبیس دن گذر گئے، مگر ابھی تک قرض کی ادئیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے، صرف تین یا چار دن باقی رہ گئے۔ ستائیسویں کی رات آجاتی ہے۔ بستر پر سونے کے لیے لیٹے ہیں، اور کثرت سے دُرود و سلام کا ورد کر رہے ہیں، گویا کہ زبانِ حال سے یہ شعر گنگنا رہے ہیں ؎

مَیں سو جاؤں یا مصطفےٰ کہتے کہتے
کھُلے آنکھ صلِ علیٰ کہتے کہتے

تھوڑی ہی دیر بعد آنکھ لگ گئی۔ عالمِ خواب میں کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے، تم علی بن عیسیٰ وزیر کے پاس چلے جاؤ اور اُس سے کہہ دو کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ تم مجھ غریب کا قرضہ ادا کردو۔

جب تقدیر بیدار ہوتی ہے۔ جب قسمت انگڑائی لیتی ہے۔ جب نصیبہ عروج وارتقاء پر ہوتا ہے۔ جب مقدر کا ستارہ چمک اُٹھتا ہے۔

تو کوئی نہ کوئی بہانہ تیار ہو ہی جاتا ہے، کوئی نہ کوئی سبب تیار ہو ہی جاتا ہے۔ اُس غریب کا بھی کچھ ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ خواب سے بیدار ہونے کے بعد اُس غریب کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ حکم تو ملا ہے مگر وزیر صاحب نے اگر مجھ سے ثبوت مانگا تو مَیں کیا ثبوت پیش کروں گا؟ اِسی کشمکش میں دن گذر گیا، دوسری رات آگئی۔ معمول کے مطابق وہ غریب مسلمان آج بھی بستر پر لیٹ جاتے ہیں۔ دِل میں یادِ نبی ہے، لبوں پہ جاری دُرودوں کی لڑی ہے۔ کچھ دیر بعد سر کی آنکھیں بند ہو گئیں اور دِل کی آنکھیں کھُل گئیں۔ قسمت انگڑائی لے کر اُٹھ بیٹھی، ہر طرف نور ہی نور ہے اور سامنے جلوۂ حضور ہے۔ حضور فرمار ہے ہیں تم میرے وزیر کے پاس کیوں نہیں گئے؟ عرض کرتے ہیں، یارسول اللہ! مَیں اس لیے نہیں گیا کہ اگر وزیر علی بن عیسیٰ ثبوت مانگتا تو مَیں کیا ثبوت پیش کرتا۔

مدنی تاج دار ارشاد فرماتے ہیں اگر وزیر ثبوت مانگے تو یہ کہہ دینا کہ تم

روزانہ صبح کی نماز کے بعد پانچ ہزار مرتبہ دُرود و سلام پڑھتے ہو۔ تب اُس کے بعد ہی کوئی بات یا کوئی کام کرتے ہو۔ اور تمہارا یہ دُرود و سلام پڑھنا خدائے قدیر اور کراماً کاتبین کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا ہے۔

وہ غریب صالح مسلمان خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ صبح ہوتے ہی وزیر کے پاس جاتا ہے۔ اپنا خواب بیان کر دیتا ہے۔ سرکار کی ارشاد کردہ دلیل بھی سُنا دیتا ہے۔ وہ رئیس وزیر سرکار کا پیغام سُن کر خوش ہو جاتا ہے۔ تین ہزار دینار قرض ادا کرنے کے لیے دیتا ہے۔ تین ہزار دینار مزید اخراجات کے لیے دیتا ہے۔ تین ہزار کاروبار شروع کرنے کے لیے دیتا ہے۔

وہ غریب مسلمان تین ہزار دینار لے کر فوراً قاضی کی عدالت میں پہنچ جاتا ہے۔ قرض خواہ دل ہی دل میں سوچ کر حیران ہوتا ہے۔ وہ خوش نصیب صالح مسلمان سارا ماجرا قاضی کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ قاضی سُن کر کہنے لگتا ہے سارا ثواب کیا وزیر صاحب ہی لے لیں گے۔ قرض مَیں خود ادا کر دیتا ہوں۔ جب قرض خواہ کو معلوم ہوتا ہے، تو وہ بھی کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت میں کیوں چھوڑ دوں۔ قرض خواہ نے اپنا سارا قرض معاف کر دیا۔ یہ سُن کر قاضی صاحب نے اپنی طرف سے تین ہزار دینار اُس خوش نصیب غریب کے حوالے کر دیا۔ اُس خوش نصیب نے بارہ ہزار دینار لے کر خدا کا شکر ادا کیا۔

بن مانگے میرے آقا نے جھولی کو بھر دیا　　محتاج آیا مانگنے سلطان کر دیا
خالی درِ حضور سے لوٹا کوئی نہیں　　یعنی رسولِ پاک کے جیسا کوئی نہیں

جذب القلوب میں ہے کہ ایک بزرگ محمد بن سعد کا یہ معمول تھا کہ سونے سے پہلے ایک مقررہ تعداد میں دُرود و سلام بر خیر الانام کا وِرد کرتے۔ ایک رات دُرود پڑھتے پڑھتے سو گیے، مگر قسمت بیدار ہو گئی۔ موسم معتدل تھا، رات کا سناٹا تھا، ماحول بڑا پُر سکون تھا۔ وہ بزرگ بیان فرماتے ہیں کہ اچانک میرا گھر روشن

ہو گیا۔ مشک وعنبر کی خوشبو سے فضا معطر ہو گئی۔

دیکھتا کیا ہوں کہ مختارِ کائنات تاجدار مدینہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں، دیکھ کر آنکھیں چکاچوند ہو گئیں، مسرّت وشادمانی سے دل کی دنیا بدل گئی، میرے جسم میں عجیب کیفیت پیدا ہو گئی، رحمتوں کی جھما جھم بارش ہونے لگی۔ سرکار مجھ سے فرمانے لگے، جس منہ سے تو مجھ پر دُرود وسلام پڑھا کرتا ہے، وہ منہ میرے قریب کر دے تاکہ مَیں اُس پر بوسہ دوں۔ وہ بزرگ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے شرم محسوس ہوئی کہ اپنا منہ دہنِ سرکار کے قریب کیسے کروں۔ گویا کہ اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

یعنی اگر ہزار بار اپنے منہ کو مشک وگلاب سے دھویا جائے پھر بھی آپ کا مبارک نام اِس منہ سے لینا کمالِ بے ادبی ہے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنا رخسار دہنِ سرکار کے قریب کر دیا تو آپ نے میرے رخسار پر بوسہ دیا۔ جب مَیں خواب سے بیدار ہوا تو میرا گھر مشک وغیرہ سے معطر تھا۔ میرا جسم خوشبوؤں سے مہک رہا تھا اور آٹھ دن تک میرے رخسار سے خوشبو آتی رہی۔ امامِ اہلِ سُنّت سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ۔

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

خوش نصیب عاشقِ رسول

جونا گڑھ گجرات میں ایک سنگ تراش بڑا عابد، زاہد اور عاشقِ رسول تھا۔ مدینے والے کا جاں نثار اور دیوانہ تھا۔ گویا اُس کا سینہ بے کینہ عشقِ رسول کا مدینہ

تھا۔ اُس کا مزاج مستانہ تھا کہ ہر وقت اُس کے لبوں پر دُرود و سلام کا ترانہ ہی ترانہ تھا۔ دُرود و سلام کی مشہور و معروف کتاب ''دلائل الخیرات شریف'' زبانی یاد تھی۔ اُس کا یہ معمول بن چکا تھا کہ جب بھی کوئی پتھر تراشتا دُرود و سلام بر خیر الانام پڑھتا رہتا۔ پتھر تراشنے کے دوران، دلائل الخیرات شریف کا ایک باب ضرور پڑھتا۔ حج کا مہینہ ہے، حجاج کرام کے قافلے حرمین شریفین کی زیارت کے لیے رواں دواں ہیں۔ اُس غریب سنگ تراش عاشقِ رسول نے حاجیوں کے بڑھتے ہوئے قافلوں کو دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گویا زبانِ حال سے وہ یہ کہہ رہا تھا۔

نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشک صحرا ہوں
لگا کے آگ، مدینے کا کارواں روانہ ہوا
مجھے بھی ساتھ لے لو، قافلے والو، ذرا ٹھہرو
بہت مدت سے ہے ارماں مدینے کی زیارت کا

اے کاش! اگر میرے پاس دولت ہوتی، تو حاجیوں کے ساتھ مَیں بھی حج کو جاتا۔ اے کاش! اگر مَیں صاحب استطاعت ہوتا، تو حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوتا۔ اے کاش! اگر سرکارِ مدینہ مجھے بھی بلا لیتے تو مَیں بھی مدینے کے گرد و غبار سے معطر ہوتا۔ اے کاش! مَیں بھی روضۂ انور کے سامنے کھڑے ہو کر دُرود و سلام پیش کرتا، تو کیا اچھا ہوتا۔ اے کاش! مَیں بھی سنہری جالیوں کو چومتا، تو کیا اچھا ہوتا۔

گویا کہ وہ عاشقِ رسول یہ دُعا کر رہا تھا کہ

وہ دن کرے خدا کہ مدینے کو جائیں ہم
خاکِ درِ رسول کا سرمہ لگائیں ہم
جالی پکڑ کے روضۂ اقدس کی بار بار
یہ حالِ دل رسولِ خدا کو سُنائیں ہم

ہر سُنّی مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ

دکھادے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پہ رات دن مولیٰ تیری رحمت برستی ہے

مَیں تو کہتا ہوں کہ اگر کسی خوش نصیب کو دیدارِ رسول نصیب ہوجائے تو یہ اُس کی سب سے بڑی معراج ہے۔

تیری جبکہ دید ہوگی وہی میری عید ہوگی
میرے خواب میں تم آنا مدنی مدینے والے (الیاس قادری)

خوش نصیب عاشق ایک رات جب تصورِ مدینہ کر کے دُرود و سلام پڑھتے پڑھتے سوگیا تو دل کی آنکھیں کھل گئیں۔ ہندوستان سے مدینے تک کے سارے حائل حجابات سمٹ گئے۔ سامنے مسجد نبوی ہے، شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ گنبدِ خضریٰ کی ضیابار کرنوں سے فضا منور ہورہی ہے، بڑا خوش گوار ماحول ہے، نورانی میناروں سے رحمت و انوار کی بارش ہورہی ہے مگر۔ ایک مینارِ مقدس کا ایک کنگرہ ٹوٹا ہوا ہے۔ مکی سرکار مدنی تاج دار کی پوری توجہ خوش نصیب عاشق کی طرف ہے۔ انتہائی شفقت سے فرماتے ہیں، دیوانے وہ دیکھو! اس نور بار مینار کا ایک کنگرہ ٹوٹ گیا ہے، لہٰذا تم ہمارے گھر مدینے میں آؤ اور اِس کنگرہ کو اچھی طرح بنادو۔

جیسے ہی دیوانے کی آنکھیں کھلتی ہیں، خواب سے بیدار ہوتے ہیں، تو خواب کا پورا نقشہ تخیل میں گردش کرنے لگتا ہے۔ مدینے والے کی دعوت یاد آ گئی مگر۔ یہ سوچ کر آنکھیں ڈبڈبا گئیں، کہ مَیں تو غریب ہوں،

میرے پاس سواری کا انتظام نہیں۔ میرے پاس کھانے کا سامان نہیں۔ میرے پاس مال و دولت نہیں ۔ میرے پاس حاضریِ مدینہ کے وسائل نہیں۔ ایسی مایوسی کے عالم میں خدا کی رحمت دستگیری کرتی ہے۔ ایسی نا اُمیدی

کے عالم میں مصطفیٰ کی عنایت رہبری کرتی ہے۔

دیوانے! تم وسائل کی فکر مت کرو کیونکہ تمہیں بلانے والے وہ ہیں جو تاج دار مدینہ ہیں، تم تو اُن کے مہمان ہو جو شہنشاہِ کون و مکاں ہیں، ارے تمہارے میزبان تو وہ ہیں جو قاسمِ نعمت ہیں، دیوانہ خود کو تسلی دیتے ہوئے دل ہی دل میں کہنے لگتا ہے، چاہے مصائب و آلام کا کوہِ ہمالیہ ہی کیوں نہ ٹوٹ پڑے، چاہے کتنی ہی مصیبتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے، مدینے کا بلاوا آ گیا ہے تو جانا ہی پڑے گا۔

مدینے کے مسافر مدینے چلا چل
مدینے کے رستے میں کانٹے ملیں گے

خوش نصیب عاشق کے آغازِ سفر کی کیفیت اس طرح تھی، کہ

مدینے کا سفر ہے اور میں نمدیدہ نمدیدہ
جبیں افسردہ افسردہ بدن لرزیدہ لرزیدہ

چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانب طیبہ
نظر شرمندہ شرمندہ قدم لغزیدہ لغزیدہ

غریب سنگ تراش کے پاس سوائے اشکوں کی سوغات کے معقول زادِ راہ بھی نہیں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کیا زادِ سفر پوچھو! اے قافلے والو تم
لے جاؤں گا اشکوں کی سوغات مدینے میں

چنانچہ خوش نصیب عاشقِ رسول تھوڑا سا زادِ سفر باندھ لیتا ہے، اوزار کا تھیلا اپنے کندھے پر لٹکا لیتا ہے اور سفر کا آغاز کر دیتا ہے۔ اور مدینے کی طرف گویا کہ زبانِ حال سے یہ کہتا ہوا چل پڑتا ہے ؎

کہاں کا منصب، کہاں کی دولت، قسم خدا کی ہے یہ حقیقت
جنہیں بلایا ہے مصطفیٰ نے وہی مدینے کو جا رہے ہیں

اِدھر دیوانہ جھومتا ہوا پور بندر کی طرف چلا جا رہا ہے اور اُدھر پور بندر کی بندر گاہ پر سفینۂ مدینہ تیار ہے۔ مسافر پورے ہو چکے ہیں، زائرینِ حرمین شریفین خوشی سے پھولے نہیں سمارہے ہیں۔ لنگر اُٹھا دیئے ہیں، مگر سفینۂ مدینہ ذرّہ برابر بھی ہلنے کا نام تک نہیں لیتا ہے۔ سفینۂ مدینہ میں کوئی کمی بھی نظر نہیں آتی ہے، پریشان کپتان حیران ہے۔ اتنے میں جہاز کے عملے میں سے کسی کی نظر جھومتے آتے ہوئے سنگ تراش دیوانے پر پڑتی ہے، جہاز والے سمجھے کہ شاید ایک زائرِ مدینہ باقی رہ گیا ہے۔ جہاز والوں نے دیوانے کو سوار کرلیا، کسی نے اُس سے ٹکٹ وغیرہ بھی نہیں مانگا۔ المختصر یہ کہ سنگ تراش عاشقِ مدینہ، مدینہ شریف پہنچ جاتا ہے۔ انتہائی عقیدت ومحبت اور نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ روضۂ انور کی طرف بڑھتا ہوا چلا جارہا ہے۔ حرم شریف کے کچھ خادموں کی نظر جونہی دیوانے پر پڑتی ہے، تو بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں۔ ارے یہ تو وہی خوش نصیب عاشق ہے، جس کا حلیہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دکھایا ہے۔ دیوانہ جھومتا ہوا گنبدِ خضریٰ کی طرف بڑھتا ہی چلا جارہا ہے، اور گویا زبانِ حال سے یہ شعر گنگنا رہا ہے۔

سُن سُن کے مدینے کی بہاروں کے کوائف

تصویرِ مدینہ میری آنکھوں میں بسی ہے (مجاہد)

دیوانہ اشک بار آنکھوں سے سنہری جالیوں پر حاضری دیتا ہے، اور دُرود وسلام کے پھول مزارِ رسول پر چڑھا کر اُلٹے پاؤں واپس ہوکر باہر پھر اُس جگہ پر کھڑا ہو جاتا ہے، خواب میں جو جگہ دکھائی گئی تھی۔ دیوانہ اشک بار آنکھوں کو نور بار میناروں کی طرف اُٹھاتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ واقعی ایک کنگرہ ٹوٹ گیا ہے۔

چنانچہ دیوانہ خدا کا نام لے کر دل میں یادِ نبی بسا کر لبوں پہ دُرود وسلام کی ڈالی سجا کر اپنی کمر میں رسّی بندھوا کر خدّام کی مدد سے گھٹنوں کے بل الامر فوق الادب کے تحت اوپر چڑھتا ہے اور ارشادِ رسول کے مطابق کنگرہ شریف اچھی

طرح بناتا ہے۔ جیسے ہی کنگرہ شریف کا کام مکمل ہوتا ہے اور دیوانہ نیچے آنے کا ارادہ کرتا ہے، تو دیوانے کی بے قرار روح سبز گنبد کا قرب پاکر قرار پا جاتی ہے، اور اوپر سے نیچے لوٹنے کے لیے انکار کر دیتی ہے۔ دیوانے کا جسم بے جان ہو کر نیچے آجاتا ہے اور روحِ مضطرد ہیں پر قفسِ عنصری سے نکل کر فوراً بارگاہِ رسالت مآب میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہو جاتی ہے۔

جب تیری یاد میں دنیا سے گیا ہے کوئی
جان لینے کو دلہن بن کے قضا آئی ہے

بہر حال دُرود وسلام بر خیر الانام ہی ایک ایسی چیز ہے جس کو خود خداوندِ قدوس اپنے محبوب ﷺ پر بھیجتا ہے اور ایمان والوں کو بھی حکم فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ گرامی ہے ان اللّٰہ وملٰئکتہ یصلون علی النّبی ٥ یاَیھا الّذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیمًا (ترجمہ) تحقیق اللہ اور اُس کے فرشتے دُرود بھیجتے ہیں اُس نبی پر، اے ایمان والو اُن پر دُرود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔

خدا کی رضا اور دیدارِ مصطفےٰ حاصل کرنے کے لیے دُرود وسلام سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، دعا ہے کہ پروردگارِ عالم ہم سب کو اپنے حبیب ﷺ کے دیدارِ پُرانوار سے مشرف فرمائے۔ (آمین)

اب مَیں اپنی تقریر کا اختتام اِن منظوم الفاظ کے ساتھ کرتا ہوں کہ

یا رب عطا حیات کو ایسا مقام ہو — ہر دَم مرے لبوں پہ دُرود وسلام ہو
گزرا کرے یہ صبح کہیں اے خدا مگر — حسرت ہے زندگی کی مدینے میں شام ہو

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

❖❖❖

تیسری تقریر

مقامِ بشریت مصطفٰے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى حَبِيْبِهِ الَّذِىْ اصْطَفٰى ○

امّا بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَیَّ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ ○ وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُهُ النَّبِى الكريم ○ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

سرکار اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار مدینہ ﷺ کی بارگاہِ عالیہ میں نغمہ سرا ہیں ؎

سر تا بقدم ہے تن سلطانِ زمن پھول
لب پھول دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہِ محن پھول

واللہ جو مل جائے میرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

دندان و لب و زلف و رُخ شہ کے فدائی
ہیں دُرِّ عدن لعل یمن مشکِ ختن پھول

کیا بات رضاؔ اُس چمنستانِ کرم کی
زہرہ ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

حضرات محترم! آیئے ہم سب مل کر انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ پیغمبر اعظم، فخر آدم و بنی آدم، مالک رقاب اُمم، خلیفۃ اللہ اعظم، باعث تکوین روزگار، بے قراروں کے قرار، اُمت کے غم خوار، شفیع روز شمار، افضل البشر و خیر البشر، کشورِ رسالت کے سرور، مالکِ حوضِ کوثر، محمد مصطفےٰ عربی روحی فداہ ﷺ کے دربارِ گہربار میں دُرود و سلام کا حسین گلدستہ پیش کیجیے۔ اور والہانہ انداز میں غلامی کا ثبوت دیجیے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِىِّ الاُمِّىِّ وَاٰلِهٖ صلى الله عليه وسلم صلاةً وَّسلامًا عليك يارسول اللّٰه ط

تمہید

آج کے اس پُر آشوب اور پُر فتن دور میں کتنے ایسے دشمنانِ اسلام بنام مبلغ اسلام اور مناظرِ اسلام میدان میں کود پڑے ہیں، نمائشی نماز و روزے، بناوٹی زہد و تقویٰ، اور مباحات و مستحبات کو شرک و بدعت سے تعبیر کر کے اُن سے اجتناب و گریز کے پردے میں سرورِ کونین ﷺ کو اپنے جیسا اور بڑا بھائی کہہ کر اُن سے کاندھا ملانے کی ایک سوچی سمجھی مکمل و منظم اسکیم چل رہی ہے، جو ہمہ وقت محرک و فعال رہتی ہے۔ اِس ناپاک منصوبے کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لیے جگہ جگہ اڈے بنے ہوئے ہیں، جگہ جگہ کیمپ لگے ہوئے ہیں اور غلط بیانی کے ذریعے ایمان دار طبقے پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں، اور طرح طرح کے الزامات و اعتراضات تھوپتے ہیں۔

لہٰذا آیئے آج کی اِس نشست میں اِس بات کا جائزہ لیا جائے کہ آخر بشریت کا موضوع کیوں اُٹھایا گیا؟

حضرات محترم! یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ اس کے پس پردہ یونین چلانے کے لیے بڑی دُور اندیشی سے کام لیا جارہا ہے۔ یہ ایک ایسا اساسی الیہ اور بنیادی مسئلہ ہے کہ اس سے بدعقیدگی اور گمراہی کے نہ جانے کتنے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔

چنانچہ آج جو یہ اسکیم چلائی جارہی ہے کہ رسول کردگار تو ہم جیسے ایک معمولی بشر تھے۔ رسول کی حیثیت گاؤں کے ایک زمیندار اور چودھری جیسی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جب رسول کائنات ﷺ کو اپنے جیسا مان لیا گیا تو پھر جس طرح ایک زمیندار اور چودھری کے لیے علم غیب نہیں مانا جاتا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے زندہ رہنے کا تصور نہیں کیا جاتا۔ اس کا میلاد نہیں منایا جاتا۔ ٹھیک اسی طرح اگر رسول ہاشمی کو اپنے جیسا مان لیا گیا، تو سارے کے سارے مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے۔ علم غیب مصطفےٰ، معراج جسمانی، حیات النبی، میلاد و فاتحہ، سلام و قیام وغیرہ جیسے مسائل سب خاک میں مل جائیں گے۔ پھر تو یہ حالت ہوجائے گی کہ بغیر مناظرہ و مباحثہ میلاد بند، فاتحہ بند، سلام بند، قیام بند، مزارات کی حاضری بند، تیجہ دسواں بند، بیسواں بند، چالیسواں بند، برسی بند، عرس بند۔ اس لیے تو ہم کہتے ہیں کہ جو سارے بند پر ہوتا ہے کاربند، وہی اپنے آپ کو کہلاتا ہے......الخ

سردست اِس حقیقت کا انکشاف بھی کردینا ضروری ہے، کہ جب کبھی بھی دشمنانِ مصطفےٰ اور باغیانِ مجتبیٰ نے محبوبِ کبریا کی عزت و عظمت اور شان و شوکت سے کھیلنے کی پلید کوشش کی ہے، تو ربِ ذوالجلال نے کتنے سخت سے سخت الفاظ میں اُن دریدہ دہنوں کو جواب دیا ہے اور کس قدر سخت لب و لہجے میں اُن بدبختوں کی سرزنش کی ہے۔ قران کریم بیانگِ دہل اعلان فرمارہا ہے: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ٥ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ٥ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ٥ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ٥ (سورۂ قلم) (ترجمہ) اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا

قسمیں کھانے والا ذلیل بہت طعنے دینے والا، بہت اِدھر کی اُدھر لگاتا پھرنے والا، بھلائی سے بڑا روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار، زشت خو اس سب پر طرّہ یہ کہ اُس کی اصل میں خطا۔

حضرات! اس آیتِ کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسرِ قران حضرت علامہ صدرالافاضل نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ''مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ولید بن مغیرہ نے اپنی ماں سے جا کر کہا۔ محمد مصطفیٰ ﷺ نے میرے حق میں دس باتیں فرمائی ہیں۔ نو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں موجود ہیں لیکن دسویں بات ''اصل میں خطا ہونے کی'' اِس کا حال مجھے معلوم نہیں۔ یا تو مجھے سچ سچ بتا دے ورنہ میں تیری گردن مار دوں گا۔ اِس پر اُس کی ماں نے کہا، تیرا باپ نامرد تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مرجائے گا تو اُس کا مال غیر لے جائیں گے۔ تو میں نے ایک چرواہے کو بلا لیا۔ تو اُس سے ہے۔'' (کنزالایمان)

حضرات! اسی کنزالایمان میں ہے۔ ولید نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایک جھوٹا کلمہ کہا تھا ''مجنون''۔ اُس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اُس کے دس واقعی عیوب ظاہر فرما دیئے۔...... اس سے سیّدِ عالم ﷺ کی فضیلت اور شانِ محبوبیت معلوم ہوتی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ میرے منہ سے نکلے ہوئے برملا استدلال کے طور پر ان تمہیدی جملوں سے میرے حریفوں کے کان کھڑے ہو گئے ہوں، چہرے اُتر گئے ہوں، پیشانیوں کی لکیریں اُبھر آئی ہوں، کھوپڑیوں میں بھیجے گرم ہو گئے ہوں اور دل ہی دل میں دم گھونٹ رہے ہوں کہ آج مجاہد الاسلام نماز و روزہ اور اصلاحِ معاشرہ کی تقریر کرنے کی بجائے ہمارا پول کھول رہا ہے۔ اصلاحِ عقائد پر زور لگا رہا ہے۔...... تو میں اپنے حریفوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ کوئی نیا طریقۂ استدلال نہیں ہے، بلکہ یہ اپنا بہت پرانا طریقۂ استدلال ہے۔ ہمارا یہ کوئی ذاتی طریقۂ ردّو

ابطال نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کا دیا ہوا طریقۂ ردّ و ابطال ہے۔ جیسا کہ ولید کے بارے میں سورۂ قلم میں موجود ہے۔ جو ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے سماعت فرمایا۔

حضرات! اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ حقیقتِ مصطفےٰ اور بشریتِ مجتبیٰ کیا چیز ہے؟ مگر اس کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ ہر مخلوق کی معرفت کا طریقہ الگ الگ ہے۔ جیسا کہ اہلِ علم و فن کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب کسی شئے کی کماحقہٗ پہچان کرانی مقصود ہوتی ہے۔ تو اُس کا معرِّف ایسا لاتے ہیں جو اپنے افراد کو جامع اور دخولِ غیر سے مانع ہو۔ اور جامعیت ما بہٖ الاشتراک۔ اور مانعیت ما بہ الامتیاز سے ہوتی ہے۔ اگر ما بہٖ الاشتراک نہ ہو تو معرَّف یعنی جس کی معرفت کرانی مقصود ہے، اُس کا وجود ذہن میں اغیار سے ممتاز ہو کر نہیں ہوگا۔ بلکہ ابہام باقی رہنے کی وجہ سے تعریف کا مقصد اصلی مفقود ہو کر رہ جائے گا...... جیسے منطقیوں نے ''انسان'' کی تعریف حیوانِ ناطق (حدتام) سے کی ہے۔ جس میں لفظ حیوان ما بہٖ الا شتراک کا کام کرتا ہے۔ کیونکہ حیوان کہنے سے ''انسان'' میں اسد و غنم، مور و مگس وغیرہ سبھی داخل ہو جاتے ہیں۔ جو انسان نہیں بلکہ غیر انسان ہیں۔ لہٰذا اگر انسان کی تعریف حیوان سے کی جائے اور ناطق کی قید نہ لگائی جائے تو انسان اور اسد و غنم میں امتیاز ختم ہو جائے گا...... پتہ چلا کہ انسان کی تعریف میں ناطق کی قید اس لیے لگائی جاتی ہے تاکہ ناھق وغیرہ دیگر حیوانات نکل جائیں اور انسان ممتاز ہو کر ذہن میں آ جائے۔

حضرات! خوب ذہن نشین کر لیجیے کہ مخلوق کس طرح پہچانی جاتی ہے، عام مخلوق عام نشانیوں سے پہچانی جاتی ہے، خاص مخلوق خاص نشانیوں سے پہچانی جاتی ہے۔ حیوان حیوانیت سے پہچانا جاتا ہے، انسان انسانیت سے پہچانا جاتا ہے۔ ولی ولایت سے پہچانے جاتے ہیں۔ قطب قطبیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ غوث غوثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ تابعی تابعیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ صحابی صحابیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ نبی اعجازِ نبوت سے پہچانے جاتے ہیں۔ رسول کمالاتِ رسالت

سے پہچانے جاتے ہیں۔ لیکن جب باری آئی محبوبِ کبریا کی تو محبّ نے اپنے محبوب کی پہچان نبوت سے بھی کرائی اور رسالت سے بھی کرائی۔ عبدیت سے بھی کرائی اور بشریت سے بھی کرائی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ نورِ مجسم ﷺ کو کسی نے پہچانا ہی نہیں خود رسولِ اعظم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: يَا اَبَا بَكْرٍ وَالَّذِى بَعَثَنِى بِالْحَقِّ لَمْ يَعْرِفْنِىْ حَقِيْقَةً غَيْرُ رَبِّىْ ۔ اے ابوبکر اُس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حقیقت کیا کوئی جانے تمہاری　　کہ تم نورِ خدا ہو یا بشر ہو

محمد سرِّ وحدت ہے کوئی یہ رمز کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

میرے رسول کی حقیقت نورِ الٰہی ہے، اور نورِ الٰہی کو خالق نور ہی پہچانتا ہے۔ اُمّت کے سامنے رسولِ خدا نے لباسِ بشری میں ملبوس ہو کر ظہور فرمایا۔ لہٰذا اُمّت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ رسولِ خدا کو اپنی طرح بشر اور برادر کہہ سکے...... پتہ چلا کہ اُمّتی کی حقیقت اور ہے، نبی کی حقیقت اور، اُمّتی کی بشریت اور ہے نبی کی بشریت اور...... خدا نے مصطفیٰ کو ہمارے جیسا بشر نہیں کہا بلکہ مثلِ بشر کہا ہے۔ یہی تو نبی اور اُمّتی کے درمیان فرقِ بیّن ہے...... آج کی تقریر میں آپ حضرات کو یہی سمجھنا ہے کہ ہماری بشریت اور ہے، مصطفیٰ کی بشریت اور، بشر اور ہے مثلِ بشر اور، شیر اور ہے مثلِ شیر اور، چاند اور ہے مثلِ چاند اور، پھول اور ہے مثلِ پھول اور۔

صلى الله على النبى الامى وَاٰلِهٖ صلى الله عليه وسلم صلاة وّسلامًا عليك يارسول الله ط

حضرات! آج میری تقریر کا عنوان ہے ''مقامِ بشریتِ مصطفیٰ'' اسی مناسبت سے خطبۂ مسنونہ کے بعد میں نے قرآن مجید فرقانِ حمید کے ایک جزو آیت کی تلاوت کی ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ (ترجمہ) اے محبوب! آپ فرمادیجیے کہ میں ظاہری شکل وصورت میں تم جیسا بشر ہوں، مجھے وحی کی جاتی ہے۔

ابلیس کا عقیدہ

حضرات! ساری مخلوق میں سب سے پہلے نبی کو بشر کہنے والا ابلیسِ لعین تھا۔ اُس کا بیان قرآن مجید میں موجود ہے، کہ جب رب کا حکم ہوا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا۔ ربِ کائنات نے فرمایا، ابلیس! سارے فرشتوں نے سجدہ کیا تُو نے کیوں نہیں کیا؟ تو ابلیس نے اپنے عقیدے کا اظہار اس طرح کیا، لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ میرے لیے زیبا نہیں کہ میں ایک بشر کو سجدہ کروں۔

حضرات! تعظیمِ نبی کے منکر، ابلیسِ لعین نے نبی کو بشر کہا تو اُسے جنت کے اندر سے باہر نکال دیا گیا۔ تو پھر جو لوگ سید الانبیا ﷺ کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں، وہ لوگ باہر سے اندر کیسے جاسکتے ہیں؟ اس لیے تو اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

قومِ نوح کے کافر سرداروں کا عقیدہ

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قوم کو ہدایت کی طرف بلایا تو اُن کی قوم کے کافر سرداروں نے نبی کو اس طرح بشر کہا۔ جیسا کہ قرآن مجید کے پارہ نمبر۱۲ اور رکوع نمبر۳ میں ہے: مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ۔ یعنی ہم تجھے اپنی مثل بشر دیکھتے ہیں۔

قومِ صالح کے کافروں کا عقیدہ

حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا کا خوف کرو۔ اُس کی توحید والوہیت کو مانو۔ تو اُن لوگوں نے نبی کو اس طرح بشر کہا۔ جیسا کہ قرآن کریم کے پارہ نمبر ۱۹ ارکوع نمبر ۱۲ میں ہے: مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ تم تو ہماری مثل ہی بشر ہو۔ تو کوئی نشانی لاؤ اگر تم سچے ہو۔

قومِ شعیب کے کافروں کا عقیدہ

حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، ناپ تول میں کمی نہ کرو، زمین پر فساد نہ پھیلاؤ، تو اُس قوم کے کافروں نے نبی کو اس طرح بشر کہا۔ جیسا کہ قرآن حکیم کے پارہ نمبر ۱۹، رکوع نمبر ۱۴ میں ہے: وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ یعنی تُو تو ہماری مثل ہی بشر ہے۔

قومِ عاد کے سرداروں کا عقیدہ

حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قوم کو ہدایت کی طرف بلایا اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی اطاعت وعبادت کی دعوت دی، تو اُس قوم کے سرداروں نے نبی کو اس طرح بشر کہا۔ جیسا کہ قرآن مجید کے اٹھارویں پارہ، رکوع نمبر ۳ میں ہے: مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ○ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ یہ تو تمہاری مثل ایک بشر ہے۔ یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو۔ اگر تم بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے فرماں بردار ہو گئے تو تم خسارے والے ہو جاؤ گے۔

☆☆☆

فرعون اور فرعونیوں کا عقیدہ

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کو دعوت دی تو فرعون اور فرعونیوں نے اپنے دَور کے دونوں نبی کو اس طرح بشر کہا۔ جیسا کہ قرآن کریم کہ پارہ نمبر ۱۸ اور کوع نمبر ۳ میں ہے: اَنُؤمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا۔ تو ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو بشروں پر۔

مشرکین مکہ کا عقیدہ

نبی آخرالزماں خاتم پیغمبراں ﷺ کو مکہ شریف کے مشرکین نے اس طرح بشر کہا۔ جس کا بیان قرآن مقدس کے پارہ نمبر ۱۷، رکوع نمبر ۱ میں اس طرح ہے: هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ یہ ایک بشر ہی تو ہے۔ جب میرے سرکار نے کلامِ الٰہی کی تلاوت کی تو مشرکین نے کہا تھا۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (پ ۲۹، ع ۱۵) یہ ایک بشر کا کلام ہے۔

حضرات! حضرت آدم علیہ السلام کو بشر کہنے والا ابلیس ہمیشہ کے لیے مردود و مقہور ہو گیا۔

- حضرت نوح علیہ السلام کو بشر کہنے والے پانی میں غرق کر دیے گئے۔
- حضرت صالح علیہ السلام کو بشر کہنے والے ہلاک کر دیے گئے۔
- حضرت شعیب علیہ السلام کو بشر کہنے والے تباہ و برباد کر دیے گئے۔
- حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہنے والے فرعون و فرعونیوں کو دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا۔
- حضور سید عالم نورِ مجسم ﷺ کو اپنی طرح بشر کہنے والے مشرکین دنیا و آخرت میں مردود و معذب ہو گئے۔

جبرئیل امیں کا عقیدہ

حضراتِ محترم! دربارِ رسالت میں چوبیس ہزار مرتبہ حاضر ہونے والے، فرشتوں کے سردار کا عقیدہ یہ ہے کہ قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ اَرٰی رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّد (نشر الطیب ص ۱۴) یعنی مَیں تمام مشارق و مغارب میں پھرا لیکن مَیں نے کوئی شخص محمد ﷺ سے افضل نہیں دیکھا۔

اس کی ترجمانی کرتے ہوئے سرکارِ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی مَیں نے چھان ڈالے تیرے پایے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا، تجھے حمد ہے خدایا

بدعقیدوں کا عقیدہ

خوش عقیدہ مسلمانو! یہ ہے فرشتوں کے سردار کا عقیدہ، اور اِس دور کے بدعقیدوں کے سردار نے اپنا عقیدہ اپنی کتاب میں اس طرح لکھا ہے۔ اولیاء، انبیاء، امام زادہ، پیر، شہید یعنی جتنے بھی اللہ کے بندے ہیں، سب کے سب انسان ہیں اور بندے عاجز ہیں اور ہمارے بھائی ہیں۔ مگر اللہ نے اُن کو بڑائی دی، سو وہ بڑے بھائی ہوئے اور ہم کو اُن کی فرماں برداری کا حکم ہے، ہم اُن کے چھوٹے بھائی ہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ یہ ہے اُن بدعقیدوں کے خول کے اندر کا پول۔

اہلِ سُنّت کا عقیدہ

لیکن ہم اہلِ سُنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ جیسے ساری کائنات میں دوسرا خدا نہیں،

ایسے ہی مکّی سرکار، مدَنی تاج دار، دونوں عالم کے مالک ومختار صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا کوئی دوسرا مصطفےٰ نہیں۔اسی لیے تو امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

تیرا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں، تیرا محرمِ راز ہے روحِ امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا، تیرا مثل نہیں ہے خدا کی قسم
تیرا قد تو نادرِ دہر ہے، کوئی مثل ہو تو مثال دوں
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

شانِ نزول

حضراتِ محترم! کسی بھی آیت یا سورۃ کو سمجھنے اور مقصدِ اصلی تک پہنچنے کے لیے اُس کی شانِ نزول کا سمجھنا ضروری ہے، کہ وہ کس ماحول میں نازل ہوئی اور کس مقصد کے لیے نازل ہوئی۔ تلاوت کردہ آیتِ کریمہ جس کو مَیں نے اپنا موضوعِ سخن اور عنوانِ تقریر بنایا ہے۔اُس کی شانِ نزول یہ ہے کہ مکّہ شریف کے کفّار و مشرکین رسولِ کائنات ﷺ کو دیکھ کر دور بھاگتے، کترا کر اِدھر اُدھر سے گزر جاتے، اسلام قبول کرنے کے ڈر سے قریب نہ آتے۔تو اُن لوگوں کی دل جوئی اور قریب آنے کے لیے خالقِ کائنات نے فرمایا۔اے محبوب! تم ان لوگوں سے فرمادو مَیں کسی اجنبی لباس اور اجنبی شکل وصورت میں نہیں آیا ہوں، بلکہ لباسِ بشر میں آیا ہوں۔مَیں بھی تو تم جیسا بشر ہوں، اس لیے تو اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

شکلِ بشر میں نورِ الٰہی اگر نہ ہو
کیا قدر اس خمیرۂ ما و مدر کی ہے

ایک اور علمی گوشہ

ایک اور علمی گوشہ سماعت فرمائیں۔ہر آدمی بولتا ہے "دریا بہہ رہا ہے" حالانکہ

دریا نہیں بہتا ہے، بلکہ دریا کا پانی بہتا ہے۔ حقیقت میں پانی بہتا ہے، مگر ہر کوئی کہتا ہے کہ دریا بہہ رہا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں "مجاز"۔ یہاں ظرف بول کر مظروف مراد ہے۔ دریا بول کر معنیِ مجازی یعنی پانی مُراد ہے...... اِسی طرح یہاں آیتِ کریمہ میں بشریت کا معنیِ حقیقی مراد و مقصود نہیں ہے، بلکہ معنیِ مجازی مراد و مقصود ہے۔

مقامِ بشریت

محترم حضرات! یہ آیت کریمہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نعت کا حسین گلدستہ ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ محمد ﷺ نبی ہیں۔ اور نبی وہ انسان ہوتے ہیں جو رب کی طرف سے شرعی احکام کی تبلیغ فرمانے کے لیے مبعوث کیے جاتے ہیں۔ کفار کہا کرتے تھے مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر...... الغرض یہ مسئلہ سب کو معلوم تھا، پھر اِس قدر کھلے اور واضح مسئلے کو قرآن مقدس میں اتنے اہتمام کے ساتھ کیوں بیان فرمایا جارہا ہے۔ آخر وجہ کیا ہے؟

وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزوں کو دیکھ کر اُن کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہہ دیا...... یہودیوں نے حضرت عُزیز علیہ السلام کا صرف ایک معجزہ یعنی سو برس بعد زندہ ہونے کو دیکھ کر اُن کو خدا کا بیٹا کہہ دیا...... مشرکین نے فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں مان لیا...... مگر میرے مصطفیٰ سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوتے ہوئے زمانۂ رسول کے لوگوں نے دیکھا۔ انگشتِ مبارک کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر گیا اور دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر گیا اور جب رسولِ اعظم ﷺ نے دوبارہ اشارہ کیا تو دونوں ٹکڑے مل گئے۔ آج بھی چاند کے پھٹنے کا نشان چاند میں نظر آتا ہے۔ اشارے سے ڈوبا ہوا سورج لوٹ آیا۔ حکمِ رسول پاکر بادل آکر برسا۔ حکمِ رسول سُن کر دو درخت جو دور دور تھے، آپس میں جڑ گئے۔ اُنگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے۔

اشارے سے مُردے زندہ ہو گئے۔ دستِ مصطفیٰ سے کنکریوں نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ بے جان لکڑی اُستن حنانہ آپ کے فراق میں بلبلا کر رو پڑا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنکھیں عطا فرما دیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدس پیر سے سانپ کا زہر دور فرما دیا۔ ایک اور صحابی کی بینائی سانپ کے انڈے پر پیر پڑنے کی وجہ سے چلی گئی، اُسے واپس فرما دیا۔ کھاری پانی کو شیریں کر دیا۔ میرے سرکار، سر کے بال سے لے کر پاؤں کے ناخن تک سراپا معجزہ ہی معجزہ تھے۔ الغرض میرے سرکار سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوا...... تو ایسے میں خدشہ تھا کہ کہیں لوگ رسولِ خدا کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہنے لگیں۔ اس لیے میرے سرکار نے اپنی ہر ایک ادا سے اپنی بندگی کو ظاہر فرما دیا اور کلمے میں پڑھوایا: عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ یعنی اپنی عبدیت اور رسالت دونوں کا اظہار فرمایا۔ اور قران کریم نے بھی اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا اعلان فرمایا۔ ربِ کائنات نے فرمایا۔ پیارے حقیقت نہ سہی، بطور مجاز ہی کہہ دو کہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ تا کہ اس اعلان کے بعد کسی کی زبان نہ بہک سکے، اور گمراہی کا اندیشہ ختم ہو جائے۔

رب نے جلوہ بندوں کو اس طرح دکھایا ہے
مصطفیٰ کے چہرے کو آئینہ بنایا ہے

حضرات! سطحِ ذہن پر یہ سوال بار بار گردش کر رہا ہوگا کہ مدنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر وغیرہ خطاب عامہ سے پکارنا کیسا ہے؟ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ محبوبِ کبریا کی جلوہ گری انسانوں میں ہوئی مگر اُن کو بشر یا بھائی، انسان یا آدمی کہہ کر پکارنا شرعاً حرام ہے۔ اور توہین و تنقیص کی نیت سے کہنے والا عندالشرع کافر ہو جاتا ہے۔ قران مجید میں ہے وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے

ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کی کلمہ قُــلْ سے ابتدا فرمائی۔ یعنی اے حبیب کردگار! آپ انکسار و تواضع کے طور پر فرما دیں کہ مَیں تم جیسا بشر ہوں، نہ تو ہم آپ کو بشر کے خطاب سے پکاریں گے اور نہ ہی کسی فردِ بشر کو بشر کہہ کر پکارنے کی اجازت دیں گے۔

جس طرح کسی بڑے آفیسر، جج، کلکٹر وغیرہ کو او آدمی، او بھائی کہہ کر پکارنے والا مجرم ہے۔ اسی طرح رسول کو خطابِ عامہ سے پکارنے والا بے دین ہے۔

جس طرح ماں کو باپ کی بیوی کہنے والا، اور باپ کو بھائی یا او انسان کہنے والا گستاخ اور بے ادب سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کو اِن القاب سے پکارنے والا گستاخ اور بے ادب ہے۔

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جوہر اور انسان میں تو پانچ درجے کا فرق ہے۔ کہ انسان کے اوپر حیوان، اس پر جسم نامی، اس پر جسم مطلق، اس پر جوہر۔ مگر بشر اور حضور سید عالم ﷺ میں ستائیس درجے کا فرق ہے۔ یعنی بشریت سے مصطفویت ۲۷ درجہ بلند و بالا ہے۔ جس کے بعد صرف الوہیت ہی کا درجہ ہے..... معلوم ہوا ہماری بشریت اور ہے، اور مصطفیٰ کی بشریت اور ہے۔

محبوبِ خدا کا کوئی ہم پایہ نہیں ہے
اس شان کا دنیا میں کوئی آیا نہیں ہے
وہ سمجھ نہ پائیں گے مصطفیٰ کی عظمت کو
جس کا ماتھا کالا ہے اور دل بھی کالا ہے

ہمارا وجود ایک ہے لیکن اُس کے تین نام ہیں، آدمی، انسان، بشر۔ لفظ آدمی بولنے سے ہمارے سلسلۂ نسب کا علم ہوتا ہے یعنی ہم آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اس لیے ہم اپنے کو آدمی کہتے اور بولتے ہیں..... اور لفظ انسان بولنے سے ہماری

حقیقت کا علم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لفظ حقیقتِ انسانی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ منطقی لوگ چیزوں کی حقیقتوں سے بحث کرتے ہیں۔ منطق کی کسی بھی کتاب کو اُٹھا کر دیکھ لیجیے۔ ہر جگہ منطقی یہی سوال کرتا ہے: ما ھو الانسان۔ انسان کیا ہے؟..... منطقی کہیں بھی یہ سوال نہیں کرتا ہے: ما ھو الأدمی۔ آدمی کیا ہے؟..... ما ھو البشر۔ بشر کیا ہے؟..... آخر ایسا کیوں؟

اس لیے کہ آدمی کی دلالت نسبت پر ہے، اور بشر کی دلالت بشرہ یعنی شکل و صورت پر ہے۔ اور یہاں منطقیوں کو انسانی حقیقت بتانی مقصود ہے۔ نہ کہ نسبت اور شکل و صورت...... اگر قرآن کریم میں لفظ ''بشر'' کی جگہ لفظ ''آدمی'' ہوتا۔ تو اِس کا مطلب یہ ہوتا کہ جیسے تم اولادِ آدم ہو ویسے ہم بھی اولادِ آدم ہیں...... اور اگر قرآن مجید میں لفظ ''بشر'' کی جگہ لفظ ''انسان'' ہوتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ جو تمہاری حقیقت ہے وہی میری حقیقت ہے۔ حالانکہ قرآن کریم آدمیت وانسانیت سے مماثلت ومشابہت نہیں دے رہا ہے۔ بلکہ ظاہری شکل وصورت اور ناک نقشے میں مماثلت ومشابہت دے رہا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ۔اے محبوب آپ فرما دیجیے کہ مَیں ظاہری شکل وصورت میں تم جیسا ہوں۔

بشر اور مثلِ بشر کا فرق

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ۔یعنی اے پیارے! آپ کہہ دیجیے کہ مَیں ظاہری شکل وصورت میں تم سے ملتا جلتا بشر ہوں۔ ربِ کریم اپنے محبوب سے یہ ہرگز نہیں کہلا رہا ہے، کہ جو تم ہو وہی مَیں بھی ہوں۔ بلکہ قرآن صاحبِ قرآن سے یہ کہلا رہا ہے: اے رسول! آپ فرما دیجیے کہ اے لوگو! اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ یعنی ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں لیکن مجھے وحی کی جاتی ہے۔

☆☆☆

ایک شبہ کا ازالہ

حضرات! "یُوْحٰی اِلَیَّ" نے اس شبہ کو دور کر دیا جو مِثْلُکُمْ سے پیدا ہوتا تھا۔ شاید کوئی کہہ دیتا کہ حبیبِ خدا ہر وصف میں ہم جیسے ہیں...... فرمایا گیا ہرگز نہیں۔ اے لوگو! اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ سے دھوکہ نہ کھانا، ذرا آگے بھی پڑھ لینا۔ "یُوْحٰی اِلَیَّ" میرے پاس وحیِ الٰہی آتی ہے۔ مَیں صاحبِ وحی ہوں، تم اِس سے بالکل خالی ہو۔ مَیں رسولِ اعظم ہوں، تم اُمّتِ مَنْ اور اولادِ آدم ہو۔ مَیں خیر البشر ہوں تم خالص بشر ہو، مَیں شفیع الامم ہوں تم خیر الامم ہو، مَیں جانِ ایمان ہوں، تم مومن ہو۔ مَیں روحِ اسلام ہوں تم مسلمان ہو۔ مَیں صاحبِ شریعت ہوں تم مکلّفِ شریعت ہو۔ مَیں نافذِ شریعت ہوں تم محکومِ شریعت ہو۔ مَیں اصل ہوں تم فرع ہو...... یُوْحٰی اِلَیَّ کے وصف نے نبی اور اُمّتی میں ایسا فرق کر دیا جیسا کہ ناطق کی قید نے انسان اور غیر انسان میں امتیاز پیدا کر دیا۔ واضح ہو گیا کہ نبی اور اُمّتی میں بڑا فرق ہے۔ نبی کی بشریت اور ہے، اور اُمّت کی بشریت اور ہے۔

ہزاروں جبرئیل اُلجھے ہوئے ہیں گردِ منزل میں
نہ جانیں کس قدر اونچا ہے کاشانہ محمد کا

صلی اللّٰہ علی النبی الامی والہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیک یارسول اللّٰہ

بانیِ اسلام اور شرعی احکام

حضرات! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُمّتِ محمدیہ میں داخل ہونے کی تمنا کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُمّتِ محمدیہ میں شامل ہونے کی خواہش کی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کسی نبی اور رسول نے بھی حضور ﷺ کو

اپنی طرح نہیں سمجھا، مگر اِس دورِ حاضر میں خالص توحید کے پجاریوں کی حماقت و بوالعجبی کا یہ حال ہے کہ جن کا کلمہ پڑھ رہے ہیں، اُن ہی کے کاندھے سے کاندھا ملانے کی کوشش کررہے ہیں۔ اور بوکھلاہٹ کا یہ عالم کہ اپنے اعمالِ فاسدہ کا نبی کے اعمالِ مقدسہ سے موازنہ کررہے ہیں...... مَیں اپنے اُن حریفوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے دارالافتاء میں اِن شرعی مسائل کے کیا حل اور جواب ہیں؟ غیر جانب دارانہ طور پر مطالعہ کر کے نگاہِ انصاف سے دیکھ لیجیے کہ شرعی مسائل میں بھی نبی اور اُمّت کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے۔

- اُمّتی کا ایمان، ایمان بالغیب ہے اور نبی کا ایمان، ایمان بالشہادہ ہے۔
- اُمّتی سو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نبی سو جائیں تو وضو برقرار رہتا ہے۔
- اُمّتی بیٹھ کر نماز پڑھے تو ثواب آدھا ہے اور نبی بیٹھ کر نماز پڑھیں تو بھی ثواب پورا ہے۔
- اُمّتی پر صرف پانچ وقت کی نماز فرض ہے اور نبی پر پانچ کے علاوہ تہجد کی نماز بھی فرض تھی۔
- اُمّتی پر بشرطِ استطاعت زکوٰۃ فرض اور نبی پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں۔
- اُمّتی محکومِ شریعت اور مکلّف شریعت ہے اور نبی بانی شریعت اور نافذِ شریعت ہیں۔
- اُمّتی کا کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے اور نبی کا کلمہ اس کے علاوہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔

ہم جو کھاتے پیتے ہیں اُس سے فضلہ وغیرہ ناپاک چیزیں بنتی ہیں اور میرے مصطفیٰ جو کھاتے ہیں اُس سے نورِ الٰہی ہوتا ہے۔

ہم قانونِ شریعت کے پابند مگر قانونِ الٰہی جنبشِ مصطفیٰ کا منتظر، جسے حلال فرمادیں وہ حلال ہے، جسے حرام فرمادیں وہ حرام ہے۔

- اُمت کے لیے بیک وقت صرف چار بیوی رکھنے کی اجازت ہے، لیکن رسولا

محترم پر کوئی قید نہیں، جس قدر چاہیں رکھیں۔

- اُمتی کے انتقال کے بعد بعدِ عدّت بیوہ عورت شادی کر سکتی ہے، لیکن ازواجِ مطہرات، اُمت کی مائیں ہیں، کسی سے نکاح کی اجازت نہیں۔
- اُمت کے وصال کے بعد اُس کی میراث تقسیم ہوتی ہے، لیکن پیغمبر اعظم کے پردہ فرمانے کے بعد اُن کی میراث کی تقسیم نہیں ہوتی۔
- امام الاولیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حالتِ جنابت میں مسجد میں جانا مباح فرمادیا، جبکہ اَوروں کے لیے ناجائز و حرام ہے۔
- سراقہ بن مالک کو آپ کی اجازت سے سونے کا کنگن پہنایا گیا، جبکہ افرادِ اُمت کے مَردوں کے لیے حرام ہے۔
- براء بن عازب کے لیے سونے کی انگوٹھی جائز رکھی جبکہ ہر مسلمان مَرد کے لیے ناجائز اور حرام ہے۔
- حضرت خزیمہ بن ثابت کی تنہا شہادت دو گواہوں کے برابر مانی جاتی تھی جبکہ شریعت میں ایک آدمی کی گواہی غیر معتبر ہے۔
- حضرت ابو بردہ کے لیے بکری کے چھ ماہی بچے کی قربانی کو رَوا فرمادیا، حالانکہ سال بھر سے کم عمر بکری کی قربانی جائز نہیں۔
- ایک اور صحابی کے لیے جوانی کے عالم میں بیوی کا دودھ پینا حلال فرما کر حرمتِ رضاعت کا حکم صادر فرمادیا، حالانکہ شرعی مسئلہ ایسا نہیں ہے۔
- ایک اور صحابی کے لیے روزے کا کفارہ خود اُنہیں کو کھالینا جائز فرمادیا، حالانکہ شریعت دوسرے کو دینے کا حکم دیتی ہے۔
- دو صحابی کے لیے ریشمی کپڑے کا پہننا رَوا فرمادیا، حالانکہ مَردوں کے لیے ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے۔

بہر کیف! اِن دلائل و شواہد کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ہماری شرعی حیثیت اور

ہے اور مصطفیٰ کی شرعی حیثیت اور ہے۔ ہماری بشریت اور ہے اور مصطفیٰ کی بشریت اور ہے۔

ایک اہم گوشہ

اس سلسلے کا ایک اور اہم گوشہ آپ کے گوشِ گزار کر دینا چاہتا ہوں تا کہ مزید اور وضاحت ہو جائے۔ وہ یہ ہے کہ قران مجید کی اس آیتِ کریمہ میں ربِ کریم نے اپنے حبیب کو بشر سے تشبیہ دی ہے، اور تشبیہ کے لیے تین چیزوں کا ہونا درکار ہے۔

(۱) مُشَبَّہ (۲) مُشَبَّہ بِہٖ (۳) وَجْہِ شِبَہ

جسے تشبیہ دی جائے اسے مُشَبَّہ کہتے ہیں۔ جس چیز سے تشبیہ دی جائے اُسے مُشَبَّہ بِہٖ کہتے ہیں اور جس کی وجہ سے تشبیہ دی جائے اُسے وَجْہِ شِبَہ کہتے ہیں۔

جیسے کسی نے کہا کہ زید شیر ہے یعنی زید کو شیر سے تشبیہ دی گئی۔ تو زید کو مُشَبَّہ، شیر کو مَشَبَّہ بِہٖ اور شجاعت و بہادری کو وَجْہِ شِبَہ کہیں گے۔ زید کو شیر اس لیے نہیں کہا گیا کہ وہ شیر کی طرح چنگل اور لمبے ناخنوں والا ہے۔ چار ٹانگ اور لمبی پونچھ والا ہے۔ دھاڑیں مارنے والا اور پھاڑ کھانے والا ہے۔ بلکہ شجاعت و بہادری اور ہمت و جرأت کی بنیاد پر اُسے شیر کہا گیا۔

حضرات! یہ مثال تو عوام میں بھی مشہور ہے کہ "فلاں کا چہرہ چاند کی طرح ہے" چہرہ مشبّہ، چاند مشبّہ بہٖ اور حُسن کو وجہِ شبہ کہیں گے۔

ٹھیک اسی طرح طیبہ کے چاند کو بشر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی مسعود بطحا کا چاند مشبّہ ہے، بشر مشبّہ بہٖ اور بشریت وجہِ شبہ۔

ماہر۔ینِ فن اس بات کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ وجہ شبہ کی اصلیت مشبہ بہٖ میں پائی جاتی ہے اور اس کی کوئی جھلک مشبّہ میں بھی پائی جاتی ہے۔

شجاعت و بہادری کی اصلیت پہلے زید میں نہیں بلکہ اس کی اصل شیر میں ہے۔

زید میں اس کی ایک جھلک آ گئی ہے۔اسی بنیاد پر تشبیہ دے دی گئی کہ زید شیر ہے۔

اسی طرح چہرے کو چاند جیسا کہا گیا۔تو اصل حُسن چہرے میں نہیں ہے بلکہ چاند میں ہے۔ہاں چہرے میں حُسن کی ایک جھلک آ گئی ہے.....خوب ذہن نشین کر لیجیے کہ وجہِ شبہ کی اصلیت مشبہ میں نہیں بلکہ مشبہ بہ میں پائی جاتی ہے.....اور یہ آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مدَنی تاج دار مشبّہ ہیں،بشر مشبہ بہ ہے اور بشریت وجہِ شبہ ہے.....تو نتیجہ کھل کر سامنے آ گیا کہ بشریت کی اصل سرورِ کائنات ﷺ میں نہیں بلکہ ہم میں پائی جاتی ہے۔ہم انسانوں میں پائی جاتی ہے۔میرے سرکار میں بس چہرے مہرے کی جھلک آ گئی ہے۔

لہٰذا ہم ایسے بشر ہیں کہ بشریت کے تمام لوازمات ہمارے ساتھ ہیں۔اس لیے ہمارے پسینے میں بدبو ہوتی ہے۔ہمارے جسم پر مکھی بیٹھتی ہے۔ہمیں غفلت کی نیند آتی ہے۔ہمیں جماہی آتی ہے۔ہمارے جسم کا سایہ ہوتا ہے۔مگر میرے مصطفیٰ ایسے بشر ہیں کہ اُن کے جسمِ منوّر پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔اُنہیں غفلت کی نیند نہیں آتی تھی۔اُنہیں جماہی نہیں آتی تھی۔اُن کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔اس لیے تو ہم کہتے ہیں،اُمتی کا جسم اور ہے،نبی کا جسم اور ہے۔اس لیے تو کسی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

عقل سب کی حیراں ہے دیکھ کر شبہ دیں کو
یہ بشر تو ہیں لیکن کیوں نہ اِن کا سایہ ہے

جسمِ منور بے سایہ

ہے کوئی ایسا جسم جس کا سایہ نہ ہو؟ اگر ہے تو میرے سرکار کا جسمِ منوّر ہے جس کا کوئی سایہ نہیں۔ایک طرف جسمِ بے سایہ اور ایک طرف جسمِ سایہ دار، دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں......اس سلسلے کی احادیث کتابوں میں بکثرت موجود

ہیں۔ بطور نمونہ صرف ایک حدیث پاک سماعت فرمالیجیے: لَمْ یَکُنْ یُریٰ لَہٗ ظِلٌّ لَا فِی الشَّمْسِ وَلَا فِی الْقَمَرِ یعنی نورِ مجسم ﷺ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ نہ چاند کی چاندنی میں اور نہ سورج کی تابانی میں ...... اور ہوتا بھی کیسے۔ کیونکہ میرے مصطفیٰ کی حقیقت ہے "قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْر" اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس لیے تو سرکار اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں۔

تُو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا اور نہ سایہ نور کا

البتہ چاند وسورج اور آفتابِ رسالت کے نور ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ میرے مصطفیٰ آقا اور مخدوم ہونے کی حیثیت سے نور ہیں۔ اور شمس وقمر غلام اور خادم ہونے کی حیثیت سے نور ہیں۔ سورج آسمانِ دنیا کا چراغ ہے تو میرے مصطفیٰ ایمان وایقان کے چراغ ہیں...... معلوم ہوا کہ اُمتی کا جسم اور ہے نبی کا جسم اور، اُمتی کی بشریت اور ہے نبی کی بشریت اور۔

حضراتِ گرامی! خالص توحید کے پجاریوں اور دین کے ٹھیکے داروں کا کہنا ہے کہ ہم بھی بشر وہ بھی بشر، پھر ہمارا اُن کا فرق کیسا؟

حضرات! اس زہر آلود اور خود ساختہ ضابطے کی روشنی میں آپ سے ایک عام فہم سوال کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کا درجہ برابر ہے یا نہیں؟ اُستاذ و شاگرد کا مرتبہ برابر ہے یا نہیں؟

یقیناً آپ کا جواب یہی ہوگا کہ باپ اور بیٹے کا درجہ ہرگز برابر نہیں ہوسکتا۔ اُستاذ اور شاگرد کا درجہ ہرگز برابر ہو نہیں سکتا۔ تو پھر مجھے کہہ لینے دیجیے کہ جب بیٹا باپ کے برابر نہیں ہوسکتا، شاگرد اُستاذ کے برابر ہو نہیں سکتا۔ حالانکہ اِن سب کی حقیقت ایک ہی ہے۔ تو پھر اُمتی نبی کے برابر کیسے ہوسکتا ہے۔

ہندی، انگریزی وغیرہ کا لکھا ہوا کاغذ مطالعہ کے بعد ردّی کی ٹوکری میں

پھینک دیا جاتا ہے۔ لیکن آیۃ الکرسی والے کاغذ کا ٹکڑا روزانہ تلاوت کے بعد چوما جاتا ہے اور ادب و احترام کے ساتھ محفوظ اور پاک و صاف جگہ میں رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں کاغذ کی حقیقت ایک ہی ہے۔

اسی طرح ایک وہ کاغذ جس میں نمکین اور مٹھائی کھانے کے بعد اُسے پھینک دیا جاتا ہے، نالیوں میں بہادیا جاتا ہے، سڑک پر ڈال دیا جاتا ہے، پاؤں سے روند دیا جاتا ہے......اور ایک وہ بھی تو کاغذ ہی ہے جسے آپ نوٹ اور روپیہ کہتے ہیں۔ جس کو آپ الماریوں اور تجوریوں میں حفاظت کے ساتھ رکھتے ہیں......یقیناً دونوں کاغذ کی حقیقت ایک ہی تو ہے۔ بلاشبہ دونوں کاغذ اور پیپر ہی تو ہیں۔ کاغذ کاغذ برابر، پیپر پیپر برابر، بشر بشر برابر......لہٰذا اگر برابری کا دعویٰ کرنے والے ان نادانوں سے کہا جائے کہ نالی اور سڑک والا کاغذ اپنی جیب اور اپنی تجوریوں میں رکھ لیجیے۔ اور جیب و تجوری والا کاغذ گندی نالیوں میں پھینک دیجیے۔ کیوں۔ اس لیے کہ دونوں کاغذ ہی تو ہیں......تو ماتھے کا پسینہ پوچھتے ہوئے یہی کہیں گے کہ نوٹ والا کاغذ ایسا کاغذ ہے کہ جس پر ریزرو بینک آف انڈیا کی مہر لگی ہوئی ہے اور نالیوں والا کاغذ ایسا کاغذ ہے جو ریزرو بینک آف انڈیا کی مہر سے بالکل خالی ہے۔

تو اب مجاہد الاسلام کو فخر کے ساتھ کہہ لینے دیجیے کہ نوٹ پر اگر ریزرو بینک، آف انڈیا نے اپنی مہر لگائی ہے۔ تو کیا خالقِ کائنات نے میرے آقا و مولیٰ سرورِ کونین ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت نہیں لگائی ہے۔

لہٰذا جس نوٹ پر ریزرو بینک آف انڈیا نے مہر لگائی ہے، اُسے دنیا کی تجوری میں رکھا جاتا ہے، اور جس پر ربِ کائنات نے مہر لگائی ہے، اُسے دل کی تجوری میں رکھا جاتا ہے۔ جس پر ریزرو بینک آف انڈیا کی مہر لگی ہے، اُس سے دنیا کی دولت و ثروت خریدی جاتی ہے، اور جن پر خود خدا نے مہرِ نبوت لگائی ہے۔ اُن سے حوضِ کوثر کا پانی ملے گا۔ اُن سے حور و غلمان ملیں گے۔ اُن سے جنت کے باغ و بہار ملیں گے۔

اِطلاق بشر اور ہے اور اس کو رواج دینا اور

حضرات! اِطلاق اور رواج میں بہت بڑا فرق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مقامِ استفسار میں اطلاقِ بشر اور ہے، اور آئے دن روز مرّہ کی بول چال اور تقریر و تحریر میں مروّج و مستعمل کرنا اور ہے۔ اِطلاق اور رواج میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گویا اِطلاقِ بشر ایک وقتی ضرورت پورا کرنے کا نام ہے۔ اور غیر محل پر اسے رواج دینا تنقیص و توہین ہونے کا سبب ہے۔ اِس لیے اگر حق کو بے محل بولا جائے تو اُسے حق نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ بسا اوقات کفر ہو جاتا ہے...... آج ہمارے ملک میں کچھ ایسے بھی نام نہاد، بدنہاد مبلغِ اسلام اور امیر بے لگام لوگ موجود ہیں، جن کا یہی کہنا ہے کہ جب رسول اللہ نوعِ بشر تھے، تو ہم بشر کو بشر نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟ ہم دن کو دن، رات کو رات اور بشر کو بشر کہیں گے۔

اگر سچ بولنے اور حق کھولنے کی اس طرح بیماری ہو گئی ہے۔ تو سر پر دوپٹہ ڈال کر نہیں بلکہ دماغ کا دریچہ کھول کر مجاہد الاسلام کے ایک سوال کا جوب دیجیے اور ہر کوئی مجھے بتائے کہ ساری چیزوں کا پیدا کرنے والا کون ہے؟...... سب کا جواب یہی ہوگا کہ ساری کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ گویا زمین و آسمان، چاند و سورج، عرش و کرسی، لوح و قلم، جنت و دوزخ، چرند اور پرند، دشت و جبل، شجر و حجر، برگ و ثمر، بحر و بر غرض یہ کہ سب کا خالق و مالک اللہ ہے۔ یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ اور روشن حقیقت ہے کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ لیکن ایک خبیث طبیعت اور دیو صفت انسان "مقامِ حمد" میں کہتا ہے، ارے وہی اللہ جو خالقِ خنزیر ہے۔ جو سوّر کا پیدا کرنے والا ہے...... بظاہر وہ حق بول رہا ہے مگر وہ جملہ کلمۂ کفر ہے۔ ارے شیطان! صفتِ خالقیت کے بیان کے لیے ساری صفاتِ کمالیہ کو چھوڑ کر تجھے صرف سوّر کا چہرہ نظر آیا۔ آخر شب و روز اور اُن کی انقلابی انگڑائیاں، شام و سحر اور اُن کی

جلوہ پاشیاں، آب وہوا اور اُن کی تبدیلیاں، جبل وفلک اور اُن کی سربلندیاں، قوس وقزح اور اُن کی رعنائیاں، کوئل کی کوک اور بلبلوں کی نغمہ سرائیاں، جگنو کی دمک، ستاروں کی چمک، پانی کی خنک، بادلوں کی گرج، شاخوں کی لچک، تتلیوں کی لپک، کلیوں کی چٹک، پھولوں کی مہک، آبشاروں کا ترنّم، لالہ زاروں کا تبسّم، چاند کی چاندنی، سورج کی تابانی، سمندر کی سیلانی، موجوں کی طغیانی۔ اس قدر بے شمار مناظرِ فطرت اور بے انتہا مظاہرِ قدرت میں تجھے خالق کی خالقیت کا جلوہ نظر نہ آیا۔ اگر نظر آیا تو بس سؤر کا چہرہ نظر آیا۔ (معاذ اللہ رب العلمین)

حضرات! اس پیچیدہ سوال کا سنجیدہ جواب یہ ہے کہ بے شک خداوند قدوس خالقِ خنزیر ہے۔ لیکن ''مقامِ حمد'' میں کسی منحوس کا یہ کہنا کہ کیا وہی اللہ جو خالقِ خنزیر ہے؟ اندازِ تکلّم بتارہا ہے، جملے کا تیور بول رہا ہے کہ یہاں اللہ کی تعریف مقصود نہیں ہے۔ بلکہ تنقیصِ الوہیت کا ارادہ ہے۔ اس لیے علماء فقہہ کا فتویٰ ہے کہ یہ کلمۂ کفر ہے۔ لہٰذا ایسا کہنے والا شریعت کی نظر میں کافر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اب مجاہد الاسلام کو کہہ لینے دیجیے کہ بلاشبہ حضور ﷺ کے بے شمار القاب وخطابات کے ہوتے ہوئے، روز مرّہ کی بول چال اور تقریر وتحریر میں جگہ جگہ عوام وخواص کے سامنے اس طرح بشر بشر کہنے والا حق نہیں بول رہا ہے، بلکہ شانِ رسالت کی تنقیص کر رہا ہے، اور یہ مسئلہ تو سب کو معلوم ہے، اور اُن لوگوں کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والا مسلمان نہیں بلکہ کافر وشیطان ہے۔

جن لوگوں کو اس طرح حق بولنے کا ڈائیریا اور 'اپنی طرح' کہنے کا ہیریا ہو گیا ہے۔ اُن لوگوں کا کہنا ہے کہ محمد ﷺ ہمارے چہرے مہرے میں ہیں، اس لیے ہم اُن کو 'اپنے جیسا' کہیں گے۔

حضرات! اُن لوگوں کی دلیل کی روشنی میں آپ لوگوں سے مَیں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ کے سماج میں کوئی ڈاکٹر ہے یا نہیں؟ جواب: جی ہاں ڈاکٹر ہے......

خدا نہ کرے آپ لوگوں میں سے کوئی شخص اگر جسمانی طور پر بیمار ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس جا کر اُسے ڈاکٹر نہ کہے۔ اس لیے کہ وہ بھی تو دو آنکھ والا ہے، ناک والا ہے، دو کان والا ہے، دو ٹانگ والا ہے۔ آپ ہی کی طرح شکل وصورت والا ہے۔ لہٰذا اُسے ڈاکٹر کہنے کی بجائے یہ کہیے۔ اے میرے ہی جیسے انسان! میں بیمار ہوں میرا علاج کیجیے...... تو ڈاکٹر صاحب آپ کو گنوار سمجھ کر اپنے غصے پر کنٹرول کرتے ہوئے علاج شروع کر دے تو یہ اُس کی مہربانی ہوگی۔ ورنہ وہ یہی کہے گا کہ ڈسپنسری خالی کر دیجیے۔ اگر ہندوستان میں رہنا ہے تو رانچی یا آگرہ کے پاگل خانے میں چلے جائیے۔ اور اگر نہیں رہنا ہے تو سیدھے قبرستان چلے جائیے۔

مجاہد الاسلام آپ سے پوچھنا چاہتا ہے کہ آپ نے ڈاکٹر صاحب سے کون سی گستاخی اور بدتمیزی کی کہ وہ آپ کو پاگل خانے اور قبرستان بھیج رہا ہے۔ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ ایک ڈاکٹر سے علاج اس بنیاد پر نہیں کیا جاتا ہے کہ وہ دو آنکھ والا اور دو کان والا ہے۔ دو ہاتھ والا اور دو ٹانگ والا ہے۔ مستقیم القامہ اور بادی البشر ہے۔ حیوانِ ناطق اور عریض الاظفار ہے۔ ہمارے ہی جیسے چہرے مہرے اور بشرے والا ہے...... اگر اِن ہی بنیادوں پر علاج کرانا ہے تو کسی ایرے غیرے نتھو خیرے سے کرا لیجیے۔ انجکشن لگوا لیجیے۔ حالانکہ ایسا نہیں کرتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ڈاکٹر صاحب سے محض اس لیے علاج نہیں کراتے کہ وہ ہماری ہی طرح شکل وصورت اور ناک نقشے والا ہے، بلکہ اس بنیاد پر علاج کراتے ہیں کہ اُس کے پاس ڈپلومہ اور ڈگری ہے۔ جن لوگوں کو تم نے پڑھا لکھا کر یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کرائی۔ کسی کو ڈاکٹر بنایا، کسی کو ماسٹر بنایا، کسی کو وکیل بنایا، کسی کو جج بنایا۔ اُنہیں تم اپنے جیسا بشر اور آدمی کہہ کر نہیں پکارتے۔ جج کو جج صاحب کہتے ہو، وکیل کو وکیل صاحب کہتے ہو، ماسٹر کو ماسٹر صاحب کہتے ہو، ڈاکٹر کو ڈاکٹر صاحب کہتے ہو۔ حالانکہ یہ سب لوگ تمہارے ہی جیسے ناک نقشے اور چہرے مہرے والے

ہیں۔اور جس پیغمبر اعظم کو خدا نے پڑھایا الرحمٰن علم القران۔جس ہادیٔ اسلام نے درسگاہِ الوہیت میں پڑھا۔حدیث رسول ہے: عَلَّمَنِی رَبِّی فَاَحْسَنَ تَادِیبِی جس عالمِ غیب کو عالم الغیب نے بے شمار اوصاف وکمالات اور القاب وخطابات سے نوازا، اُس رسولِ ہاشمی کے مقام ومرتبے کا احترام نہیں کرتے ہو، جن کا کلمہ پڑھتے ہو اُنہی کو بشر اور برادر کہنے میں فخر محسوس کرتے ہو۔

- میلاد وفاتحہ اور سلام وقیام سے چڑتے ہو،
- یارسول اللہ کہنے والوں پر شرک وبدعت کا فتویٰ لگاتے ہو،
- نبی کا علم شیطان اور ملک الموت سے کم بتاتے ہو،
- نبی کا درجہ چودھری اور زمیندار جیسا بتاتے ہو،
- خاتم الانبیاء اور مالکِ دوسرا ہونے کا انکار کرتے ہو،

ارے تمہارے عقائد میں کھوٹ ہونے کی فہرست بہت لمبی ہے، اُسے پیش کرنے کے لیے خاصا وقت درکار ہے۔المختصر یہ ہے کہ حقائق سے چشم پوشی کرتے ہو، خطاباتِ مصطفیٰ اور القاب مجتبیٰ سے خود بھی انکار کرتے ہو اور دوسرے سادہ لوح انسانوں کی آنکھوں میں بھی دھول جھونکتے ہو...... اور جب باری آتی ہے اپنے مولانا کی تو احمد اور اشرف نہیں کہتے ہو، طاہر اور قاسم نہیں کہتے ہو، بلکہ قطب العالم اور شیخ الاسلام کہتے ہو، حکیم الامت اور حجۃ الاسلام کہتے ہو۔

کیا وہ احمد نہیں ہے؟ کیا وہ اشرف نہیں ہے؟ کیا وہ طاہر نہیں ہے؟ کیا وہ قاسم نہیں ہے؟ یہاں صرف نام نہیں لیا جارہا ہے بلکہ آداب والقاب بولے جارہے ہیں۔آخر ایسا کیوں؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے، اس سے تمہارے دل کی گندگی کا پتہ چلتا ہے، اس سے تمہاری ذہنی پراگندی کا اشارہ ملتا ہے، اس سے تمہاری نیت میں کھوٹ ہونے کا ایما ملتا ہے۔اس سے تمہارے عقائد میں چور دروازے کا سُراغ ملتا ہے...... اور سب سے زیادہ حیرت تو اُن نام نہاد عالموں پر

ہوتی ہے، جو آٹھ دس سال تک دارالعلوم میں رہنے کے باوجود، قواعد و گرامر سیکھنے کے باوجود، قال اللہ اور قال الرسول پڑھنے کے باوجود، سیکڑوں کتابوں کے مطالعے کے باوجود، پچاسوں مناظرات و مباحثات ملاحظہ اور مشاہدہ کرنے کے باوجود، اور اپنے مکتبۂ فکر کے نام نہاد مناظرِ اعظم کو شکست کھاتے اور میدانِ مناظرہ سے بھاگتے ہوئے دیکھنے کے باوجود، خودساختہ تاویلات کے سہارے لیتے ہیں، اور جانِ ایمان، روحِ کائنات ﷺ کی عزت وعظمت اور شان وشوکت ماننے کو تیار نہیں، اُن کی تعریف وتوصیف سننے اور کرنے کے روادار نہیں، سچ بولنے اور حق قبول کرنے کو آمادہ نہیں۔ بریں عقل ودانش بباید گریست۔

بہرحال! حاصلِ گفتگو یہی ہے کہ ہماری بشریت اور ہے مصطفیٰ کی بشریت اور، مقامِ استفسار میں اطلاقِ بشر اور ہے اور اُس کو رواج دینا اور۔

یہ قصۂ طویل ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا وہ آغازِ باب تھا

وما علینا الا البلاغ المبین

❖❖❖

چوتھی تقریر

وسیلۂ جلیلہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَصَلوٰۃُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلٰی سَیِّدِنَا
مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ ط
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْاَمِیْنُ
الْمَکِیْنُ الْکَرِیْمُ.

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
جو ترے در سے یار پھرتے ہیں — در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں
آہ کل عیش تو کیے ہم نے — آج وہ بے قرار پھرتے ہیں
ہر چراغ مزار پر قدسی — کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں — مانگتے تاج دار پھرتے ہیں
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں — دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں
لاکھوں قدسی ہیں کام خدمت پر — لاکھوں گردِ مزار پھرتے ہیں

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

مئے توحید کے میکشو! شرابِ عشقِ نبی کے مستو! قادری رنگ میں رنگنے والو!

حنفی ڈھنگ میں چلنے والو! بریلوی کہنے اور کہلوانے پر فخر محسوس کرنے والو! یعنی خوش عقیدہ سُنّی مسلمانو! آیئے ہم سب مل کر اپنی غلامی کا ثبوت دیتے ہوئے بصد ادب واحترام انتہائی عقیدت ومحبت اور دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ نبی رحمت، وکیلِ اُمّت، محسنِ انسانیت، مہرِ چرخِ نبوت، نوشۂ بزمِ جنت، نائبِ دستِ قدرت، فرش تا عرش جن کے زیرِ نگیں، یعنی جن کے زیرِ قدرت آسماں وزمیں، جن کی مسندِ ناز عرشِ بریں، جن پر نازل ہونے والی کتاب قرآنِ مبیں، یعنی سبز گنبد کے مکیں، حضور احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ عربی روحی فداہ ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں دُرود وسلام کا ہدیہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

اَللّٰہُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

تمہید

محترم سامعین! اللہ رب العزت کی ذات احکم الحاکمین ہے۔ حاکمیت و کبریائی بس اسی کو لائق اور زیبا ہے۔ وہی ذرّے ذرّے، قطرے قطرے کا خالق و مالک ہے۔ وہی ایسا ازلی وابدی شہنشاہ ہے جس کا دربار تمام درباروں سے زیادہ پُر وقار، رعب ودبدبے اور جاہ وحشم والا ہے۔

وہی ایک ایسا رحیم وکریم ہے جس کے رحم وکرم کی بارش سے معبودانِ باطلہ کے ماننے والے بھی محروم نہیں۔

ایسے قہار وجبار احکم الحاکمین کے دربار میں، ایسے ازلی وابدی مالک ومختار کے دربار میں، ایسے لاثانی ولافانی پروردگار کے دربار میں، باریابی کی سعادت کے لیے، حاجات کی برآری اور عرضِ مدّعا کے لیے ایک عبدِ عاجز، عبدِ خاطی، مرکب خطا ونسیان اور کمزور وناتواں انسان ''وسیلہ'' کی تلاش نہ کرے تو پھر چارۂ کار کیا

ہے......اور جستجوئے وسیلہ خود اسی احکم الحاکمین کے حکم کی عملی شکل ہے۔ اسی تعمیلِ حکم کا نام توحید پرستی اور اطاعت و بندگی ہے۔

ان ہی مقاصد کے حصول اور خدا تک پہنچنے کے لیے اعمالِ صالحہ، انبیا و مرسلین، اولیا و صالحین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وسیلہ بنانا، عقلاً، قیاساً اور نقلاً تو ثابت ہے ہی......اس پر خلافتِ راشدہ سے لے کر اب تک صحابۂ کرام، تابعین عظام، ائمہ وفقہا، مشائخ وعلما اور تمام خوش عقیدہ مسلمانوں کا عمل بھی رہا ہے۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ جب کبھی بھی مسلمانوں پر قحط سالی یا ایسی کوئی بھی آسمانی بلا نازل ہوئی ہے، تو انبیا و صلحا کے وسیلے سے دعائیں مانگی ہیں اور انھیں غیبی مدد ملی ہے۔

مسلمانوں میں ایک ایسا طبقۂ ضالّہ موجود ہے، جو ایمان دار مسلمانوں کو یہ کہہ کر کافر اور مشرک و بدعتی قرار دیتا ہے کہ وہ قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں بزرگوں کا وسیلہ لاتے ہیں۔ اسی طرح گویا جمہور مسلمین بت پرستی کے شکار ہیں۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) یعنی وسیلے کے بارے میں اُن کی اُلٹی کھوپڑی کا یہ کہنا ہے کہ سُنّی مسلمان پیر پرست، قبر پجو اور مشرک و بدعتی ہیں......یہ باطل گروہ اس بات پر مصر ہے کہ صرف "اعمالِ صالحہ" کو وسیلہ بنایا جائے، کسی نبی یا ولی کی ذات کو وسیلہ بنانا (نعوذ باللہ) شرک ہے۔ حالانکہ اس مسئلے میں اس طائفۂ حائفہ نے جو دلیلیں پیش کی ہیں وہ بہت کمزور اور بے محل ہیں۔......اس کے برعکس وسیلہ کے حق ہونے کے جو دلائل ہیں، وہ نہایت ہی قوی اور روشن و واضح ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (سورۂ مائدہ) یعنی اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

حضرات! وسیلہ ذات کا بھی ہو سکتا ہے اور عملِ صالح کا بھی۔ لفظ وسیلہ اپنے عموم کی وجہ سے دونوں کو شامل ہے۔ بلکہ شریعتِ مطہرہ میں اس سے شخصیتوں کا ہی

وسیلہ پہلے ذہن وفکر میں آتا ہے...... علاوہ ازیں یہ کہنا کہ صرف زندہ شخصیت کا وسیلہ لایا جاسکتا ہے، یہ ان ہی لوگوں کا عقیدہ ہوسکتا ہے، جن کا خیال ہو کہ روحیں جسم سے جُدا ہونے کے بعد فنا ہو جاتی ہیں...... جس کا مطلب یہ ہوا کہ حشر ونشر بھی کوئی چیز نہیں اور روحوں کے جسموں سے الگ ہو جانے کے بعد ان کے اِدراکات واحساسات بھی فنا ہو جاتے ہیں۔ یہ دلائلِ شرعیہ کے بالکل خلاف ہیں۔

انبیا واولیا خواہ زندہ ہوں یا وصال کر چکے ہوں، اُن کا وسیلہ لانا ہر دَور اور ہر زمانے میں ایمان دار طبقے کا وطیرہ اور طریقہ رہا ہے...... قرآن کریم کی آیتِ مذکورہ میں لفظ ''وسیلہ'' شخصیتوں سے وسیلہ لینے کو بھی شامل ہے۔ یہ محض کسی عام انسان کی رائے نہیں، اور نہ ہی ایسا ہے کہ صرف وسیلہ کے لغوی عموم سے اسے اخذ کر لیا گیا ہے بلکہ یہ مفہوم خلیفۂ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے کہ بارش کے لیے دُعا میں آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ لیا۔ جیسا کہ استسقاء (بارش کی دُعا) کے سلسلے میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ ہیں: وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا ۔ اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں...... ان الفاظ سے واضح طور پر ہمیں یہ ثبوت ملتا ہے کہ صحابۂ کرام نے خود صحابہ کا وسیلہ لیا ہے۔ اس روایت میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کا وسیلہ نیم روز کی طرح روشن وعیاں ہے اور کوتاہ نظروں کا یہ کہنا کہ وسیلہ حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری ہی تک محدود تھا۔ یہ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی اور الفاظِ حدیث میں تحریفِ ذلیل اور تاویلِ بلا دلیل ہے۔

توسّل کی لغوی تعریف

اَلتَّوَسُّلُ لُغَۃً جَعْلُ الشَّیْئِ وَسِیْلَۃً وَّتَسَبُّباً لِحُصُوْلِ الْمَقْصَدِ۔

(ترجمہ) لغت میں توسّل کے معنی ہیں کسی چیز کو مقصد کے حصول کے لیے

Scanned by CamScanner

وسیلہ اور سبب بنانا۔

توسّل کی اصطلاحی تعریف

اَلتَّوَسُّلُ فِیْ اِصْطِلَاحِ الشَّرْعِ جَعْلُ الشَّیْئِ الَّذِیْ لَہٗ عِنْدَاللّٰہِ قَدْرٌ وَ مَنْزِلَۃٌ وَسِیْلَۃً لِاِجَابَۃِ الدُّعَاءِ فَمَالَہٗ قَدْرٌ وَمَنْزِلَۃٌ عِنْدَاللّٰہِ فَالتَّوَسُّلُ بِہٖ جَائِزٌ وَحَسَنٌ ذَاتًا کَانَ اَوْ عَمَلًا صَالِحًا۔ (تحفظِ عقائد نمبر، ص ۵۴۲، مصنف و مرتب: ظہیر الدین قادری، ماہ نامہ استقامت ڈائجسٹ ۱۹۹۴ء)

(ترجمہ) اصطلاحِ شرع میں توسّل کے معنی ہیں اجابتِ دعا کے لیے اس چیز کو وسیلہ بنانا جو اللہ کے نزدیک قدر و مرتبے والی ہو۔ پس ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت والی ہو، اس کو وسیلہ بنانا جائز اور مستحسن ہے، خواہ وہ چیز ذات ہو یا عملِ صالح۔

وسیلہ کی تعریفِ اصطلاحی کی روشنی میں اس بات کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ صرف عملِ صالح کو ہی وسیلہ بنانا جائز نہیں بلکہ ذات سے بھی توسّل جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ ذات بارگاہِ خداوندی میں عزت و عظمت والی ہو۔

اور یہ امر تو اظہر من الشمس ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں انبیا کرام و رسولانِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کوئی محبوب و مقبول نہیں، اور پھر ان سب میں ہمارے آقا و مولیٰ حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سب سے زیادہ عزت و عظمت، قدر و منزلت والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نورِ خاص سے آپ کے نورِ پاک کو پیدا فرمایا۔ اور طرح طرح کے محاسن و محامد، فضائل و کمالات سے سرفراز فرمایا۔

آپ کی اطاعت و محبت امّتِ مسلمہ کے لیے لازم قرار دیا۔ آپ کی تعظیم و توقیر ایمان والوں کے لیے ضروری قرار دیا۔ آپ کو خیرِ خلق اور اپنا حبیب بنایا۔ آپ کو لامکاں میں بلا کر اپنا کلام سُنایا۔ آپ کو اپنے دیدارِ پُرانوار سے مشرّف فرمایا۔ آپ کو

ساری کائنات کا مالک ومختار بنایا۔ آپ کو یٰس طٰہٰ کے خطاب سے یاد فرمایا۔ آپ کو مزمل و مدثر کے القاب سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو شفاعتِ کبریٰ کا تاج عطا فرمایا۔ آپ کو حاکمِ برایا اور قاسمِ عطایا بنایا۔ آپ کو شافعِ خطایا اور دافعِ بلایا بنایا۔ آپ کو ساری کائنات کا ماویٰ و ملجا بنایا۔ آپ کو اپنا نائب اور جامع الصفات بنایا۔

جب میرے سرکار کی قدر ومنزلت اور محبوبیت وافضلیت مسلم الثبوت ہے تو پھر حصولِ مقاصد کے لیے احکم الحاکمین اللہ رب العزت کی بارگاہِ عالیہ میں میرے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اور دیگر انبیا و مرسلین، صالحین و بزرگانِ دین کو وسیلہ بنانا بلاشک وشبہ عین اسلامی فعل اور جائز ومشروع ہے۔

حضرات! آج کی نشست سے آپ کو یہ سمجھ کر اُٹھنا ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لیے وسیلہ ضروری ہے، اور یہ تاثر آپ کو لے کر جانا ہے کہ

مل نہیں سکتا خدا اُن کا وسیلہ چھوڑ کر
غیر ممکن ہے کہ چڑھے چھت پہ زینہ چھوڑ کر

وسیلہ اور قرآن

سامعینِ محترم! آج میری تقریر کا عنوان ہے ''وسیلہ'' اسی مناسبت سے خطبے کے بعد مَیں نے قرآن مقدس کے پارہ نمبر ۶، رکوع نمبر ۱۰ کے ایک جزو آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

(۱) وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

تفسیر: حضرت علامہ زمخشری علیہ الرحمہ اس آیتِ مقدسہ کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں: وَهِيَ شَامِلَةٌ لِلذَّوَاتِ وَالْاَعْمَالِ لِاَنَّ الْوَسِيْلَةَ كُلُّ مَا يَتَوَسَّلُ بِهٖ اَیْ يَتَقَرَّبُ بِهٖ اِلَى اللّٰهِ. (تفسیر کشاف)

یعنی وسیلہ ذات واعمال دونوں کو شامل ہے، کیوں کہ وسیلہ ہر وہ چیز ہے جس

کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو سکے۔

بالعموم مفسّرین کرام فرماتے ہیں کہ وسیلہ سے مراد قربت ہے یا تو مُـقَـرِّب بمعنیٰ اسمِ فاعل یعنی قریب کرنے والا ہے اور مقرب حقیقی اللہ رب العزت ہے، جو یہاں مُراد نہیں۔ لہٰذا لامحالہ قربت بمعنیٰ مُـقَـرِّبْ کی نسبت ان سب کی طرف کی جائے گی جو بارگاہِ خداوندی میں باریابی کا ذریعہ بن سکے۔ یا قربت مُـقَـرِّبْ اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہے، یعنی وہ چیز جسے بارگاہِ خداوندی میں قرب حاصل ہو چکا ہے، پس قربت دونوں معنیٰ میں ذات اور عمل دونوں کو شامل ہے۔ اس لیے کہ دونوں ہی قرب الی اللہ کا سبب اور مقرب بارگاہِ خداوندی ہوتے ہیں۔

حضرات! اس آیتِ کریمہ میں ربِ کائنات ایمان والوں کو مطلقاً وسیلہ تلاش کرنے کا حکم صادر فرمارہا ہے، جب کہ اس میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں ہے، تو اس کو بغیر کسی مستند و معتبر دلیل کے محض نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ صالحہ کے ساتھ مقید کرنا جہالت و نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟ توسّل بالذّات کے اعتقاد کو کفر و شرک بتانا ضلالت و گمراہی اور الحاد و بے دینی نہیں تو اور کیا ہے؟ وسیلے کے قائل اور معتقد کو کافر و مشرک قرار دینا مکفر المسلمین ہونے کا ارتکاب نہیں تو اور کیا ہے؟

اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو
دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۲) وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (بقرہ) یعنی: وہ (یہود) اس سے پہلے اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے مگر جب یہ (نبی آخر الزماں) تشریف لائے تو انکار کر بیٹھے (کنز الایمان)

تفسیر: سید الانبیاء ﷺ کی بعثت اور قرآن کریم کے نزول سے پہلے یہود اپنی حاجتوں کے لیے حضور ﷺ کے نام پاک کے وسیلے سے دعا کرتے اور کامیاب ہوتے تھے۔ دعا اس طرح کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ فْتَحْ عَلَيْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ یعنی یارب! ہمیں نبی امی کے صدقے میں فتح و نصرت عطا فرما (خزائن العرفان)

مجاہد نے تفسیر مجاہد میں، زمخشری نے کشاف میں، سید محمود آلوسی نے روح المعانی میں، حافظ ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں، امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں الفاظ کے ردّ و بدل کے ساتھ "كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے: "كَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الْاَوْسِ وَالْخَزْرَجِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ قَبْلَ مَبْعَثِهٖ (ترجمہ) یہود، اوس و خزرج پر رسول اللہ ﷺ کے وسیلے سے ان کی بعثت سے پہلے فتح کی دعا مانگتے تھے...... یعنی یہ آیت کریمہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی، جیسا کہ تفسیروں سے ظاہر ہے۔ یہود اپنی ضرورتوں اور پریشانیوں میں اور جنگوں میں اپنی کامیابی کے لیے بارگاہِ الٰہی میں پیغمبر اعظم ﷺ کے نامِ مبارک کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے، اور اس وسیلے کی برکت سے انھیں کامیابی و کامرانی ملتی تھی۔

حضرات! یہود کا یہ عقیدہ اس وقت کا ہے جبکہ قرآن مجید کا نزول اور حدیث رسول کا ورود نہ ہوا تھا۔ یہود کا یہ عقیدہ اس وقت کا ہے جبکہ نورِ مجسم ﷺ کا اس دنیا میں ظہور بھی نہ ہوا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگلی امتیں بارگاہِ خداوندی میں سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کو دشمن پر فتح یابی اور دوسرے مقاصد و اغراض کے حصول کے لیے وسیلہ بنا کر دعا کرتی تھیں۔ اور وہ لوگ توسّل بالذات کو جائز و مشروع جانتے اور مانتے تھے۔

(۳) قرآن مقدس پر ایک اور مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ (بنی اسرائیل) ترجمہ: وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں، وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں (کنزالایمان)

برادرانِ اسلام! اس آیتِ کریمہ میں حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور ان مقبول بندوں کی طرف اشارہ ہے جنہیں کفار ومشرکین پوجتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید فرقان حمید نے ان لوگوں کی جہالت و گمراہی کا راز فاش کر دیا اور علی الاعلان فرمادیا کہ تم انہیں پوجتے ہو جو خود بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ کے متلاشی ہیں۔ یاد رکھو کہ وہ ہستیاں ہرگز ہرگز عبادت و پرستش کے لائق و مستحق نہیں جو خود بارگاہِ خداوندی میں رسائل اور حصولِ مقاصد کی برآری کے لیے وسیلہ تلاش کریں۔

عبادت و پرستش کے لائق تو صرف وہ نرا کار اور بے نیاز ہے، جس کی ذات ازلی و ابدی ہے، جس کا وجود واجب الوجود ہے، جس کی شان لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے، جس کا کلام نفسی غیر مخلوق و غیر حادث ہے۔ جس کی ہر صفت قدیم اور غیر فانی ہے، جو سمیع الدعا اور مجیب الدعوات ہے۔

(۴) توسّل بالذات کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (نساء) یعنی: اگر وہ (لوگ) اپنی جانوں پر ظلم کریں، پھر آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت کا سوال کریں اور آپ بھی ان کے لیے بخشش مانگیں، تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان پائیں گے۔

اگر ماں باپ ناراض ہو جائیں تو انھیں راضی کرنے کے لیے اُن کے پاس

جائیں۔ اگر بھائی بہن روٹھ جائیں تو انھیں راضی کرنے کے لیے اُن کے گھر پر جائیں۔ اگر پڑوسی رنجیدہ خاطر ہوجائیں تو انھیں راضی کرنے کے لیے اُن کے دَر پر جائیں۔ اگر رشتے دار کبیدہ خاطر ہوجائیں تو انھیں راضی کرنے کے لیے اُن کے دروازے پر جائیں۔ اگر دوست و احباب خلاف ہوجائیں تو انھیں راضی کرنے کے لیے اُن کے مکان پر جائیں۔

لیکن...... اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ناراض ہوجائے تو پھر معافی مانگنے کے لیے کس کے دروازے پر جائیں؟ کس کے مکان پر جائیں؟ وہ تو مکان اور جگہ سے پاک ہے۔

اس سوالِ مقدر کا جواب اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن کریم سے سنیے۔ پارہ نمبر ۵، رکوع نمبر ۶، آیت نمبر ۶۴ میں ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا یعنی اگر وہ (لوگ) اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے محبوب! وہ تمہارے حضور حاضر ہوں، پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور آپ اُن کی شفاعت فرمائیں، تو ضرور اللہ تعالیٰ کو وہ (لوگ) توبہ قبول کرنے والا، مہربان پائیں گے۔

اب مجھے کہہ لینے دیجیے کہ میرے مصطفیٰ کا دروازہ دروازۂ خدا ہے۔ اگر کوئی فقیر بھیک مانگتا ہے، تو چھت پر یا مکان کے پیچھے کھڑے ہوکر نہیں مانگتا بلکہ دروازے پر آکر مانگتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہو تو دروازۂ خدا یعنی بارگاہِ مصطفیٰ میں آکر مانگنا ہوگا۔ جو کچھ رب کریم کی طرف سے ملے گا اسی دروازے اور ان ہی ہاتھوں سے ملے گا۔ اسی لیے تو میرے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

بخدا خدا کا یہی ہے دَر، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

رسولِ کائنات ﷺ خالقِ کائنات عزوجل کے وکیلِ مطلق یا مختارِ عام ہیں،

کیوں کہ گناہ کیا تو خدا کا اور معافی مانگنے کے لیے دروازۂ مصطفیٰ میں جانے کا حکم ہو رہا ہے۔

جس طرح جرم تو کیا حکومت کا، مگر وکیل یا مختارِ عدالت کا وسیلہ ضروری ہے۔ اسی طرح گناہ تو کیا اللہ تعالیٰ کا، مگر وکیلِ مطلق جناب محمد رسول ﷺ کا وسیلہ ضروری ہے۔

جس طرح بغیر وکیل کے دنیاوی کچہری میں کوئی چارۂ کار نہیں، اسی طرح عدالتِ الٰہیہ میں بغیر محبوبِ کبریا کے چارۂ کار نہیں...... یہی وجہ ہے کہ کلمہ، اذان، نماز وغیرہ اذکار و عبادات میں نامِ مصطفیٰ ﷺ ضرور آتا ہے۔ اسی لیے تو سرکارِ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

ذکرِ خدا جو اُن سے جُدا چاہو نجدیو — واللہ ذکرِ حق نہیں کنجی سقر کی ہے
بے اُن کے واسطے خدا کچھ عطا کرے — حاشا غلط، غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی ملا نبی آخر الزماں، خاتم پیغمبراں ﷺ کے صدقے میں ملا۔

جان ملی تو میرے نبی کے صدقے میں۔ اولاد ملی تو میرے نبی کے صدقے میں۔ نعمت ملی تو میرے نبی کے صدقے میں۔ عزت ملی تو میرے نبی کے صدقے میں۔ نماز ملی تو میرے نبی کے صدقے میں۔ نیاز ملی تو میرے نبی کے صدقے میں۔ کعبہ ملا تو میرے نبی کے صدقے میں۔ روضہ ملا تو میرے نبی کے صدقے میں۔ قرآن ملا تو میرے نبی کے صدقے میں، عرفان ملا تو میرے نبی کے صدقے میں۔ ایمان ملا تو میرے نبی کے صدقے میں، اجی! رحمٰن ملا تو وہ بھی میرے نبی کے صدقے میں۔

امامِ اہلِ سُنّت سرکارِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں۔

لا وربِّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

اگر کوئی عالم نما جاہل یہ کہتا ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کا یہ وسیلہ آپ کی حیاتِ ظاہری ہی تک محدود تھا، تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، جو کسی بھی حال میں قابلِ قبول نہیں، کیوں کہ مطلق اپنے اطلاق پر ہی ہوتا ہے۔ اس پر اہلِ حق کا اتفاق ہے کہ مطلق کسی دلیل ہی سے مقید ہوتا ہے۔ اور اس جگہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو مطلق کو مقید بنا سکے۔ قرآن کریم کا یہ حکم صرف حیاتِ ظاہری کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک کے گنہگاروں اور خطا کاروں کے لیے ہے، کیوں کہ کلمہ ''اِذْ'' عام ہے۔

خوش عقیدہ اعرابی کی بخشش ہوگئی

مدینہ شریف کے نواح میں ایک خوش عقیدہ اعرابی رہتے تھے۔ جیسے ہی ان کو اس آیت مقدسہ کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ اپنے آپ کو گنہگار سمجھ کر مدینہ شریف تشریف لائے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مالکِ جنت، غم خوارِ اُمت ﷺ کے وصالِ باکمال کو تین دن ہوگئے۔ دل دہلا دینے والی خبر سُن کر اُن کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور وہ روتے ہوئے مزارِ انور پر حاضر ہوتے ہیں اور تربتِ رسول کی خاکِ پاک اُٹھا کر اپنے سر پر ڈال کر عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ!

تیرے قدموں پہ آنا میرا کام تھا میری بگڑی بنانا تیرا کام ہے
ٹھوکریں کھا کے گرنا میرا کام تھا ہر قدم پر اُٹھانا تیرا کام ہے

عاشق وجاں نثار اعرابی کا سوال سُن کر حامیِ بے کساں، چارہ سازِ دردمنداں ﷺ مزارِ پُرانوار سے فرماتے ہیں: اے اعرابی! آنا تیرا کام تھا اور بخشوانا میرا کام ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے: قَدْ غُفِرَلَکَ۔ یعنی تیری بخشش ہوگئی۔ اسی لیے تو تاج دارِ اہلِ سُنت سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیے ہیں دُر بے بہا دیے ہیں

قرآن کریم کی اس آیت مقدسہ (ولو انھم) سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سرور کونین ﷺ نبی توبہ ہیں، اُن کا دروازۂ کرم توبہ اور معذرت کرنے والوں اور بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کے خواست گاروں کے لیے ہمیشہ کھلا ہوا ہے۔

بندوں کو حکم ہے کہ آستانۂ رسول میں حاضر ہو کر انہیں دربار الٰہی میں وسیلۂ رحمتِ الٰہی بنا کر، انھیں شفیع المذنبین مان کر اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تو ہر جگہ سنتا ہے، اس کا علم، اس کا سمع، اس کا شہود سب جگہ ایک سا ہے۔ مگر حکم یہی فرمایا کہ میری طرف توبہ چاہو تو میرے محبوب کے حضور حاضر ہو۔ رسول ہاشمی کی حیاتِ ظاہری کے عالم میں یہ ''حضور'' ظاہر تھا، اب ''حضور'' مزارِ پُر انوار ہے کہ روضۂ انور پر حاضری دیں اور جہاں یہ بھی میسّر نہ ہو تو دل سے ان کی طرف توجہ کریں، ان سے توسّل، فریاد و استغاثہ اور طلب شفاعت کریں۔

''وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' میں اگر مطلقاً ہر استعانت کا ذاتِ باری تعالیٰ میں حصر مقصود ہو کہ مطلق استعانت اسی کے ساتھ مقصود ہے۔ تو کیا صرف اولیا وانبیا علیہم السلام ہی سے مدد مانگنا شرک ہوگا؟ کیا صرف یہی غیر خدا ہیں؟ اور دوسرے خدّام واحباب، آلات واشیا سب بدعقیدوں کے نزدیک خدا ہیں؟ یا قرآن پاک میں خاص ان ہی حضرات کے نام لکھے ہوئے ہیں کہ ان سے مدد مانگنا شرک اور دوسروں سے جائز ہے...... اگر ہمارے حریفوں کے نزدیک یہی معیار ہے کہ مطلقاً صرف خدا ہی سے مدد مانگنا جائز ہے اور غیر خدا سے شرک ہے تو قرآن کریم کی ان آیتوں کے بارے میں ان کے پاس کیا جواب ہوگا جن میں خود خدائے قدیر غیر خدا سے مدد مانگنے کا حکم فرما رہا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃ۔ یعنی صبر اور نماز سے مدد مانگو۔ کیا صبر خدا ہے؟ جس سے مدد مانگنے کا حکم ہو رہا ہے۔ کیا نماز خدا ہے؟ جس سے مدد مانگنے کا ارشاد ہو رہا ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔

اس کا صحیح جواب اور واضح حل ہم سے سنیے اور بدعقیدگی و گمرہی سے تائب ہو کر آنکھوں میں بریلی کا ایسا سُرمہ لگا لیجیے کہ بجائے گنگوہ، مدینہ نظر آ جائے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ استعانت بالغیر یعنی خدا کے علاوہ کسی دوسرے سے مدد مانگنا وہی ناجائز ہے کہ آدمی اس غیر کو مظہر عونِ الٰہی نہ جانے بلکہ اپنی ذات سے اعانت کا مالک اور کارسازِ حقیقی جان کر اُس پر بھروسہ کرے۔ اور اگر مظہرِ عونِ الٰہی اور واسطہ و وسیلہ سمجھ کر مدد طلب کرے، تو شرک و حرمت تو کجا مقامِ معرفت کے بھی خلاف نہیں۔ هٰذَا ذِكْرىٰ لِلذّٰكِرِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَلْبَابِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ. وَلٰكِنَّ الْوَهَّابِيَّةَ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُوْنَ۔

تمہیں کالی گھٹا کا بھی نہیں پہچاننا آتا
نشیمن سے دھواں اُٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے

بہرحال قرآن پاک کی روشنی میں یہ مسئلہ مسلم الثبوت ہے کہ خود اللہ رب العزت کے مقبول و محبوب بندوں کی بھی یہ سُنّت رہی ہے کہ وہ فضل و کمال اور زہد و اتقا میں اپنے سے زیادہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے...... معلوم ہوا کہ جہاں اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے وہیں انبیا و اولیا کو بھی وسیلہ بنانا جائز اور اسلامی فعل ہے۔

وسیلہ بھی بڑی شئے ہے خدا تک
مَیں پہنچا تو مگر دامن بدامن

وسیلہ اور حدیث

سامعینِ محترم! جس طرح قرآن مجید فرقانِ حمید سے وسیلہ ثابت ہے، اسی طرح حدیث و اجماع سے بھی ثابت ہے اور ایسا ثابت ہے کہ جس میں بال برابر بھی اگر مگر اور چوں و چرا کی گنجائش نہیں، لہٰذا اب آیئے اور وسیلے کا ثبوت احادیث

کریمہ کی روشنی میں سماعت فرمائیے۔

حدیث اعمیٰ

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص مدنی تاجدار، دونوں عالم کے مالک ومختار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یارسول اللہ! میری آنکھوں میں روشنی کے لیے دعا فرما دیجیے۔ ارشاد فرمایا اگر تم چاہو تو دعا کر دوں اور اگر چاہو تو صبر کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ انھوں نے عرض کیا۔ حضور! میرے حق میں دعا فرما دیں۔ اس پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اچھی طرح وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو، اور پھر اس طرح دعا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیۡکَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحۡمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیۡ تَوَجَّھۡتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیۡ فِیۡ حَاجَتِیۡ ھٰذِہٖ تُقۡضٰی اَللّٰھُمَّ اشۡفِعۡہُ فِیَّ (سنن ابن ماجہ) ترجمہ: اے اللہ بے شک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں، یارسول اللہ! بے شک میں اپنی اس حاجت میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔ تاکہ یہ حاجت پوری کر دی جائے۔ الٰہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ خدا کی قسم! ہم جدا نہیں ہوئے اور نہ ہی حدیث بیان ہوئے زیادہ عرصہ گزرا، کہ وہ نابینا شخص داخل ہوا، اس حالت میں کہ اس کی بینائی واپس آ چکی تھی۔ گویا وہ نابینا تھا ہی نہیں۔

حضرات! یہ وہ حدیث پاک ہے کہ صحاح ستہ سے تین صحاح جامع ترمیذی، سنن نسائی اور ابن ماجہ میں مروی ہے اور اکابر محدثین جیسا کہ امام طبرانی، امام بیہقی، ابو عبداللہ حاکم وغیرھم اسے صحیح فرماتے آئے۔ اور صحابہ وتابعین میں بھی

مقبول۔ اس حدیث پاک کو پندرہ سے زائد محدثین کرام نے اپنی اپنی مستند کتابوں میں جگہ دی ہے اور تقریباً سبھی محدثین نے اس حدیث پاک کو حسن وصحیح بتایا ہے۔ جن میں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔

اب بھی اگر کوئی عالم نما جاہل بدعقیدگی و بدمذہبی کے نشے کی ترنگ میں شرم وحیا کا پانی سر سے گزار کر آستین سمیٹ کر، پاجامہ اُٹھا کر، تھانہ کی وردی چڑھا کر، زاغ معروف کا کباب کھا کر اور گرم گوشت کا چٹخارہ لے کر بے دھڑک یہ کہہ دے کہ یہ حدیث قابلِ حجت نہیں۔ تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ اسے نہ رسولِ اعظم ﷺ کے ارشاد کا پاس ہے نہ صحابہ وتابعین کی تعلیم وعمل کا لحاظ اور نہ ہی اکابر حفاظِ حدیث کی تصحیح کا خیال۔

بالفرض اگر اس حدیث میں کسی قسم کا ضعف وسقم ہوتا، تو اتنے سارے محدثین اس حدیث پاک کو بغیر جرح وتنقید کے کیسے نقل فرما دیتے؟ اتنے سارے محدثین کا اس حدیث پاک کو قبول کر لینا ہی اس حدیث پاک کے قوی اور صحیح ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

بہر حال اس حدیث پاک کی روشنی میں یہ ثابت ہوگیا کہ توسّل بالذات جائز ومشروع ہے۔ اس لیے کہ خود میرے سرکار نے نابینا صحابی کو اپنی ذات کو وسیلہ بنانے کا حکم فرمایا۔ اگر ذات کو وسیلہ بنانا ناجائز اور کفر وشرک ہوتا تو میرے سرکار اس دنیا سے کفر وشرک مٹانے کے لیے تشریف لائے تھے، نابینا صحابی کو اپنی ذات کو وسیلہ بنانے کا حکم ہرگز ہرگز نہ فرماتے۔

حضرات! حدیث اعمیٰ سے تو یہ ثابت ہوا کہ وسیلہ بنانا جس طرح حضور ﷺ کی ظاہری زندگی میں مؤثر اور جائز تھا، اسی طرح آپ کے پردہ فرما جانے کے بعد بھی مؤثر اور جائز ہے۔ اس سلسلے کی ایک اور حدیث پاک سُناتا چلوں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط سالی میں مبتلا

ہوتے تھے، تو فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا مانگا کرتے تھے اور یوں کہتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا فَیُسْقَوْنَ۔ اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اُس وقت تو ہم کو بارش سے سیراب فرماتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں۔ لہٰذا تو ہم سب کو سیراب فرمادے۔ تو لوگ سیراب کر دیئے جاتے تھے۔

(بخاری شریف ،بَابُ الْاِسْتِسْقَاء، صفحہ ۱۳۷)

حضرت علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو صالح کی روایت کردہ حدیث پاک میں یہ بھی موجود ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ منبر پر کھڑا کیا اور پہلے خود یوں دعا مانگی: اَللّٰھُمَّ اِنَّا تَوَجَّھْنَا اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ فَاسْقِنَا الْغَیْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِیْنَ۔ یعنی اے اللہ! ہم سب تیرے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوئے ہیں، لہٰذا تو ہم لوگوں کو بارش سے سیراب فرمادے اور ہم کو نا اُمید نہ فرما۔ اس کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے ابو الفضل! آپ بھی دعا مانگیے۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں دعا مانگی: اَللّٰھُمَّ لَمْ یَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ یُکْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَۃٍ وَقَدْ تَوَجَّہَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَیْکَ بِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ وَھٰذِہٖ اَیْدِیْنَا اِلَیْکَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِیْنَا بِالتَّوْبَۃِ فَاسْقِنَا۔ یعنی اے اللہ! ہر بلا گناہوں کے سبب ہی اُتاری جاتی ہے اور بغیر توبہ کے کوئی بلا دفع نہیں کی جاتی۔ ساری قوم میرے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوئی ہے، کیوں کہ مجھ کو تیرے نبی سے ایک خاص تعلق ہے۔ یہ ہمارے گنہگار ہاتھ اور ہماری توبہ کرنے والی پیشانیاں تیرے حضور میں حاضر ہیں۔ لہٰذا تو ہم لوگوں کو سیراب

فرمادے...... راوی حدیث کا بیان ہے کہ اس دعا کے بعد پہاڑوں کی طرح بدلیاں چاروں طرف آ گئیں اور جم کر موسلا دھار بارش ہوئی۔

ابن عبدالبرؒ نے "استیعاب" میں روایت کی ہے کہ اس کے بعد حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا: هٰذَا وَاللّٰهِ الْوَسِيْلَةُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالْمَكَانُ مِنْهُ یعنی حضرت عباس بارگاہِ الٰہی کے وسیلے اور صاحب مرتبہ ہیں۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشادِ گرامی کا ایک ٹکڑا "فتح الباری" میں اس طرح ہے کہ وَاتَّخِذُوْهُ (یعنی العباس) وَسِيْلَةً اِلَى اللّٰهِ یعنی اے لوگو! حضرت عباس کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بناؤ۔

بیہقی نے مالک الدار سے روایت کی ہے کہ بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کا وسیلہ لیا تھا...... معارف بن قتیبہ میں ہے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خدّام میں ایک مالک الدار بھی تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایک گھر سونپا تھا، جس میں وہ لوگوں کو کچھ بانٹا کرتے تھے۔

حدیث وسیلہ کے الفاظ یہ ہیں: اَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَجَاءَ رَجُلٌ اِلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْتَسْقِ اللّٰهَ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا فَاَتَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ اِئْتِ عُمَرَ فَاَقْرِءْهُ السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُ اِنَّهُمْ يُسْقَوْنَ۔

یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک شخص (بلال بن حارث) نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا، اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امّت کے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا فرمادیں، لوگ تباہ ہورہے ہیں۔ تاج دارِ انبیاء ﷺ اس شخص کے پاس خواب کے عالم میں تشریف لائے۔ اور فرمایا، تم عمر کے

پاس جاؤ اور اُن کو سلام کہو، اور خبر (بشارت) کر دو کہ اب بارش ہوگی۔

نبی کونین، صاحب قاب قوسین ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کا وسیلہ لانا اس حدیث پاک سے اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ آپ کے وسیلے سے بارش کی دعا کے سلسلے میں یہ حدیث پاک عملِ صحابہ پر کھلی ہوئی دلیل ہے۔ کیوں کہ اِس پر کسی صحابی کو کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ اس طرح یہ حدیث پاک منکر۔ین وسیلہ کی مکمل طور پر زبان بند کر دیتی ہے۔

وسیلہ کی احادیثِ کریمہ میں حضرت فاطمہ بنت اسد کی حدیث شریف بھی ہے، جس میں خود میرے سرکار کے ارشاد فرمائے ہوئے الفاظ اس طرح موجود ہیں: بِحَقِّ نَبِیِّکَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ۔ یعنی اے پروردگار! یہ دُعا قبول فرما، اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیا کے وسیلے سے۔

ابنِ حبّان اور حاکم نے اس حدیث پاک کو صحیح بتایا ہے۔ طبرانی نے "کبیر" اور "اوسط" میں یہ حدیث پاک روایت کی ہے۔ اس کی سَند میں روح بن صلاح ہیں، جن کو ابنِ حبّان اور حاکم نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ سارے ہی راوی صحیح بخاری کے رواۃ سے ہیں۔ اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہے کہ وسیلے میں زندوں اور مُردوں کے درمیان کوئی فرق نہیں، کیوں کہ اس میں وفات پانے والے انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وسیلہ کھلے الفاظ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور صاف لفظوں میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جاہ و منزلت سے وسیلہ موجود ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث شریف میں یہ الفاظ موجود ہیں: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ۔ یعنی اے خدا! سوال کرنے والوں کا تیرے یہاں جو حق ہے، اس کے وسیلے سے مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

حضرات! اس حدیث شریف میں سارے ہی مسلمانوں کا وسیلہ ہے، چاہے وہ زندہ ہوں یا مُردہ۔...... بہرحال انبیا و صلحا خواہ باحیات ہوں یا وصال باکمال کر چکے ہوں، اُن کا وسیلہ لانا ہر دور میں مسلمانوں کا طریقہ اور وطیرہ رہا ہے۔ اور اُن کے وسیلے سے خداوند کریم اُمید سے کہیں زیادہ عطا فرما دیتا ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ مانگنے کا سلیقہ ہونا چاہیے۔

مانگنے کا سلیقہ تو آتا نہیں، لوگ کہتے ہیں ہم کو تو ملتا نہیں
جب کوئی اپنے رب سے دعا کیجیے مصطفیٰ کو وسیلہ بنالیجیے

ابنِ ماجہ نے اپنی سُنن کے "باب المشی الی الصلوٰۃ" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے: مَنْ خَرَجَ مِنْ بَیْتِهٖ اِلیٰ الصَّلٰوۃِ فَقَالَ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ ۔(الحدیث) ترجمہ: جو شخص نماز کے ارادے سے گھر سے نکلے پھر یہ کہے، اے اللہ! سوال کرنے والوں کا جو تیرے اوپر حق ہے اس کے وسیلے سے مَیں سوال کرتا ہوں۔

اس حدیث پاک میں حقِ سائلین کے وسیلے سے دعا کی تعلیم دی گئی ہے اور ربِ قدیر سے سوال کرنے والوں میں خاص مقبولانِ الٰہی بھی ہیں اور عام مسلمان بھی۔ اس لیے اس حدیث پاک سے عام و خاص دونوں ہی سے وسیلہ لینے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ کچھ منکرینِ وسیلہ اس حدیث پاک سے متعلق یہ بیان کرتے ہیں کہ "اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ" کے اندر "بحق" میں جو "با" ہے، وہ توسّل کے معنیٰ میں نہیں بلکہ یہ وہ "با" ہے جو "سأل" کے مفعولِ ثانی پر آتی ہے۔

اُن کے جواب میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ سوال دو معنیٰ میں آتا ہے، نمبر ۱ پوچھنا، نمبر ۲ مانگنا۔ سوال کے دو مفعولوں میں سے ایک پر جو "با" آتی ہے، وہ اس وقت ہوا کرتی ہے، جب سوال پوچھنے اور دریافت کرنے کے معنیٰ میں ہو، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا ۔ یعنی تو اس کے بارے میں کسی خبر رکھنے والے

سے پوچھ...... سوال مانگنے اور دعا کرنے کے معنی میں ہوتو ''با'' مُتَوَسَّلٌ بِہٖ (جس سے وسیلہ لیا جائے) پر داخل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ماثور دعاؤں میں اس کی شہادت موجود ہے۔

اور اگر بالفرض یہاں بھی یہی کہا جائے کہ ''با'' مفعولِ ثانی پر داخل ہے، تو اس حدیث رسول کے الفاظ مذکورہ کا کیا مطلب ہوگا؟ ''اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ'' اگر اس کا مطلب یہ لیں ''اَسْئَلُکَ اِجَابَۃَ السَّائِلِیْنَ'' یعنی مَیں تجھ سے سائلوں کی اجابت اور قبولِ دعا کا سوال کرتا ہوں...... تو عرض ہے کہ ''حق'' کا معنی اجابت اور قبولیت ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ حقِ سائلین سے مراد مَا یَسْتَحِقُّہُ السَّائِلُوْنَ الْمُتَضَرِّعُوْنَ فَضْلًامِّنَ اللّٰہِ وَسُبْحَانَہٗ۔ یعنی خدا کے فضل وکرم سے یہ عاجزی کرنے والے سائل جس چیز کے مستحق ہوں، وہی حقِ سائلین ہے۔

حضراتِ گرامی! جب یہ محقق ہوگیا کہ حق کا معنی اجابت وقبول نہیں، تو ''بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ'' ''اَسْئَلُکَ'' کا مفعولِ ثانی ہو ہی نہیں سکتا...... وسیلہ کے منکرین کے خیالِ فاسد کی حقیقت اس وقت اور واضح ہوجاتی ہے جب بعد کے الفاظ بھی پیشِ نظر ہوں۔ اس جملے کے بعد اس پر یہ جملہ معطوف ہے ''وَاَسْئَلُکَ بِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا۔ الخ'' کیا یہاں بھی ہمارے حریف کہیں گے کہ بندہ دعا کررہا ہے کہ مَیں اپنے اس چلنے کا حق مانگتا ہوں؟...... اَسْئَلُکَ کی تکرار تاکید کے لیے ہے، اور تاکید کے لیے فعل کی تکرار کوئی نادر چیز نہیں۔ کلامِ عرب میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں...... تو فعل اخیر سے جو مطلوب ہے وہی پہلے فعل سے بھی مطلوب ومقصود ہے۔

بہرکیف احادیث کریمہ کی روشنی میں بھی یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہوگیا کہ انبیا واولیا اور صلحا کے وسیلے کا انکار کرنے والوں کے پاس کوئی معمولی دلیل بھی نہیں، اور وسیلہ کو جائز ماننے والے اہلِ ایمان کو مشرک گردانا، گمراہی کے سوا کچھ

بھی نہیں...... صدیوں سے امتِ مسلمہ توسّل وزیارت پر کار بند رہی ہے۔ اس کے انکار کی بدعت ابن تیمیہ حرانی نے پھیلائی، اس وقت کے علمانے اس بدعت کا قلع قمع کر دیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ابن تیمیہ کی بلاؤں سے بے خبر، اس سے متاثر افراد میں آج بھی یہ فتنہ پایا جارہا ہے۔

وسیلہ اور اقوالِ سلف

اسلامی بھائیو! ہمارے اسلاف کرام کے اقوال وارشادات اس باب میں بے شمار ہیں، جو قلوب واذہان کی بند کھڑکیوں کو، حق قبول کرنے کے لیے کھول دینے کے لیے کافی ووافی ہیں۔ یہاں پر ہم بطور اختصار چند ایسی معزز ہستیوں کے اقوال وارشادات پیش کرتے ہیں، جو پوری ملّتِ اسلامیہ کے نزدیک اپنے فضل وکمال، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت اور کشف وکرامات کے باعث واجبُ الاِحترام، قابلِ اطمینان اور لائقِ تعظیم وتوقیر ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۵۰ھ)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مسند کے کتاب الحج میں نافع سے اور وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ سُنّت یہ ہے کہ تم پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور پر قبلہ کی طرف سے آؤ۔ اور اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف کرلو، اور اپنا رُخ قبرِ انور کی طرف پھیرلو۔ پھر کہو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۷۹ھ):

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "شفاء السقام" میں

صفحہ ۱۵۶ پر اسنادِ صحیح کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں، کہ جب عباسی خلیفہ منصور حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر روضۂ انور کی زیارت کے لیے مدینہ شریف حاضر ہوا، تو اس نے مسجدِ نبوی میں حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ اے ابوعبداللہ! مَیں قبلہ شریف کی طرف متوجہ ہوکر دعا مانگوں، یا رسول کائنات ﷺ کی طرف متوجہ ہوکر دعا کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا، اے خلیفہ! تم اپنے چہرے کو محبوبِ کبریا کی طرف سے کیسے پھیر سکتے ہو، جب کہ وہ تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی وسیلہ ہیں۔ لہٰذا تم مزارِ رسول کی طرف رُخ کر کے رحمتِ عالم ﷺ کے وسیلے سے مغفرت کی دُعا مانگو، اور اُن کو بارگاہِ خداوندی میں اپنا شفیع بناؤ۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے وسیلے سے تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ (متوفی ۲۰۴ھ)

حضرت حافظ ابوبکر خطیب بغدادی علیہ الرحمہ اپنی معرکۃ الآرا ''کتاب التاریخ'' کی جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۱۳۳ پر سند صالح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن دنوں بغداد میں ہوتے، حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بناتے تھے۔ چنانچہ وہ آپ کے مزار شریف پر تشریف لاتے، زیارت کرتے، سلام کرتے، پھر قضائے حاجات کے واسطے آپ کے وسیلے سے بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے ...... علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف لطیف ''الصواعق المحرقہ'' میں صفحہ ۱۸۰ پر حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا وہ شعر بھی نقل کیا ہے جس میں آپ نے اہلِ بیت نبوت کو وسیلہ بنایا ہے۔

اٰلُ النَّبِیِّ ذَرِیْعَتِیْ وَهُمْ وَسِیْلَتِیْ
اَرْجُوْا بِهِمْ اُعْطٰی غَدًا بِیَدِالْیُمْنِ صَحِیْفَتِیْ

یعنی آلِ نبی (دربارِ الٰہی میں) میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، مجھے اُمید ہے کہ ان

کے وسیلے سے کل قیامت کے دن میرا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ (متوفی ۲۴۱ھ)

حضرت علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمہ ''شواہد الحق'' میں صفحہ ۱۶۶ پر یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بنایا، تو آپ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن احمد کو آپ کے اس فعل پر تعجب ہوا، تو آپ نے صاحب زادے سے فرمایا کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے لیے سورج کی طرح ہیں۔

شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ

اب میں آپ حضرات کے سامنے شیخ المشائخ حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتاب ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کا ایک اقتباس (بزبانِ اُردو) مع توضیحات وتشریحات من وعن پیش کرتا ہوں، یہ وہ بزرگ اور شیخ المشائخ ہیں، جنہیں منکرینِ وسیلہ بھی اپنا پیر اور پیشوا مانتے ہیں۔ سماعت فرمائیں، حاجی صاحب لکھتے ہیں:

''یہاں سے معلوم ہوگیا ہے حکم وظیفہ ''یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ'' کا، لیکن اگر شیخ کو متصرف حقیقی سمجھے تو منجر الی الشرک ہے، ہاں اگر وسیلہ وذریعہ جانے، یا ان الفاظ کو بابرکت سمجھ کر خالی الذہن ہوکر پڑھے، کچھ حرج نہیں۔ یہی تحقیق ہے اس مسئلہ میں۔''

اور وہ حکمِ شرعی کیا ہے؟ یہی کہ ان سے توسّل کرنا، شرعاً جائز ومرغوب ومحبوب ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں ہمارا وسیلہ، ذریعہ اور قضائے حاجات کا ذریعۂ قویہ ہیں، امام شیخ الاسلام شہاب الدین رملی انصاری کے فتویٰ میں ہے:

"سُئِلَ عَمَّا يَقَعُ مِنَ الْعَامَّةِ مِنْ قَوْلِهِمْ عِنْدَ الشَّدَائِدِ يَا شَيْخُ فُلَان وَنَحْوِ ذَالِكَ مِنَ الْاِسْتِغَاثَةِ الخ یعنی ان سے استفتا ہوا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت انبیاو مرسلین، اولیاوصالحین سے فریاد کرتے اور یارسول اللہ! یاعلی! یا شیخ عبدالقادِرِ الْجِيْلَانِي اوران کے مثل کلمات کہتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اولیا بعد انتقال بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک انبیاو مرسلین اور اولیاو علما سے مدد مانگنا جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی مدد فرماتے ہیں:

علامہ خیر الدین رملی، استاذ صاحب درمختار فتاوائے خیریہ میں فرماتے ہیں، قَوْلُهُمْ يَا شَيْخُ عَبْدُالْقَادِرِ نِدَاءٌ فَمَا الْمُوْجَبُ لِحُرْمَتِهٖ، یعنی لوگوں کا کہنا ہے کہ یا شیخ عبدالقادر، یہ ایک ندا ہے، پھر اس کی حرمت کا سبب کیا ہے۔

سیدی جمال بن عبداللہ بن عمر مکی اپنے فتاوے میں فرماتے ہیں، سُئِلْتُ عَمَّنْ يَقُوْلُ فِي حَالِ الشَّدَائِدِ يَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ،اویاعلی،اویا شیخ عبدالقادر، مثلاً الخ یعنی مجھ سے سوال ہوا اس شخص کے بارے میں، جو مصیبت کے وقت میں کہتا ہے یارسول اللہ! یاعلی! یا شیخ عبدالقادر! مثلاً آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں نے جواب دیا" ہاں اولیا سے مدد مانگنا اور انہیں پکارنا اور ان کے ساتھ توسل کرنا، شرع میں جائز اور پسندیدہ چیز ہے، جس کا انکار نہیں کرے گا مگر ہٹ دھرم یا صاحب عناد۔ اور بے شک وہ اولیائے کرام کی برکت سے محروم ہے۔"

خود حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ" جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے، وہ تکلیف رفع ہو، اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ سختی دور ہو۔ اور جو کسی حاجت میں، اللہ کی طرف مجھ سے توسل کرے وہ حاجت بر آئے۔ اور جو دو رکعت نماز ادا کرے، ہر رکعت میں بعد فاتحہ سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھے، پھر سلام پھیر کر نبی ﷺ پر دُرود و سلام بھیجے، پھر عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلے، ان میں میرا نام لیتا جائے اور اپنی حاجت

یاد کرے۔اس کی وہ حاجت رَوا ہو۔"

اکابر اولیا کرام و علما عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اپنی تصانیف جلیلہ میں یہ کلماتِ رحمت آیات، حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل و روایت فرماتے آئے ہیں۔

قضائے حاجت کے لیے یہ ایک مجرب نماز ہے جو علما و صوفیا اور اولیا ہمیشہ پڑھتے آئے ہیں۔اس نماز کا نام صلوٰۃ الاسرار ہے، جو امام ابوالحسن نورالدین علی بن جریر لخمی شطنوفی مصنف "بہجۃ الاسرار" ہیں (کہ اعظم علما و ائمۂ قرأت و اکابر اولیا و ساداتِ طریقت سے ہیں اور حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک صرف دو واسطے رکھتے ہیں) کتاب "بہجۃ الاسرار" میں، اور ملاّ علی قاری و شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔اس کی ترکیب یہ ہے کہ بعد نمازِ مغرب سُنّتیں پڑھ کر دو رکعت نمازِ نفل پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ الحمد کے بعد ہر رکعت میں گیارہ گیارہ بار قُل ھو اللّٰہ پڑھے۔ سلام کے بعد اللہ عزوجل کی حمد و ثنا کرے۔ پھر نبی کریم ﷺ پر گیارہ بار دُرود و سلام عرض کرے۔ (خواہ دُرود کا صیغہ کوئی بھی ہو) پھر گیارہ بار یہ کہے: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَغِثْنِیْ وَاَمْدِدْنِیْ فِیْ قَضَاءِ حَاجَتِیْ یَا قَاضِیَ الْحَاجَات ،یعنی اے اللہ کے رسول! اے اللہ کے نبی! میری فریاد کو پہنچیے اور میری مدد کیجیے۔میری حاجت پوری ہونے میں، اے تمام حاجتوں کے پورا کرنے والے۔پھر عراق شریف کی جانب گیارہ قدم چلے، ہر قدم پر یہ کہے: یَا غَوْثَ الثَّقْلَیْنِ وَ یَا کَرِیْمَ الطَّرْفَیْنِ اَغِثْنِیْ وَاَمْدِدْنِیْ فِیْ قَضَاءِ حَاجَتِیْ یَا قَاضِیَ الْحَاجَات۔پھر حضور کے توسّل سے اللہ عزوجل سے توبہ کرے۔

علامہ علی قاری فرماتے ہیں: وَقَدْ جُرِّبَ ذَالِکَ مِرَارًا فَصَحَّ۔یعنی بے شک یہ بارہا تجربہ کیا گیا، ٹھیک اُترا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو باتیں ارشاد فرمائیں، شیخ کو متصرف

حقیقی سمجھے تو مُنْجَرٌ اِلَی الشِّرْکِ ہے۔ شیخ کو وسیلہ وذریعہ جانے تو کوئی حرج نہیں۔ ہم ان دو مختصر فقروں کی اجمالی تفصیل پر اکتفا کرتے ہیں کہ اہلِ انصاف کے لیے اتنا ہی کافی اور حنیف و معاند کو دفاتر بھی ناکافی۔

استعانت کی دو صورتیں ہیں: استعانتِ حقیقیہ۔ استعانتِ غیر حقیقیہ۔

استعانتِ حقیقیہ یہ کہ اس سے مدد چاہے، اسے قادر بالذات و مالکِ مستقل اور غنی بے نیاز جانے، کہ بے عطائے الٰہی وہ خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا ہے۔ وہی کارسازِ حقیقی ہے اور اپنی حدِ ذات میں کسی کا محتاج نہیں۔ یہ استعانت خواہ بلاواسطہ ہو یا آلات وخدام واحباب کے واسطے سے، ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کہ وہی مستعانِ حقیقی ہے، وہی مالکِ حقیقی اور کارسازِ حقیقی ہے، وہی مسبّب الاسباب ہے، اور اسی کے دستِ قدرت میں کارخانۂ عالم کا تمام نظام، اسی نے عالَمِ اسباب میں مُسبّبات کو اسباب سے مربوط فرمادیا ہے۔ اور اسی کے حکم سے تمام نتائج، اسباب سے وابستہ ہیں۔

اور اس معنیٰ کے اعتبار سے کسی اور کو مستعان وفریادرس اور کارسازِ حقیقی جاننا اور اس معنیٰ کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد رکھنا، ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے۔ نہ ہرگز کوئی مسلمان، غیر خدا کے ساتھ اس معنیٰ کا قصد رکھتا ہے۔

دوسری استعانتِ غیر حقیقی، کہ جس سے استعانت کی جائے، جس سے آدمی مدد کا خواستگار ہو، اور جس کی توجہ والتفات یا حاجت برآری کا خواہاں ہو، ان سب کو عونِ الٰہی کا مظہر، وصولِ فیض کا ذریعہ اور قضائے حاجات کا وسیلہ وواسطہ جانے، اور یہ قطعاً حق ہے، خود رب العزت تبارک وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا: وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

بایں معنیٰ استعانت بالغیر، ہرگز اس حصر کے منافی نہیں۔ جو اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے ہویدا ہے۔ تو اگر کسی بندۂ مقبول ومحبوب کو محض رحمتِ الٰہی کا واسطہ اور عونِ الٰہی

کا مظہر و وسیلہ جان کر کسی نعمت کے حصول، یا کسی مشکل میں دست گیری کے لیے بندۂ مومن، التجا و التماس لائے اور انہیں نہ کارسازِ حقیقی جانے نہ مستعانِ حقیقی بلکہ ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارکن دیکھے، تو یہ نہ صرف جائز و مشروع ہے بلکہ اکابرِ دین وملّت اور پاکبازانِ شریعت کا دستور و معمول رہا ہے۔ جس کی ہزار ہا مثالیں کتب معتبرہ میں مذکور ہیں۔

اس لیے یہ سمجھنا کہ اولیا و انبیا سے مدد چاہنا مطلقاً شرک ہے۔ ایک عقیدۂ باطلہ ہے، کیوں کہ مقربانِ بارگاہِ الٰہی کی امداد، امدادِ الٰہی ہے۔ اور یہ استعانت درحقیقت حق تبارک وتعالیٰ ہی سے استعانت ہے، استعانت بالغیر ہرگز نہیں۔ اور نہ وایاک نستعین کے ہرگز یہ معنیٰ ہیں، کہ عالمِ اسباب میں رہتے ہوئے اسباب سے قطع نظر کرلیا جائے۔ تو استعانت و فریادرسی کی حقیقت خاص بخدا ہے۔ اور بمعنیٰ وسیلہ و توسط و توسّل، غیر کے لیے ثابت اور قطعاً روا ہے۔ بلکہ یہ معنیٰ تو غیر خدا ہی کے لیے خاص ہیں۔ اللہ عزوجل وسیلہ و واسطہ بننے سے پاک ہے، اس سے اوپر کون ہے کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا۔ اور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے کہ یہ بیچ میں واسطہ بنے گا۔ خواہی نخواہی اس استعانت کو بھی ایاک نستعین میں داخل کر کے، جو اللہ عزوجل کے حق میں محالِ قطعی ہے، اسے اللہ عزوجل سے خاص کیے دیتے ہیں، اور اتنا نہیں سمجھتے کہ ہم خدا سے توسّل کر کے، اسے کسی کے یہاں وسیلہ و ذریعہ اور قضائے حاجات کا واسطہ نہیں بنا سکتے، اسی وسیلہ کو ہم اولیائے کرام سے مانگتے ہیں، کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں ہمارا وسیلہ و ذریعہ و واسطۂ قضائے حاجات ہو جائیں۔

ایک بے وقوف بدعقیدہ نے کہا تھا ؎

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیا سے

امامِ اہلِ سُنّت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے اس کا جواب یہ ارشاد فرمایا کہ

توسُّل کر نہیں سکتے خدا سے
اسے ہم مانگتے ہیں اولیا سے

قرآن وحدیث اور اقوالِ سلف کی روشنی میں یہ مسئلہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب ومقبول بندوں کو وسیلہ بنانا جائز، مشروع اور عین اسلامی فعل ہے، لہٰذا جو لوگ ایسا عقیدہ رکھتے ہیں وہ یقیناً ایمان والے ہیں، بارگاہِ الٰہی میں ان کے اعمال محبوب ومحمود ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے اعمال میں اللہ اور اس کے رسول کے فرماں بردار ہیں۔ قرآن وحدیث کے مطابق جو لوگ خالقِ کائنات عزّ وجل اور رسولِ کائنات ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری کریں گے، وہی لوگ دنیا وآخرت میں بامراد اور کامیاب ہوں گے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ انبیا ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مقدّس ذاتوں کو وسیلہ بنانا شرک اور اس کا معتقد مشرک ہے۔ درحقیقت وہ لوگ خدا اور رسول اور صحابۂ کرام کی تکذیب کرتے ہیں۔ کیوں کہ شرک اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی کو شریک ماننے یا اس کی صفاتِ خاصہ میں کسی کو شریک ٹھہرانے کا نام ہے، اور توسّل نہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے اور نہ ہی اس کے افعال سے بلکہ یہ خاصہ بندوں کی خصوصیات سے ہے۔ دعا ہے کہ پروردگارِ عالم اپنے فضل وکرم اور اپنے محبوب پاک صاحب لولاک ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے ہم سب کو دونوں جہان کی نعمتوں سے سرشار اور سرفراز فرمائے۔ آمین

وما علینا الا البلاغ المبین

❖❖❖❖

پانچویں تقریر

فلاحِ کونین

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ بِالْهُدٰی اَرْسَلَهٗ رُسُلَهٗ ٥ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهِ الَّذِیْ اَوْضَحَ سُبُلَهٗ ٥ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ اَعَدَّاللّٰهُ لَهُمْ نُزُلَهٗ ٥ وَعَلٰی اَوْلِیَائِهِ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ فَاَصَابُوْا فَضْلَهٗ ٥

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (پ٦، ع١٠) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

معزز سامعین کرام! قابلِ قدر بزرگو دوستو، نوجوان ساتھیو! اس سے قبل کہ میں آیتِ مبارکہ کے متعلق کچھ عرض کروں، بہتر وضروری سمجھتا ہوں کہ آیئے سب سے پہلے انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ اپنے آقا و مولیٰ، آفتابِ رسالت، ماہتابِ نبوت، کونین کی زینت، غمگسارِ امت، صاحبِ شریعت، مالکِ جنت، محسنِ انسانیت، کونین کے مختار، دونوں عالم کے تاج دار، شفیعِ روزِ شمار، بے قراروں کے قرار، فخرِ موجودات، خلاصۂ کائنات، جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے دربارِ شاہانہ میں دُرود شریف کا نذرانہ پیش کریں اور جھوم جھوم کر پڑھیں۔

اَللّٰهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَا

نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَا

خیرات دیتا ہے خدا، ہر وقت تیرے نام کی
جس کو ملا، جو کچھ ملا، جتنا ملا، صدقہ تیرا
یا مصطفےٰ یا مجتبیٰ بھر دیجیے کاسہ میرا
کردو کرم، رکھ لو بھرم، سائل ہوں مَیں ادنیٰ تیرا

تمہید

محبانِ گرامی! دنیا میں جتنے بھی ادیان و مذاہب ہیں، سب کا اصل مقصد یہی بیان کیا جاتا ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک معبودِ حقیقی تک پہنچ جائے اور اُس کی رضا و خوشنودی حاصل کر سکے۔ یہی مقصد لے کر راجاؤں نے راج اور بادشاہوں نے شاہی تخت و تاج کو لات مار کر جنگلوں اور بیابانوں کو اختیار کر لیا اور دیدارِ الٰہی کی حسرت میں پروانہ وار پھرتے رہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

جنت میں بھیج یا مجھے دوزخ میں ڈال دے
جلوہ دکھا کے پر میری حسرت نکال دے

یعنی اے پروردگار! تُو میرا خالق و مالک ہے، اور مَیں تیرا بندہ ہوں، مَیں ہر حال میں تیری رضا پر راضی ہوں، تجھے اختیار ہے کہ تُو مجھے جنت میں بھیج دے، یا مجھے دوزخ میں ڈال دے، لیکن میرے دل کی تمناؤں کا مرکز اور میری حسرتوں کا کعبۂ مقصود تو صرف اس قدر ہے کہ تو مجھے اپنے دیدارِ پُر انوار کا ایک جلوہ دکھا دے۔

اس دنیا میں بسنے والا انسان، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، غلام ہو یا آقا، ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، بخیل ہو یا سخی، بوڑھا ہو یا جوان، کمزور ہو یا پہلوان، سیاست کا نگہبان ہو یا حکومت کا پاسبان، رعایا ہو یا جاگیردار، مجرم ہو یا تھانے دار، حاکم ہو یا محکوم، خادم ہو یا مخدوم، مرید ہو یا پیر، غریب ہو یا امیر، بادشاہ ہو یا وزیر، ہندوستانی ہو یا

پاکستانی، سعودی ہو یا ترکستانی، عراقی ہو یا ایرانی، امریکی ہو یا افغانی، روسی ہو یا جاپانی، مصری ہو یا چینی، اسرائیلی ہو یا فلسطینی، عربی ہو یا عجمی، مشرقی ہو یا مغربی، شمالی ہو یا جنوبی، فرشی ہو یا عرشی۔۔ اجی! مسٹر ہو یا ماسٹر، جج ہو یا کلکٹر، حافظ ہو یا قاری، عالم ہو یا جاہل، مفتی ہو یا مستفتی، حاجی ہو یا قاضی، مدرّس ہو یا مفسّر۔محرر ہو یا مؤرخ، خطیب ہو یا مقرر، مؤلف ہو یا مصنف، حنفی ہو یا حنبلی، مالکی ہو یا شافعی، سہروردی ہو یا نقشبندی، چشتی ہو یا قادری۔

یعنی صدیقِ اکبر ہوں یا فاروقِ اعظم، عثمانِ غنی ہوں یا مولیٰ علی، عمر بن عبدالعزیز ہوں یا حسن مجتبیٰ، حسین اعظم ہوں یا شہدائے کربلا، امام اعظم ہوں یا غوث اعظم، غریب نواز ہوں یا بندہ نواز گیسو دراز، امام مسلم و امام بخاری ہوں یا سید ظفر الدین بہاری، فرید الدین ہوں یا بابا تاج الدین، قطب عالم ہوں یا شاہ عالم، محدث سورتی ہوں یا محدث دہلوی، محدث کچھوچھوی ہوں یا محدث الف ثانی، ہارون رشید ہوں یا خواجہ عثمان ہارونی، علاء الحق پنڈوی ہوں یا حضرت آسی، شاہ مینا ہوں یا یحییٰ منیری، اجمل شاہ ہوں یا خطیب الہند سنبھلی، اورنگ زیب عالمگیر ہوں یا صابر کلیری، نظام الدین اولیاء ہوں یا عبدالقادر بدایونی، شاہ برکات ہوں یا سید سالار مسعود غازی، حاجی ملنگ ہوں یا حاجی علی، صدر الشریعہ ہوں یا حجۃ الاسلام، حافظِ ملت ہوں یا مجاہد ملت، صدر الافاضل ہوں یا بختیار کاکی، مخدومِ بہار ہوں یا مخدوم سمنانی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ہوں یا امام غزالی، محدث اعظم ہوں یا مفتیِ اعظم، چاہے جو بھی ہوں، ہر ایک کے دل میں یہ تمنا ضرور ہوتی ہے کہ اُن سے اللہ اور اس کے رسول راضی ہو جائیں۔

حضرات! خطبۂ مسنونہ کے بعد مَیں نے جس آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے، اُس میں خدائے قدیر و بصیر اس بات کی طرف اشارہ فرما رہا ہے کہ فلاحِ دارین کی کنجی کیا ہے؟ خدا کی رضا حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ چنانچہ رب

کائنات کا ارشادِ گرامی ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِی سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔یعنی اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور اُس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اُس کی راہ میں جہاد کرو اِس اُمید پر کہ فلاح پاؤ۔

حضرات! قرآن کریم ہمیں درس دے رہا ہے کہ فلاح یعنی خدا تک پہنچنے کے لیے چار منزلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔

(۱) پہلی منزل ایمان کی ہے، یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی اے ایمان والو!

(۲) دوسری منزل خوفِ خدا کی ہے، اِتَّقُوا اللّٰہ ۔یعنی اللہ سے ڈرو۔

(۳) تیسری منزل وسیلہ ہے، وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ یعنی اُس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

(۴) چوتھی منزل جہاد ہے، وَجَاھِدُوْا فِی سَبِیْلِہٖ یعنی اُس کی راہ میں جہاد کرو۔

پہلی منزل ایمان ہے

یہ لفظ تو ہم روزانہ بولتے رہتے ہیں مگر اِس کے معانی اور مفاہیم پر غور نہیں کرتے، اِس کی عظمتوں کو نہیں سمجھتے۔

یہی ایمان تو شریعت وطریقت، حقیقت ومعرفت کی اصل جان ہے۔ یہی ایمان تو رب کی رضا حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ یہی ایمان تو دینِ مصطفوی کی عظیم الشان عمارت کا سنگِ بنیاد ہے۔ یہی ایمان تو قبولیتِ اعمال کا دارومدار ہے۔ یہی ایمان تو نجات کا سبب ہے۔ یہی ایمان تو دائمی عذاب سے بچانے کا ضامن ہے۔ یہی ایمان تو اُخروی زندگی کا قیمتی سامان ہے۔ یہی ایمان تو مومن کی کامیابی کا سرچشمہ ہے۔ یہی ایمان تو مومن کا حاصلِ زندگی ہے۔ یہی ایمان تو فلاحِ دارین کی کنجی ہے۔

ایمان عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا اُردو میں ترجمہ ہے "مان لینا" قرآن شریف میں بہت سی جگہ امنوا کا لفظ آیا ہے۔ اللہ اور رسول کو جان لینا اور پہچان لینا اور بات ہے، اور دل سے مان لینا اور بات ہے۔

ماننے والا جب کسی کو مان لیتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ بلبل پھول کو مان گیا..... چکور چاند کو مان گیا..... پروانہ شمع کو مان گیا۔ دنیا کی کوئی طاقت بلبل کو پھول سے متنفر نہیں کر سکتی۔ دنیا کی کوئی طاقت چکور کو چاند سے متنفر نہیں کر سکتی۔ دنیا کی کوئی طاقت پروانے کو شمع سے متنفر نہیں کر سکتی۔

یہیں سے بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ جو اللہ اور رسول کو مان لیتا ہے، دنیا کی کوئی طاقت اس کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ ہزار طوفان آئیں، لاکھوں آندھیاں چلیں، زمین پھٹ جائے، آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ مگر مؤمن کا رشتۂ ایمان توڑنا بہت مشکل ہے۔

مؤمن اپنا تخت و تاج چھوڑ سکتا ہے۔ مؤمن اپنا مال برباد کر سکتا ہے۔ مؤمن اپنی اولاد قربان کر سکتا ہے۔ مؤمن اپنی جان کی بازی لگا سکتا ہے۔

مگر..... اپنا قیمتی ایمان نہیں دے سکتا ہے۔ آسمانِ رشد و ہدایت کے ستارے صحابۂ کرام کے مقدس جسموں پر کوڑے برسائے گئے، انگاروں پر لٹائے گئے، سولیوں پر لٹکائے گئے، چٹائیوں میں لپیٹ کر اُن کی ناکوں میں دھواں پہنچایا گیا، گرم گرم ریت پر لٹائے گئے، سینوں پر بھاری بھرکم پتھر رکھے گئے، بیویوں اور اولاد سے جدا کیے گئے۔ وطن عزیز سے دور کیے گئے۔ اُن کے ایمان کو برباد کرنے کے لیے اُن ظالم کفار و مشرکین نے ہر قسم کے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ مگر یہ اللہ و رسول کو ماننے والے اُحد، اُحد کے نعرے لگاتے رہے۔ اور صبر و استقامت کے پہاڑ بن کر مصطفٰے کی غلامی کا پٹہ اپنی گردنوں میں ڈالے رہے۔

؎ یہ وہ نشہ نہیں جسے تُرشی اُتار دے

چھٹ جائے اگر دولتِ کونین تو کیا غم
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامانِ محمد

استقامت ایمان کی حکایت

محبانِ گرامی! مجاہدین کی استقامتِ ایمان کا اندازہ آپ اِس حکایت سے بھی کر سکتے ہیں۔ جنگِ شام میں حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسّی مجاہدین کے ساتھ ملک روم کے عیسائیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تو بادشاہِ روم ہرقلِ اعظم دولت وحکومت کا لالچ دیتے ہوئے کہنے لگتا ہے۔ اے عبداللہ! اگر تم ہمارا عیسائی مذہب قبول کرلو، تو مَیں تم کو اپنی آدھی سلطنت کا مالک بنا دیتا ہوں اور اپنی حسین و جمیل لاڈلی بیٹی سے تمہاری شادی بھی کر دیتا ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بادشاہِ روم کی یہ پیش کش ٹھکراتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اے ہرقل اعظم! تیری بیٹی کی کیا حقیقت اور تیری بادشاہت کی کیا اہمیت ہے۔ میرے ایمان کا جذبہ تو یہ ہے کہ زمین وآسمان کی بادشاہت کو مَیں اللہ ورسول کی محبت پر قربان کرتا ہوں۔

شاہِ روم غصّے میں آ کر کہنے لگتا ہے۔ اے عبداللہ! اگر تم ہمارا عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے ہو، تو یاد رکھو اور خوب کان کھول کر سُن لو، کھولتے ہوئے تیل کی کڑاہی میں تم سب کو ڈال دوں گا۔

حضرت عبداللہ نہ گھبراتے ہیں، نہ سہمتے ہیں، بلکہ بڑے اطمینان وسکون کے ساتھ جواب دیتے ہیں، اے ہرقل اعظم! تو بھی کان کھول کر سُن لے۔ ہمارے دلوں میں اللہ ورسول کی محبت کی وہ شمع روشن ہوگئی ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اُسے بجھا نہیں سکتی۔

غلامانِ محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے کچھ پروا نہیں کرتے

ہمارے جسم میں جب تک خون کا آخری قطرہ باقی رہے گا، ہم اسلام پر قائم رہیں گے۔ ہم اپنی جانوں کی قربانی تو پیش کر سکتے ہیں، لیکن مصطفےٰ کا عطا کیا ہوا ایمان نہیں دے سکتے۔

جو جان مانگو تو جان دیں گے، جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر یہ ہم سے نہ ہو سکے گا نبی کا جاہ و جلال دیں گے

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کفر سوز اور ایمان افروز جواب سُن کر شاہِ روم مجاہدین کو کھولتے تیل میں ڈالنے کا حکم صادر کر دیتا ہے۔

چنانچہ جب کڑاہی میں تیل کھولنے لگتا ہے، بادشاہ کے حکم کے مطابق قید خانے سے لا کر پہلے ایک مجاہد کو حضرت عبداللہ کے سامنے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ وہ جنتی مجاہد کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھتے ہوئے جامِ شہادت سے سرفراز ہو جاتے ہیں، انّا للہ و انا الیہ راجعون۔

بعدہٗ جلادوں نے حضرت عبداللہ بن حذافہ کو کھولتے تیل میں ڈالنا چاہا۔ تو حضرت عبداللہ رونے لگے، شاہِ روم پوچھنے لگتا ہے، کیوں روتے ہو؟ آپ بڑے باوقار انداز میں جواب دیتے ہیں، اے ہرقل! تم اپنے دل میں کبھی یہ گمان بھی نہ کرنا کہ مَیں اپنی جان کی خاطر رو رہا ہوں، بلکہ مَیں اس لیے رو رہا ہوں کہ میری ایک ہی جان ہے جو اسلام کے نام پر قربان ہو رہی ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں یہ میرا کتنا حقیر تحفہ ہے۔ اے کاش! مجھے اس طرح ہزاروں جانیں ملی ہوتیں اور میری ہر ایک جان اس طرح راہِ خدا میں قربان ہو جاتی تو میرے لیے رضائے الٰہی کا کچھ سامان ہو جاتا۔۔۔۔۔۔۔ حضرت عبداللہ کا جواب سُن کر شاہِ روم حیران ہو جاتا ہے اور متاثر ہو کر جلادوں کو حکم دیتا ہے اِن لوگوں کو جیل خانے میں بند کر دو اور کچھ دنوں تک سوچنے کا موقع دے دو۔

اتنے میں امیر المومنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ملتی ہے۔

ایک قاصد کے ہاتھ سے شاہِ روم کے پاس اپنا ایک خط بھیجتے ہیں۔ اے ہرقل! میرا یہ خط ملتے ہی عبداللہ بن حذافہ کو مع مجاہدین رہا کردے، ورنہ میں تیرے پاس ایسے جوان مردوں کا لشکر بھیج دوں گا، جو تجھے مزہ چکھانے کے لیے کافی ہوگا۔

جیسے ہی حضرت فاروقِ اعظم کا خط ملتا ہے۔ شاہِ روم ہرقل اعظم خط پڑھ کر فوراً سارے مجاہدین کو رہا کردیتا ہے۔

حضرت بلال کی استقامت ایمان

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ ناپاک ابن خلف رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ آپ کے خون کا پیاسا تھا۔ جب امیہ بن خلف کو معلوم ہوا کہ بلال مسلمان ہوچکے ہیں تو بغض وعناد میں جل بھن کر اُن پر سختیاں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ کی پشت پر کوڑے برسائے جاتے۔ جب پیٹھ زخمی ہوجاتی تو وادیِ مکہ کی گرم گرم ریت پر آپ کو لٹا کر گرم پتھر آپ کی مقدس چھاتی پر رکھ دیا جاتا، جس کی وجہ سے آپ کی زبان منہ سے باہر نکل جاتی۔ مشکیں باندھ کر لکڑیوں سے پیٹتا، چلچلاتی تیز دھوپ میں بٹھا کر ایذائیں پہنچاتا۔

ان کی گردن پر رسّی ڈال کر لڑکوں کو دیتا اور وہ شریر لڑکے اُن کو مکہ کی پہاڑیوں پر لیے پھرتے۔ گردن پر رسّی کا نشان نمایاں ہوجاتا۔ مگر ان سب تکالیف کے باوجود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَحَد، اَحَد کے نعرے لگاتے اور زبان حال سے یہ کہتے، یارسول اللہ! ؎

حلق پر تیغ رہے، سینے پر جلاد رہے
لب پہ تیرا نام رہے، دل میں تیری یاد رہے

یہ تھے ہمارے اسلاف کے اسلامی جذبے، کہ جان جائے تو جائے مگر ایمان

نہ جائے۔ لیکن آج کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ دنیا کی ایک کرسی کے لیے قرآن کی آیۃ الکرسی کو بیچ ڈالتے ہیں۔ کہنے کو تو یہ قوم کے لیڈر ہیں لیکن حقیقت میں خدا اور رسول سے اس قدر نڈر ہو گئے ہیں کہ حکومت کو خوش کرنے کے لیے کفار و مشرکین کے مرگھٹوں پر پھول چڑھاتے پھرتے ہیں۔ یہ ایسے ایمان فروش لیڈر ہیں کہ بتوں کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں۔ اسلامی احکام اور مذہبی فرائض سے کوسوں دور، غیر مسلموں کی چاپلوسی میں مسرور، انہیں نہ تو خدا کا خوف ہے اور نہ ہی نبی کی شرم۔ اس لیے تو سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

دن لہو میں کھویا کیے شب صبح تک سویا کیے
شرمِ نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

دوسری منزل خوفِ خدا ہے

ایمان کے بعد دوسری منزل خوفِ خدا ہے۔ چنانچہ رب کا فرمان عالی شان ہے: اِتقوا اللّٰہ۔ یعنی اللہ سے ڈرو۔

برادرانِ اسلام! خوب یاد رکھیے! ہر نیکی کا سرچشمہ اللہ سے ڈرنا ہے۔ اور ہر گناہ کا سرچشمہ اللہ سے نہ ڈرنا ہے۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے، وہ دن کی طرح رات کے اندھیرے میں بھی گناہ سے بچتا ہے۔ ہر حال میں مامورات کو بجالاتا ہے۔ منہیات سے بچتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (ترجمہ) یعنی جو شخص اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈر گیا، اور اپنے نفس کو نفسانی خواہشوں سے روک لیا، تو یقیناً جنت میں اُس کا ٹھکانہ ہے۔

اور جس کے دل میں اللہ کا ڈر نہیں ہوتا ہے، وہ مکان ہو یا دکان، تنہا ہو یا مجمع عام، ہر جگہ گناہ کرتا ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے۔ اور پھر جیسے جیسے وہ گناہ کرتا رہتا ہے، ویسے ویسے وہ دھبہ بھی بڑھتا رہتا ہے۔ پھر اگر بندہ اپنے رب کی بارگاہ میں سچی توبہ کرتا ہے، تو پروردگارِ عالم اُس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ سیاہ دھبہ بھی مٹ جاتا ہے۔

ریا شرکِ اصغر ہے

آج ہمارے اندر اور گناہوں کی طرح ریاکاری کا گناہ بھی بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ آج ریاکاری کو بہت معمولی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اس سے بچنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اس سلسلے کی یہ حدیث پاک سُنیے اور اپنی اصلاح آپ خود کیجیے۔

عَنْ مَحمودِ بنِ لَبِيدٍ اَنَّ النبيَّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قَالَ اَنَّ اَخْوَفَ عَلَيْكُمُ الشِرْكَ الْاَصْغَرَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِيَاءُ (احمد)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بارے میں جس چیز سے مَیں بہت ڈرتا ہوں، وہ شرکِ اصغر ہے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ! شرکِ اصغر کیا چیز ہے؟ فرمایا: ریا۔ یعنی دکھاوے کے لیے کام کرنا۔

ایک اور حدیثِ پاک سماعت فرمائے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ (مشکوٰۃ)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مَیں نے حضور ﷺ کو

فرماتے ہوئے سُنا کہ جس شخص نے دکھاوے کے لیے نمازیں پڑھیں اُس نے شرک کیا اور جس شخص نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا تو اُس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا تو اُس نے شرک کیا۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ

ہر عملے کہ بریا کند شرک است غایت آن کہ شرک جلی ست وخفی۔ شرک آشکارا بت پرستی کردن۔ ومرائی کہ برائے غیر خدا عمل میکند نیز بت پرستی می کند لیکن پنہائی چنانکہ گفتہ اند کُلُّ مَا صَدَّکَ عَنِ اللّٰهِ فَهُوَ صَنَمُکَ۔ (اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ، جلد چہارم صفحہ ۲۵۰)

یعنی جو کام دکھاوے کے لیے کرے، شرک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شرک کی دو قسمیں ہیں جلی اور خفی۔ بت پرستی کرنا کھلم کھلا شرک ہے (یہ شرک جلی ہے) اور ریاکار جو کہ غیر خدا کے لیے عمل کرتا ہے، وہ بھی پوشیدہ طور پر بت پرستی کرتا ہے۔ (یعنی یہ شرکِ خفی ہے) جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جو تجھے خدائے تعالیٰ سے روکے وہ تیرا بت ہے۔

ریاکار قاری، سخی، شہید کا انجام

اِس وقت مجھے ایک اور مشہور و معروف حدیث پاک یاد آ گئی۔ اسے بھی سُنتے چلیے۔ یہ ایسی حدیث پاک ہے کہ جب راویِ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اتنا کہہ ہی پائے تھے کہ خوف و دہشت سے بے ہوش ہو گئے۔ اس طرح تین مرتبہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر جب ہوش میں آئے، تو مخبرِ صادق ﷺ کا یہ فرمانِ عالی شان بیان فرمایا کہ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں ایک قاری، ایک سخی اور ایک

شہید حاضر ہوں گے۔

اللہ رب العزت اپنی نعمتوں کی یاد دلا کر قاری سے سوال فرمائے گا، میرے بندے! تُو نے میری نعمتوں کا کیا شکر ادا کیا؟ قاری عرض کرے گا۔ مولیٰ! مَیں نے علم سیکھا اور اَوروں کو بھی سکھایا۔ خداوندِ قدوس فرمائے گا، میرے بندے! اتنا اور بتا دے کہ تُو نے یہ ساری کارگزاری میری رضا کے لیے کی تھی یا اِس نیت سے کی تھی کہ لوگ تجھے قاری کہیں گے۔ عرض کرے گا مولیٰ میری نیت یہ تھی کہ لوگ مجھے قاری کہیں گے۔ پروردگارِ عالم فرمائے گا، مَیں نے تیرا یہ مقصد دنیا ہی میں پورا فرما دیا کہ ہر شخص سے تجھ کو قاری کہلا دیا۔ اب میرے پاس تیرے لیے کوئی ثواب نہیں ہے۔ اس کے بعد رب تعالیٰ کے حکم سے اُس شخص کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر اللہ رب العزت اپنی نعمتوں کی یاد دلا کر سخی سے سوال فرمائے گا، اے میرے بندے! تُو نے میری نعمتوں کا کیا شکر ادا کیا۔ عرض کرے گا، اے پروردگار! تُو نے مجھے دولت دی تھی۔ مَیں نے تیری راہ میں سب خرچ کر دیا۔ خداوندِ قدوس فرمائے گا، اتنا اور بتا دے کہ تُو نے کس نیت سے سخاوت کی تھی۔ وہ سخی ڈرتے ہوئے عرض کرے گا۔ مولیٰ! میری نیت تو یہی تھی کہ لوگ مجھے سخی کہیں گے۔ پروردگارِ عالم فرمائے گا، مَیں نے تیرا یہ مقصد دنیا ہی میں پورا فرما دیا کہ ہر شخص سے تجھے سخی کہلا دیا۔ اب تیرے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اُس شخص کو بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر شہید سے اللہ رب العزت اپنی نعمتوں کی یاد دلا کر سوال فرمائے گا۔ اے میرے بندے! بتا تُو نے میری نعمتوں کا کیا شکر ادا کیا؟ عرض کرے گا، اے پروردگار! مَیں تیری راہ میں جہاد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ خون کا آخری قطرہ اور زندگی کا آخری لمحہ بھی قربان کر کے شہید ہو گیا۔ خداوندِ قدوس فرمائے گا، اتنا اور

بتادے کہ تُو نے جہاد میری رضا کے لیے کیا تھا یا اپنے کو بہادر کہلانے کے لیے کیا تھا۔ وہ شہید ڈرتے ہوئے عرض کرے گا۔ اے پروردگار! میری نیت تو یہی تھی کہ لوگ مجھے بہادر کہیں گے۔ پروردگارِ عالم فرمائے گا، مَیں نے اپنے بندوں سے بہادر کہلا کر تیرا یہ مقصد دنیا ہی میں پورا فرمادیا۔ رب تعالیٰ کے حکم سے اُس ریاکار شہید کو بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اخلاص

حضرات! اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جس عمل میں اخلاص نہیں، وہ عمل قابلِ قبول نہیں۔ جس عبادت میں ریاکاری پائی جائے گی، وہ عبادت اُسی عبادت گزار کے منہ پر ماردی جائے گی۔

ریاکار نمازی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ریاکار روزہ دار کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ریاکار حاجی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ریاکار سخی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ریاکار حافظ و قاری جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ ریاکار عالم و فاضل جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ ریاکار عابد و زاہد جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ ریاکار مجاہد و مناظر جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ ریاکار شہید و غازی جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ ریاکار ذاکر و شاکر جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔

ذکر جہری ہو یا سرّی، عبادت قولی ہو یا فعلی، ہر ایک میں اخلاص کی ضرورت ہے۔ آج ہمارے اندر اخلاص کی کمی ہے۔ ہمارے ہر کام میں شہرت و ریاکاری پائی جاتی ہے۔

اس لیے آج ہم عبادت کی لذّت و مٹھاس سے محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لیے آج ہم نورِ ایمان سے بے نور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لیے آج ہم نصرتِ الٰہی اور فتح و ظفر سے محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

مسلمانو! قرآن و حدیث پر اخلاص کے ساتھ عمل کرو۔ اپنے اسلاف کی سیرت و کردار کا مطالعہ کرو۔ اپنے بزرگوں کے طریقوں پر چلنے کی کوشش کرو۔

حضرت مشکل کشا کا اخلاص

فاتح خیبر، علی حیدر، داماد پیغمبر، شیر خدا، مشکل کشا رضی اللہ تعالی عنہ ایک دن میدان جہاد میں موجود ہیں۔ حق و باطل کی لڑائی جاری ہے۔ اسلام کا کٹر دشمن بہت بڑا نامور پہلوان آپ کے مقابلے میں آتا ہے اور بڑی جانفشانی سے آپ پر دو وار کرتا ہے۔ آپ بڑی ہوشیاری سے اُس کے دونوں وار سے بچ جاتے ہیں اور اچانک اُس پہلوان کا پٹکا پکڑ کر اِس طرح کا ایک جھٹکا دیتے ہیں کہ وہ پہلوان بدحواس ہو کر زمین پر گر پڑتا ہے۔

آپ جھپٹ کر اُس کی چھاتی پر سوار ہو جاتے ہیں اور تلوار سے اُس کا سر کاٹنے کا ارادہ فرماتے ہیں۔ قریب تھا کہ آپ اُس کا سر تن سے جدا کر دیتے۔ اتنے میں پہلوان زندگی سے مایوس ہو کر آپ کے چہرے پر تھوک دیتا ہے۔ آپ کو غصہ آ جاتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ اخلاص کا دامن نہیں چھوڑتے ہیں۔ تلوار میان میں رکھ کر فرماتے ہیں۔ اب میں تجھ کو قتل نہیں کروں گا۔ پہلوان حیران ہو کر پوچھنے لگتا ہے۔ اے علی! مجھے یہ فلسفہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آخر مجھ جیسے کٹر دشمنِ اسلام کو اپنے قابو میں پا کر بھی آپ کیوں چھوڑ رہے ہیں؟

آپ فرماتے ہیں، نادان! تُو نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں، اگر تُو اِس فلسفے کو سمجھ لیتا تو اسلام کے خلاف کبھی بھی تلوار نہیں اُٹھاتا۔ نادان سُن!

جب میں گھر سے جہاد کے لیے نکلا تو صرف رضائے الٰہی کے لیے۔ جب مَیں میدانِ کارزار میں تیرے سامنے آیا تو صرف رضائے الٰہی کے لیے۔ جب مَیں تیرے حملوں کو روک رہا تھا تو صرف رضائے الٰہی کے لیے۔ جب مَیں

تیرے سینے پر سوار ہوا تو صرف رضائے الٰہی کے لیے۔ جب مَیں نے تیرا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو صرف رضائے الٰہی کے لیے۔

لیکن جب تو نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میرا حال بدل گیا۔ آخر مَیں بھی ایک انسان ہی ہوں۔ میرے نفس میں جوشِ انتقام پیدا ہو گیا۔ اگر ایسی حالت میں مَیں تجھ کو قتل کر دیتا تو تیرا قتل آدھا رضائے الٰہی کے لیے ہوتا اور آدھا میرے نفس کے لیے ہو جاتا۔

محبانِ گرامی! حیدرِ کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان افروز جواب سُن کر وہ پہلوان اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اُسی وقت اپنی تلوار سے اپنی زُنار کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔ اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ آغوشِ اسلام میں آتے ہی علی الاعلان کہتا ہے۔ اے علی! گواہ رہنا کہ میری تلوار جو اَب تک اسلام کے خلاف میان سے نکلی تھی۔ اب زندگی بھر یہ تلوار اسلام کی نصرت وحمایت کے لیے بے نیام رہے گی۔

عابد اور شیطان کی جنگ

ایک گاؤں کے کچھ لوگ شیطان کے بہکاوے سے ایک درخت کی پوجا کرنے لگے۔ اُسی گاؤں کے عابد صاحب، جو ہر وقت عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ ان لوگوں کی یہ کفریہ حرکت دیکھ کر جلال میں آجاتے ہیں اور ایک کلہاڑی لے کر اُس درخت کو کاٹنے کے لیے چل دیتے ہیں۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" راستے میں شیطان سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ شیطان کہنے لگتا ہے، عابد صاحب! کسی بھی صورت میں مَیں اِس درخت کو کاٹنے نہیں دوں گا۔ آخرکار باتوں باتوں میں دونوں کے درمیان لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ عابد صاحب بار بار شیطان کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ چونکہ اُن کے پاس اخلاص کی طاقت تھی۔ اس لیے عابد صاحب غالب اور حاوی ہو جاتے ہیں اور

شیطان مغلوب و عاجز ہو جاتا ہے۔

آخر کار شیطان اپنا ایک اور داؤں استعمال کرتا ہے، کہنے لگتا ہے۔ عابد صاحب! اس درخت کو کاٹنے کی تکلیف نہ کیجیے۔ آپ اپنے عبادت خانے میں تشریف لے جائیے۔ مَیں روزانہ آپ کے مصلّے کے نیچے ایک اشرفی رکھ دیا کروں گا۔ آپ اُسی سے سحری اور افطار کا انتظام کر لیجیے گا اور صدقہ و خیرات بھی کرتے رہیے گا۔ شیطان کی تقریر سُن کر عابد صاحب کا خیال بدل جاتا ہے۔ اشرفی کا نام سُن کر شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ اور سیدھے اپنے گھر کو واپس آ جاتے ہیں اور نماز، روزہ اور اَوراد و وظائف میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اب روزانہ عابد صاحب مصلّے کے نیچے سے اشرفی نکالتے ہیں اور اُسی سے اپنی ساری ضروریات پوری کر لیتے ہیں۔

ایک ہفتے بعد شیطان مصلّے کے نیچے اشرفی رکھنا بند کر دیتا ہے۔ عابد صاحب روز مصلّی اُٹھاتے ہیں اور جھاڑ جھاڑ کر تھک جاتے ہیں۔

شیطان کی وعدہ خلافی پر عابد صاحب کو پھر جلال آ جاتا ہے۔ وہ پھر اُس درخت کو کاٹنے کے لیے چل دیتے ہیں۔ راستے میں شیطان کو دیکھتے ہی عابد صاحب کا غصہ بڑھ جاتا ہے اور اُس کو پچھاڑنے کے لیے ایک دم حملہ کر دیتے ہیں۔ لیکن اس بار کا نقشہ کچھ اَور ہی نظر آ رہا ہے۔ عابد صاحب اُس کو پچھاڑنے کے لیے بار بار طاقت لگا رہے ہیں، مگر ہر مرتبہ شیطان اُن کو پچھاڑ دیتا ہے۔ اِدھر عابد صاحب حیران ہیں، اور اُدھر اپنی کامیابی پر شیطان مسکرا کر کہنے لگتا ہے۔ عابد صاحب! پہلی بار آپ کی جیت اس لیے ہوئی تھی کہ آپ کے دل میں اخلاص تھا، آپ کی نیت میں للّٰہیت تھی، آپ محض رضائے الٰہی کے لیے درخت کاٹنے جا رہے تھے۔ اور اب آپ درخت اس لیے کاٹنے جا رہے ہیں کہ آپ کو مصلّے کے نیچے اشرفی نہیں ملی۔

معلوم ہوا کہ بغیر اخلاص شیطان پر غالب ہونا بہت مشکل ہے اور یہ بھی

معلوم ہوا کہ اخلاص میں عزت ہی عزت ہے، نصرت ہی نصرت ہے اور ریاکاری اور بے خوفی میں ذلت ہی ذلت ہے۔

حضرات! مَیں آپ سے عرض کررہا تھا کہ ایمان کے بعد دوسری منزل خوفِ خدا ہے۔۔۔۔ آیئے سماعت فرمایئے کہ ہمارے بزرگوں کے دلوں میں کتنا خوفِ خدا تھا۔

فاروقِ اعظم کا خوفِ خدا

عید کا دن ہے لوگ کاشانہ خلافت پر حاضر ہوتے ہیں تو دیکھتے کیا ہیں کہ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازہ بند کرکے رورہے ہیں۔ حاضرین محوحیرت ہیں، الٰہی ماجرا کیا ہے؟ وہ کون سی پریشانی آ گئی جس کی وجہ سے جانشینِ مصطفٰے اس طرح رورہے ہیں۔ پوچھتے ہیں یاامیرَ المومنین! آج تو عید کا دن ہے، آج تو خوشی منانے کا دن ہے، آج تو اللہ کی طرف سے مہمانی ہے۔ آخر آپ کے رونے کی وجہ کیا ہے؟ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنسو پوچھتے ہوئے فرماتے ہیں: هٰذَا يَوْمُ الْعِيْدِ وَهٰذَا يَوْمُ الْوَعِيْد یعنی اے لوگو! یہ عید کا دن ہے، اور وعید کا دن بھی ہے۔ جس کے روزے مقبول ہوگئے، یقیناً آج اُس کے لیے عید کا دن ہے اور جس کا روزہ مردود کرکے اُس کے منہ پر ماردیا گیا ہو اُس کے لیے آج وعید کا دن ہے۔ اور میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ وَاَنَا لَا اَدْرِیْ اَمِنَ الْمَقْبُوْلِیْن اَمْ مِنَ الْمَطْرُوْدِیْنَ یعنی مجھے معلوم نہیں کہ مَیں مقبول ہوا ہوں یا مردود کردیا گیا ہوں۔ اللہ اکبر

وہ عمر فاروق جن کی رائے کی تائید میں قرآن کی آیتیں نازل ہوجائیں۔ وہ عمر فاروق جن کی نیکیوں کی تعداد ستاروں کے مساوی خود رسولِ اعظم بتائیں۔ وہ عمر فاروق جن کا نام سُن کر کفار و مشرکین کے بڑے بڑے سورماؤں کو پسینے آجائیں۔ وہ عمر فاروق جن کے رعب و جلال سے شیاطین کوسوں دور بھاگ جائیں۔

فاروق جن کے دُرّے کی ہیبت سے شرابی تائب ہو جائے۔

حضرات! امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روزہ اور مقبول نہ ہو، یقیناً آپ کے روزے مقبول تھے۔ مگر اِس کے باوجود آپ خوفِ الٰہی سے تھرّا رہے ہیں۔ آخر ایسا کیوں؟ یہ اس لیے کہ خوف، ایمان میں داخل ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض کا خوفِ خدا

مشہور و معروف بزرگ، ولیِ کامل، حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توبہ کا سبب خوفِ خدا ہی تھا۔ تائب ہونے سے قبل آپ زبردست ڈاکو ہی نہیں بلکہ ڈاکوؤں کے سردار بھی تھے۔ علاقے میں دور دور تک ہر طرف آپ کا چرچا تھا۔ آپ کا نام سُن کر لوگ سہم جاتے تھے، رات کو سفر کرنا بند کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ رات کے وقت ڈاکہ ڈالنے کے لیے دیوار پر چڑھ رہے تھے، مکان کا مالک تلاوتِ قرآن کر رہا تھا۔ اُن کے کانوں سے یہ آواز ٹکراتی ہے کہ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰه. یعنی کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل ذکرِ الٰہی کے لیے نرم پڑ جائیں۔

اتنا سُنتے ہی آپ گھبرا جاتے ہیں، خوفِ خدا سے تھرّا جاتے ہیں، جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بے اختیار بول اٹھتے ہیں، کیوں نہیں اے میرے پروردگار! اب اِس کا وقت آ گیا۔ روتے ہوئے دیوار سے اُترتے ہیں اور ایک سنسان کھنڈر میں بیٹھ کر رونے لگتے ہیں۔ اتنے میں وہاں کوئی قافلہ آ پہنچا۔ سفر کرنے والے آپس میں بولتے ہیں، یہیں رک جاؤ، ابھی سفر مت کرو۔ کیونکہ فضیل ڈاکو اِسی علاقے میں رہتا ہے۔ آگے بڑھو گے تو فضیل ہمارے مال و اسباب لوٹ لے گا۔

اُدھر یہ باتیں ہو رہی ہیں، اور اِدھر مسافروں کی باتیں سُن کر آپ کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا جاتا ہے، جسم کانپنے لگتا ہے۔ خوف

الٰہی سے اور زار و قطار رونے لگتے ہیں، اے پروردگار مَیں کتنا بڑا پاپی انسان ہوں کہ میرے ڈر سے امّتِ رسول خوف زدہ ہے، مَیں کتنا بُرا سیاہ کار ہوں، کہ لوگ میرے خوف سے رات میں سفر نہیں کرتے ہیں۔

آخر کار روتے روتے سچے دل سے توبہ کر لیتے ہیں، اور یہ عہد کرتے ہیں کہ زندگی بیت اللہ شریف کی مجاوری اور عبادت و ریاضت میں گزاروں گا۔

یہی وہ حضرت فضیل ہیں، کہ علمِ حدیث پڑھتے پڑھتے علمِ حدیث کے امام ہوجاتے ہیں۔ یہی وہ حضرت فضیل ہیں کہ میدانِ ولایت کے شہ سوار ہوجاتے ہیں۔ یہی وہ حضرت فضیل ہیں، کہ اگر کوئی اِن کی مجلس میں اللہ کا نام لے لیتا تو خوفِ خدا سے کانپنے لگتے۔

شہزادۂ خلیفۂ بغداد کا خوفِ خدا

شاہی دربار لگا ہوا ہے، مجلس میں ایک شخص خوفِ خدا کی ایک آیتِ مبارکہ تلاوت کردیتا ہے۔ جیسے ہی تلاوتِ قران کی آواز خلیفۂ بغداد ہارون رشید کے شہزادے کے کان میں پہنچتی ہے۔ اُس کا دل خوفِ الٰہی سے لرز اٹھتا ہے۔ خشیتِ ربانی سے کلیجہ پاش پاش ہوجاتا ہے۔ زندگی میں ایک سُنہرا انقلاب پیدا ہوجاتا ہے۔ سارے عیش و آرام کو قربان کردیتا ہے۔ صرف ایک قران شریف اور ایک زنبیل لے کر دربارِ شاہی سے نکل جاتا ہے۔ اور کافی دور جا کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہنے لگتا ہے۔ ہفتے میں صرف ایک دن مزدوری کر کے گزر اوقات کرنے لگتا ہے۔ دن و رات عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا ہے۔ قران پاک کی تلاوت میں مشغول رہتا ہے۔ سر سجدے میں رکھ کر خوفِ خدا سے رویا کرتا ہے۔ ابو عامر نامی ایک رئیس اعظم کے پاس ہفتے میں ایک دن مزدوری کا کام کرنے پر مقرر ہوجاتا ہے...... ایک دن ابو عامر کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مزدور فلاں

کھنڈر میں سخت بیمار ہے۔ اُس کی عیادت کے لیے پہنچتا ہے، تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ مزدور ایک کچی اینٹ کا تکیہ لگائے نزع کی حالت میں ہے۔ ابو عامر سلام کرنے کے بعد اُس کا سر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھتا ہے۔ بیمار مزدور آنکھیں کھول کر دیکھ کر کہتا ہے، کہ میرا سر اِسی اینٹ پر رکھ دو۔ اور روتے ہوئے یہ دو شعر پڑھنے لگتا ہے۔

يَا صَاحِبِىْ لَا تَغْتَرِرْ لِتَنَعُّم ... فَالْعُمْرُ يَنْفُذُ وَالنِّعَمُ يَزُوْلُ

وَاِذَا حَمَلْتَ اِلَى الْقُبُوْرِ جَنَازَةً ... فَاعْلَمْ بِاَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

یعنی اے میرے ساتھی! دنیا کی نعمتوں پر دھوکا مت کھانا، کیونکہ عمر فنا ہونے والی ہے اور نعمت زائل ہونے والی چیز ہے۔ اور جب بھی تو کسی جنازے کو قبرستان لے جائے تو یقین کر لے کہ اِس کے بعد اِسی طرح ایک دن تجھ کو بھی لوگ قبرستان لے جائیں گے۔

اِس کے بعد بیمار مزدور کہتا ہے، اے ابو عامر! میری وصیتیں سُن لو۔ جب میرے جسم سے میری روح نکل جائے تو مجھے سُنّت کے مطابق میرے پرانے کپڑوں ہی میں کفنا کر دفن کر دینا اور میری یہ انگوٹھی اور میرا یہ قرآن شریف خلیفۂ بغداد ہارون رشید کے سُپرد کر دینا، اور یہ کہہ دینا کہ یہ ایک غریب الوطن نوجوان مسلمان کی امانت ہے۔ جو مٹی، گارے کا کام کیا کرتا تھا۔ اُس کا وصال ہو گیا ہے۔ اُس نے یہ قرآن شریف اور یہ انگوٹھی آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور بعد سلام میرا یہ پیغام اُن کو سُنا دینا کہ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَمُوْتَنَّ عَلٰى غَفْلَتِكَ هٰذِهٖ۔ یعنی اے امیر المومنین! خبردار! تم اپنی اِس غفلت کی حالت میں مت مرجانا۔ بلکہ اپنے رب سے ڈرتے رہنا۔

اِس کے بعد بیمار مزدور کی روح پرواز کر جاتی ہے۔ اُس کو دفن کرنے کے بعد اب ابو عامر غریب الوطن مزدور کی آخری وصیت پوری کرنے کے لیے قران شریف اور انگوٹھی لے کر بغداد کا سفر کرتا ہے۔ عجیب اتفاق جس دن ابو عامر

سرزمینِ بغداد پہنچتا ہے، اُسی دن خلیفہ ہارون رشید کا شاہی جلوس نکلا ہوا تھا۔ ہزاروں کا مجمع لگا ہوا تھا۔ ابو عامر دور ہی سے آواز دیتا ہے یا امیر المؤمنین! ایک غریب الوطن مسلمان مزدور کا انتقال ہو گیا ہے اور اُس کی دو امانتیں آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔ قبول فرما لیجیے۔ خلیفۂ بغداد سواری روک دیتا ہے۔ ابو عامر آگے بڑھتا ہے، انگوٹھی اور قرآن شریف خلیفۂ بغداد کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اور عرض کرتا ہے کہ اُس مرنے والے غریب الوطن مزدور نے سلام کے بعد آپ کو یہ پیغام دیا ہے۔ اے امیر المؤمنین! آپ اپنی غفلت کی حالت میں مت مرجانا، بلکہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔ خلیفۂ بغداد جونہی قرآن شریف اور انگوٹھی کو دیکھتے ہیں زار و قطار رونے لگتے ہیں، اور بھرّائی ہوئی آواز میں حکم فرماتے ہیں، اے لوگو! جلوس ختم کردو۔ سارے لوگ محوِ حیرت ہیں، اس کے بعد واپس شاہی دربار میں پہنچتے ہیں۔

خلیفۂ بغداد قرآن شریف کو سینے سے لگائے ہوئے اور انگوٹھی پر نظر جمائے ہوئے زار و قطار رو رہے ہیں، اور سسکی لیتے ہوئے کہتے ہیں۔ اے ابو عامر! تُو نے اُس مزدور کو نہیں پہچانا۔ سنو! وہ بیمار مزدور میرا شہزادہ تھا جو قرآن پاک کی ایک آیت کی تلاوت کو سُن کر خوفِ الٰہی سے لرز اُٹھا تھا اور میرے شاہی محل کو چھوڑ کر جنگل میں چلا گیا تھا۔ برسوں تلاش کرنے پر بھی اُس کا پتہ نہ چل سکا۔ آہ! میرا لختِ جگر مزدوری کر کے گزر اوقات کرتا تھا اور اُسی حالت میں ذکرِ الٰہی کرتے ہوئے انتقال کر گیا۔ یہ انگوٹھی وہی ہے جو مَیں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے شہزادے کو پہنائی تھی اور یہ وہی قرآن شریف ہے، جو مَیں نے اپنے شہزادے کے پڑھنے کے لیے کاتب سے لکھایا تھا۔

مسلمانو! غور تو کرو کہ عباسی سلطنت کا شہزادہ قرآن کی آیت کی تلاوت سُن کر خوفِ خدا سے اِس طرح لرز اٹھتا ہے کہ شاہی محل اور شاہی عیش و آرام کو ٹھوکر مار کر ایک گمنام جگہ میں غربت کی زندگی بسر کرنا پسند کرتا ہے، اور سارے مصائب و آلام برداشت کر کے اللہ و رسول کی رضا کو حاصل کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔

مگر آج ہم ہیں کہ دنیا کے مال و دولت اور چند روزہ عزت و شہرت کی خاطر اللہ و رسول کو بھول جاتے ہیں۔

تیسری منزل وسیلہ ہے

برادرانِ اسلام! خدا تک پہنچنے کے لیے ایمان وخوف کے بعد تیسری منزل وسیلہ ہے۔

چنانچہ ربانی ارشاد ہے: وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ۔ یعنی بارگاہِ الٰہی میں پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔

مل نہیں سکتا خدا اُن کا وسیلہ چھوڑ کر
غیر ممکن ہے کہ چڑھیے چھت پہ زینہ چھوڑ کر

حضرات! دیکھیے اِس دنیا کا کوئی بھی کام بغیر ذریعہ اور بغیر وسیلہ کے ہوتا ہی نہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ قادرِ مطلق ہے، اگر وہ چاہے تو ہمارے گھروں میں روزانہ پکا ہوا کھانا بھیج دے، اُس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ چالیس برس تک بنو اسرائیل پر منّ وسلویٰ اُترتا رہا۔ شہد جیسا حلوا اور بھُنی ہوئی بٹیریں بنی اسرائیل کھاتے رہے۔ قران مجید بیان فرمارہا ہے، کہ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى۔ یعنی اے بنی اسرائیل! ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل کیا۔

قران بتارہا ہے کہ پروردگارِ عالَم نے آسمان سے ایک دسترخوان نازل فرمایا جس میں روٹی اور مچھلی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمّت نے کھایا۔ ٹھیک اِسی طرح اگر ہمارا پروردگار چاہے تو ہمارے گھروں میں بھی پکا ہوا کھانا بھیج دے...... لیکن ایسا نہیں، کیونکہ یہ دنیا عالَمِ اسباب ہے اور اس دنیا کا کوئی بھی کام بے سبب اور بے وسیلہ نہیں ہوتا...... دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کنواری مریم سے پیدا فرمادیا۔ حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمادیا۔ حضرت

آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

خداوندِ قدوس کی قدرت تو یہ ہے کہ بغیر مرد وعورت کے ہزاروں انسان پیدا فرمادے......مگر اُس کی عادت نہیں، کیونکہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔

کسی بڑے حاکم سے ملنے کے لیے پہلے کسی چھوٹے حاکم سے ملنا ضروری ہے۔ ورنہ بڑے حاکم تک رسائی مشکل ہے۔ معلوم ہوا کہ دنیا کے ہر کام میں وسیلہ ضروری ہے۔

بلا تمثیل رب ذوالجلال احکم الحاکمین تک پہنچنے کے لیے وسیلے کی ضرورت ہے، وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ یعنی اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

اب رہا یہ سوال کہ اللہ تک پہنچنے کے لیے وسیلہ کس کو بنائیں، تو اِس کا جواب یہ ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لیے اُس سے ملنا ہوگا، جو خدا تک پہنچ چکا ہو۔ اب ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ خدا تک پہنچنے والے کون لوگ ہیں؟ قربِ الٰہی کا انعام پانے والے کون لوگ ہیں؟ تو قرآن ہماری رہنمائی کرتا ہے، اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۔ قربِ الٰہی کا انعام پانے والوں اور خدا تک پہنچنے والوں کے چار گروہ ہیں۔

پہلا گروہ نبیین کا ہے، دوسرا گروہ صدیقین کا ہے، تیسرا گروہ شہدا کا ہے، چوتھا گروہ صالحین کا ہے۔

معلوم ہوا کہ خدا تک پہنچنے کے لیے اِن چار مقدس جماعتوں کا وسیلہ پکڑنا ضروری ہے۔

اسی لیے تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

بے اُن کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے\
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اِن کے وسیلے سے قبول ہوئی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نبی کے وسیلے سے پار ہوئی، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کیا یہ دونوں پیغمبر بھی مشرک تھے؟ نہیں اور ہرگز نہیں.......وسیلے کے منکرو! سنو! آج تک جتنے بھی اولیاء کرام ہوئے ہیں، چاہے غوث پاک ہوں یا خواجہ غریب نواز، صابر پاک ہوں یا مخدوم پاک، بختیار کاکی ہوں یا محبوب الٰہی، مجاہد ملت ہوں یا حافظ ملت، شاہ عالم ہوں یا مفتی اعظم، محدث اعظم ہوں یا مجدد اعظم، سب نے کسی نہ کسی مرشد کامل کا دامن تھاما ہے، کسی نہ کسی اللہ والے کا وسیلہ پکڑا ہے، وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ.

حضرات! خدائے قدیر و بصیر اس آیت کریمہ میں ارشاد فرما رہا ہے، کہ اے ایمان والو! تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔

اللہ تک پہنچنے کے لیے کوئی کہتا ہے، کہ نماز وسیلہ ہے.....روزہ وسیلہ ہے..... حج وسیلہ ہے.....صدقات و خیرات وسیلے ہیں.....اعمال صالحہ وسیلے ہیں.....لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لیے پیر و مرشد کی عقیدت وسیلہ ہے.....علمائے ملت کی محبت وسیلہ ہے.....اولیائے امت کی رفاقت وسیلہ ہے.....انبیاء و مرسلین کی نسبت وسیلہ ہے.....پھر ان میں محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی ذات مبارکہ تو وسیلۂ عظمیٰ ہے۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اُدھر اللہ سے واصل، اِدھر دنیا میں ہیں شاغل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اِتَّقُوا اللّٰهَ. اللہ سے ڈرو۔ پھر فرمایا وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ اُس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ غور تو فرمائیں آپ! کہ اعمال صالحہ یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری کا ذکر تو اتقوا اللہ میں ہو گیا، آگے جو وسیلہ تلاش کرنے کے بارے میں حکم ہو رہا ہے، تو ماننا پڑے گا کہ وسیلہ کوئی اور چیز ہے۔

آیت کریمہ کی ترتیب ہمیں بتا رہی ہے، کہ وسیلہ اعمالِ صالحہ کے علاوہ کوئی اور ہی چیز ہے، جس کے تلاش کرنے کا حکم ربِ ذوالجلال ہمیں فرما رہا ہے۔ اس لیے ہم اہلِ سُنّت و جماعت وسیلہ سے مراد اللہ والوں کو لیتے ہیں، اور قرآن کی آیت مبارکہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں، کہ کسی اللہ والے کو تلاش کرو، کسی مرشدِ برحق کا دامن تھام لو، اور پھر زینہ بہ زینہ، سلسلہ بسلسلہ محبوبِ کبریا تک پہنچو، اور نورِ نبوت سے اپنے کو خوب منور کرلو۔ پھر نورِ نبوت کی روشنی میں خدا تک پہنچو۔ ؎

بے وسیلہ نجدیو ہرگز خدا ملتا نہیں

آیئے وسیلہ کا مفہوم اُن لوگوں کے پیشوا سے پوچھتے ہیں جو وسیلے کا سرے سے ہی انکار کرتے ہیں۔ مولوی اسماعیل دہلوی اپنی کتاب "صراطِ مستقیم" کے صفحہ نمبر ۵۸ میں وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ کی تشریح وتفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہلِ سلوک اس آیت کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، اور وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں۔ بس حقیقی نجات کے لیے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا ضروری ہے۔ اسی واسطے رہبر کے سوا راستہ پالینا نہایت نادر اور کمیاب ہے۔

منکرینِ وسیلہ کی اس تفسیر سے ثابت ہوا کہ وسیلہ سے مراد مرشد کی ذات ہے، بغیر پیرِ کامل کے خدا تک رسائی مشکل ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ شیطان مردود کی فریب کاری سے بچنے کے لیے کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر سفر کیا جائے۔ تاکہ سلامتی سے منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں۔

تمنا دردِ دل کی ہو تو خدمت کر فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں سے
نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ اِن کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

حضرات! اصحابِ کہف کا کتا نیکوں کی صحبت سے عزت پا گیا، اس لیے کہ وہ اللہ والوں کے غار کے دروازے پر بیٹھا رہا۔ اُن کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے قیامت کے دن وہ شکلِ انسانی میں اُٹھایا جائے گا۔

سادہ پانی پھولوں کی صحبت میں رہ کر عرقِ گلاب بن جاتا ہے۔ انسان اللہ والوں کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر مقبولِ بارگاہ بن جاتا ہے۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ کسی اللہ والے سے اپنا تعلق و نسبت قائم کر کے اُن کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لو، اللہ والے بن جاؤ گے۔

علامہ خرپوتی قصیدہ بردہ شریف کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:....... ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرشدِ کامل کی طرف متوجہ ہو۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کا پیر نہ ہو اُس کا پیر شیطان ہے۔ (خرپوتی، ص ۳۹)

جیسے مالی کے بغیر پھول نہیں کھلتے، اسی طرح مرشدِ کامل کی توجہ کے بغیر انسان وصول الی اللہ کی منزل کو نہیں پا سکتا۔

باغبان کی نگاہ باغ کو آباد کر دیتی ہے، اور اللہ والے کی نگاہ دل کی بستی کو آباد کر دیتی ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے ولیِ کامل تھے۔ آپ کا مناظرہ ایک دہریے سے ہو گیا۔ آپ نے وجودِ باری تعالیٰ پر کئی دلیلیں پیش کیں .... مگر اُس بدبخت دہریے نے تسلیم نہیں کیا۔ آخر کار طے یہ پایا کہ مالک بن دینار کا ہاتھ دہریے کے ہاتھ کے ساتھ ملا کر آگ کے اندر داخل کیا جائے، جس کا ہاتھ سلامت رہے گا، وہ سچا ہے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا....... مگر آگ نہ تو خدا کے ماننے والے کے ہاتھ کو جلاتی ہے، اور نہ ہی منکرِ خدا کا ہاتھ جلاتی ہے۔

یہ حال دیکھ کر حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں، یاالٰہ العالمین!

میں تیرا ماننے والا، دہریہ تیرا منکر۔ میں تیرے سامنے جھکنے والا، دہریہ متکبر۔ میں تیرا نیازمند، دہریہ تیرا باغی۔ میں حق پرست، دہریہ باطل پرست آخر راز کیا ہے کہ دہریے کا ہاتھ جلنے سے بچ گیا...... ہاتفِ غیبی سے آواز آتی ہے، کہ اے مالک بن دینار! آگ نے دہریے کے ہاتھ کو اِس لیے نہیں جلایا کہ اللہ کی شانِ رحمت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ جو ہاتھ میرے مقبول بندے کے ہاتھ سے ملا ہوا ہو، اُسے آگ جلائے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

حضرات! اگر منکرِ خدا کا ہاتھ اللہ والے کے ہاتھ سے مل جائے تو اُسے دنیا کی آگ نہیں جلا سکتی، تو پھر جو مؤمن اپنا ہاتھ ارادت ومحبت سے اللہ والے کے ہاتھ میں دے دے، خدا کی قسم! اُس کو جہنم کی آگ ہرگز نہیں جلا سکتی ہے۔

اللّٰہ ربّ محمدٍ صلّی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صلّی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

چوتھی منزل جہاد

محبانِ گرامی! خدا تک پہنچنے کے لیے چار منزلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے پہلی منزل ایمان، دوسری منزل خوفِ خدا، تیسری منزل وسیلہ کا بیان آپ لوگوں نے سماعت فرمایا۔ اب چوتھی اور آخری منزل کا بھی مختصر سا بیان سماعت کر لیجیے۔

خدا تک پہنچنے کے لیے ایمان وخوفِ خدا اور وسیلہ کے بعد چوتھی منزل جہاد ہے۔ چنانچہ رب کا فرمانِ عالی شان ہے وَجَاهِدُوْا فِي سَبِيْلِهٖ یعنی راہِ خدا میں جہاد کرو، یعنی خدا اور رسول کے دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرو اور میدانِ کارزار میں بھی اپنا سب کچھ قربان کر دو۔ تیز سفر ہو یا حضر ہر وقت اور ہر حال میں مسلمانوں کو مجاہدہ کرنا چاہیے۔

مجاہدہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی راہ میں کوشش کرنا، ریاضت کرنا، نفس کشی کرنا، کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور امرِ الٰہی پر عمل کرنا، منہیات سے بچنا، ہر وقت معبودِ برحق کا مراقبہ اور دھیان رکھنا، یہ سب مجاہدہ کی صورتیں ہیں۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی کئی مہینے تک اناج کا ایک دانہ تک نہیں کھایا، صرف پانی پی کر روزہ رکھتے۔ کبھی کبھی مہینوں پانی بھی نہیں پیتے، انگور کے ایک دو دانوں سے افطار و سحری کرتے تھے۔

بہت سے اولیاء کرام صائم الدہر اور قائم اللیل رہے ہیں۔ سالوں سال مراقبہ میں رہتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور سرورِ کائنات ﷺ جب جہاد سے واپس ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف جا رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ نفس سے لڑنا جہادِ اکبر ہے۔

حضرات! ذہن نشین کر لیجیے آپ! کہ نفس کتا ہے، اُس کے گلے میں کسی شیخ کامل کا پٹہ ڈال دیجیے تاکہ مارا نہ جائے اور ہر دیکھنے والا یہی کہے کہ یہ کسی کا ہے۔ اور یہ بھی سُن لیجیے کہ پیر و مرشد کی اطاعت نفس کا پٹہ ہے، اور شجرہ اُس کی زنجیر ہے۔ جس کی پہلی کڑی اُس نفس کے گلے میں ہے، اور آخری کڑی حضور پُرنور ﷺ کے دست مبارک میں ہے۔ اگر یہ پٹہ اور زنجیر قائم رہے، تو ان شاء اللہ نفس بہک نہیں سکتا۔ اسی طرف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ اشارہ فرماتے ہیں ؎

تجھ سے دَر، دَر سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اِس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی تحریر فرماتے ہیں، کہ سلطان الاولیاء حضرت محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیاء بدایونی، دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا

کہ ایک شخص دریا کے کنارے رہتا تھا۔ اُس نے اپنی عورت کو کہا، کہ جمنا پار ایک درویش بیٹھا ہے، اُسے کھانا کھلا آ۔ عورت نے عرض کیا، مجھے کچھ عذر نہیں، مگر رات اندھیری ہے، جمنا بیچ میں ہے، کوئی کشتی بھی نہیں ملے گی، اِسے کیونکر پار کروں؟ فرمایا کہ دریا سے کہہ دینا کہ مَیں اُس کی بھیجی ہوئی آئی ہوں، جو تیس سال سے اپنی بیوی کے پاس نہ گیا۔ عورت کو سخت تعجب ہوا، کیونکہ حضرت صاحب اولاد تھے، مگر باادب تھی، کچھ نہ بولی، بلکہ چل پڑی۔ دریا سے یہی کہا۔ دریا میں قدرتی طور پر خشک راستہ نمودار ہو گیا۔ پار جا کر بزرگ کو کھانا کھلایا۔ جب واپس ہوئی تو بزرگ نے کہا، دریا سے کہہ دینا کہ مَیں اُس کی خدمت سے آ رہی ہوں، جس نے کبھی کچھ نہ کھایا۔ اب تو اُس عورت کا تعجب اور بھی بڑھ گیا کہ ابھی میرے سامنے کھانا کھایا ہے اور یہ ایسا فرما رہے ہیں۔ مگر خاموش رہی، واپسی پر دریا سے اُس نے یہی کہا، پھر راستہ نمودار ہو گیا۔ ایک دن عورت نے اپنے خاوند سے عرض کیا کہ اُس دن آپ کے اور اُس بزرگ کے کلام میں کیا راز تھا؟ فرمایا، ہم لوگ اپنے نفس کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ جو کچھ کرتے ہیں، اپنے رب کے لیے کرتے ہیں، اس لیے ہمارا ہر کام ہماری نسبت سے کالعدم ہے، گویا کہ کیا ہی نہیں۔

خوب یاد رکھیے! خدا اور رسول کے دشمن سے لڑنا جہادِ اصغر ہے۔ لیکن نفسِ امّارہ سے لڑنا جہادِ اکبر ہے۔

حضراتِ گرامی! قرآن کریم کی تلاوت کردہ آیتِ کریمہ کا واضح پیغام یہ ہے کہ اے لوگو! اگر دنیا و آخرت میں فلاح، یعنی کامیابی و کامرانی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اِن چار منزلوں یعنی ایمان، خوف، وسیلہ اور جہاد و مجاہدہ کو طے کرنا ضروری ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

❖❖❖

چھٹی تقریر

شانِ سیّد مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الْمتأدبین بِاٰدَابِہٖ ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ

سرورا شاہا کریما دستگیرا اشرفا
حرمت روح پیمبر اک نظر کن سوئے ما

نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ اِن کو
یدِ بیضاء لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

تمنا ہے اگر دل میں تو خدمت کر فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں سے

ولی اللہ میں شانِ جلال اللہ ہوتی ہے
مگر بدمذہبوں کی عقل کب آگاہ ہوتی ہے

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

بادۂ توحید کے متوالو! شمع نبوت کے پروانو، غوثِ اعظم کے مستانو، خواجہ غریب نواز کے دیوانو، بختیار کاکی کے فداکارو، بابا فریدالدین کے چاہنے والو، محبوبِ الٰہی کے ماننے والو، اخی سراج الحق کے جانثارو، علاء الحق پنڈوی کے

شیدائیو، مخدوم سمنان کے دَر کے بھکاریو، اولیائے امت کے طلب گارو، آیئے ہم سب ایک آواز ہو کر گنبدِ خضریٰ کی جانب لو لگا کر دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ مخدومِ کائنات حضور پُر نور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں دُرودوں کے گجرے اور سلاموں کے تحفے پیش کریں، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّد مَعدَنِ الجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ ٥

تمہید

حضراتِ محترم! آج کے اِس عظیم الشان اجلاس میں قدوۃ الکبریٰ حجۃ الاسلام الحاج الشاہ سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ عالیہ میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، جس نے سمنان سے لے کر پنڈوا تک، پھر بنگال کی کھاڑی سے لے کر گجرات کے ساحل تک اور جنوبی ہند کی سطح مرتفع سے لے کر ایران و عراق، فلسطین و حجاز، ترکستان اور ماوراء النہر کے بام و دَر تک بے شمار اُمتِ دعوت و اُمتِ اجابت کے سینوں میں عشقِ مصطفوی کا ایسا چراغ روشن کیا کہ جس کی لَو مذکورہ شدہ مقامات کے علاوہ عرب و عجم کے بہت سارے مقامات پر پہنچ رہی تھی، اور آج بھی اُمتِ مرحومہ کو آپ سے روشنی مل رہی ہے اور صبحِ قیامت تک ملتی رہے گی۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر

جسے ہم دنیائے تصوف کے شہسوار کہتے ہیں۔ جسے ہم عشق و یقین کے دھنی کہتے ہیں۔ جسے ہم مخدوم اشرف جہانگیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اُس تاریخ ساز شخصیت نے اپنے دورِ پُر آشوب میں سفاہت و جہالت کو متاثر

علوم وفنون کوفروغ دیا، ضلالت وگمراہی کو مٹا کر اسلام کو چار چاند لگا دیا۔ نام نہاد صوفیوں اور جوگیوں کو بے نقاب کر دیا۔ اسلام اور بانی اسلام کا اصلی چہرہ سامنے رکھ دیا۔

حضرات! سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت بے شمار خوبیوں کا ایک عجیب وغریب اور حسین مرقع تھی، یہاں تک کہ اُس مقدس ہستی نے اپنا سارا سرمایۂ حیات، اپنی تمام تر توانائیاں، اپنی ساری صلاحیتیں، اپنی حیات کا ایک ایک دقیقہ اور اپنا سب کچھ اسلام کی سربلندی کے لیے بےلوث وقف کر دیا تھا۔

کون مخدومِ سمناں؟

- وہ مخدومِ سمنان...... جو تفکر وتدبر کے پیکر تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو عزمِ محکم کی مضبوط چٹان تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو غزالیِ زمانہ ونادرِ روزگار تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو مملکتِ سلوک کے تاج دار تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو شریعت وطریقت کے بحرِ ذخار تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو ضبط وتحمل کے یگانۂ روزگار تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو ریاضت ومجاہدے کے گوہر آبدار تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو زہد وورع کے بے مثال شاہکار تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو صبر ورضا کی جاذب نظر تنویر تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو حلم وبردباری کی بے نظیر تصویر تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو اعلائے کلمۃ الحق میں وحیدِ جہاں تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں فریدِ زماں تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو آسمانِ ولایت میں مہرِ درخشاں تھے۔
- وہ مخدومِ سمنان...... جو فلکِ کرامت میں ماہِ تاباں تھے۔

جی ہاں

- ❖ وہ محبوبِ یزدانی......جن کی نگاہوں میں جلالِ الٰہی سمایا اور بسا ہوا تھا
- ❖ وہ محبوبِ یزدانی......جن کے قلب وجگر میں محبتِ رسول کا دریا موجزن تھا
- ❖ وہ محبوبِ یزدانی......جن کی رگوں میں عشقِ رسول خون بن کر دوڑ رہا تھا
- ❖ وہ محبوبِ یزدانی......جن کے چہرے میں صدیق اکبر کی صداقت کا کردار نظر آ رہا تھا
- ❖ وہ محبوبِ یزدانی......جن کی پیشانی میں فاروقِ اعظم کی شدت کا جلوہ نظر آ رہا تھا
- ❖ وہ محبوبِ یزدانی......جن کے سینے میں عثمانِ غنی کی سخاوت کا حوصلہ تھا
- ❖ وہ محبوبِ یزدانی......جن کے ہاتھوں میں حیدرِ کرار کی تلوار کی چمک تھی
- ❖ وہ محبوبِ یزدانی......جن کے فتووں میں امامِ اعظم کی فقاہت تھی
- ❖ وہ محبوبِ یزدانی......جن کے قول وفعل میں شہیدِ اعظم کی استقامت تھی
- ❖ وہ محبوبِ یزدانی......جن کے فضل وکمال میں غوثِ اعظم کی کرامت تھی
- ❖ وہ محبوبِ یزدانی......جن کے سفر وحضر میں غریب نواز کی معروفیت تھی

ارے ہاں

- ❖ وہ مخدوم کچھوچھہ......جو مسلمانوں کے غم خوار تھے
- ❖ وہ مخدوم کچھوچھہ......جو صوفیوں کے سردار تھے
- ❖ وہ مخدوم کچھوچھہ......جو قوم وملت کے عظیم معمار تھے
- ❖ وہ مخدوم کچھوچھہ......جو دریائے وحدت کے ناپید کنار تھے
- ❖ وہ مخدوم کچھوچھہ......جو اسلام کے بہادر ودلیر تھے
- ❖ وہ مخدوم کچھوچھہ......جو کچھارِ محمدی کے شیر تھے
- ❖ یعنی وہ مخدومِ پاک......جو سراج السالکین اور تاج العارفین تھے
- ❖ وہ مخدومِ پاک......جو عمدۃ الخلف اور بقیۃ السلف تھے

- وہ مخدومِ پاک........جو غوث العالم اور قدوۃ الکبریٰ تھے
- وہ مخدومِ پاک........جو آلِ رسول اور حسینی یادگارِ کربلا تھے

الغرض سیدنا محبوبِ یزدانی کو رضائے خدا اور رضائے مصطفےٰ کے حصول اور شجرِ اسلام کی آب یاری کے لیے جن محنت و مشقت اور جانبازی کا سامنا کرنا پڑا، یہ اُسی مردِ مجاہد کا حصہ تھا۔ اُس عظیم المرتبت مادرزاد ولی کامل کی شانِ اقدس میں مجھ جیسے کم علم کا کچھ لب کشائی کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

بہر حال بارگاہِ مخدوم سمنان میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے اور آپ حضرات کو دین وملّت کی طرف تشویق وتحفیض کے لیے ان کے سوانح حیات کے چند مخصوص گوشے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، بغور سماعت فرمائیں۔ ایک مرتبہ جھوم کر بلند آواز سے دُرود وسلام پیش کریں۔

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما

نحن عباد محمد صلی علیہ وسلما

محبانِ گرامی! خطبۂ مسنونہ کے بعد مَیں نے جس آیتِ کریمہ کی تلاوت کی ہے، ربّ کائنات ارشاد فرمارہا ہے، اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (ترجمہ) بیشک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم۔

قرآن کریم نے جن لوگوں سے خوف اور غم کی نفی کی ہے، وہ کون لوگ ہیں؟ تو اِس کا جواب بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ یعنی وہ نفوسِ قدسیہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں، انہی نفوسِ قدسیہ اور معزز ہستیوں میں سے ایک عظیم ہستی حضور محبوبِ یزدانی علیہ الرحمہ کی ہے۔

حیرت انگیز قوتِ حافظہ

آپ سمنان میں ۷۰۷ ہجری میں پیدا ہوئے، چار سال، چار ماہ، چار دن کی عمر

میں بڑی دھوم دھام کے ساتھ رسمِ بسم اللہ خوانی ادا کی جاتی ہے۔(صحائفِ شرفی)

آپ کی قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن شریف ساتوں قرأت کے ساتھ حفظ کر لیتے ہیں، اس کے بعد مروّجہ نصاب کے مطابق معقولات ومنقولات کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، تفسیر وحدیث، فلسفہ ومنطق، حکمت وتصوف وغیرہ اپنے وقت کے تمام مروّجہ علوم وفنون پر عبور اور دستگاہ حاصل کر کے ممتاز علماء کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور چودہ سال کی عمر میں فضیلت کی دستار بندی ہوتی ہے،......غور تو کریں آپ! کہ اتنی سی عمر میں اتنے سارے علوم کا حاصل کر لینا، کیا معمولی کام ہے، نہیں اور ہرگز نہیں، میں تو سمجھتا ہوں کہ کسبی علوم ہوں یا وہبی علوم، دونوں طرح کے علوم سیدنا مخدوم سمنان کو باب العلم اور مدینۃ العلم سے خصوصی نوازشات کی بنا پر عطا ہوئے تھے۔

سلطنت کی ذمے داری

ابھی سید مخدوم اشرف علیہ الرحمہ تحصیلِ علوم وفنون سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ آپ کے والد حضرت سید ابراہیم شاہ کا انتقال ہو جاتا ہے، اور پندرہ سال کی عمر میں سلطنت کی ذمے داری کا بوجھ آپ پر آ جاتا ہے۔ آپ نے سلطنت میں بے مثال امن وامان قائم کیا اور لوگوں کو لوٹ کھسوٹ، چوری ڈکیتی اور ظلم وستم سے محفوظ و مامون بنا دیا۔ یہاں تک کہ اپنے اس مختصر دورِ حکومت میں آپ نے دشمنانِ اسلام سے جہاد بھی کیا۔

آپ کے دورِ حکومت میں آپ کے والدِ محترم کے کچھ مخالف بھی تھے، جن کی حریص نظریں ہمیشہ زمامِ حکومت پر لگی رہتی تھیں لیکن سید ابراہیم علیہ الرحمہ کے شاہانہ رعب و دبدبہ اور عسکری قوت سے مرعوب ہو کر ان مخالفوں نے کبھی بھی میدانِ کارزار میں آنے کی جسارت نہیں کی تھی، مگر جب آپ وصال فرما گئے تو حضرت

ندوۃ الادلکبریٰ کو محض ایک طفلِ مکتب سمجھ کر شر پسندوں نے علمِ بغاوت بلند کردیا۔
جب سرحدیوں نے بغاوت کی تو مشیرانِ سلطنت نے یہ رائے پیش کی کہ آپ دارالحکومت میں رہیں اور باغیوں کی سرکوبی کے لیے ہمیں حکم دیں آپ فرماتے ہیں کہ ''تمہیں نہیں معلوم کہ میں اسی رسول کا نواسہ ہوں جن کے فرزندوں نے تحفظِ اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردیا تھا'' اس کے بعد آپ نے مجاہدینِ اسلام اور ضروری سامانِ حرب وضرب کے ساتھ خود میدانِ کارزار کا رُخ کیا اور پھر کچھ ہی دنوں کے بعد فضلِ الٰہی سے فتح ونصرت کا جھنڈا لہراتے واپس دارالحکومت آئے۔
دس سال تک عدل وانصاف اور جود وسخاوت کے ساتھ اچھی طرح حکومت کا کام انجام دیتے رہے، لیکن اس کے باوجود آپ کے ظاہر و باطن پابندِ شریعت و طریقت ہی رہے۔

خضر علیہ السلام کی زیارت اور منصبِ عظیم کی بشارت

جب کہ آپ کی عمر پچیس سال کی ہوتی ہے، آپ کی زندگی میں ایک عجیب انقلاب آتا ہے، ایک عظیم منصب کی بشارت ملتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہے، رحمت وانوار کی جھما جھم برسات ہے، حضرت خضر علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں، اشرف! اگر منزلِ مقصود تک پہنچنا چاہتے ہو تو ہندوستان پہنچو۔

آئینہ ہوتا ہے اہلِ دل کا دل کشف ہو تجھ پر کسی کامل سے مِل

وہاں پر اللہ کا ایک دوست ہے، وہی تیرا مرشد ہے۔
گروہِ اخیار اُن کو صاحبِ قدم کہتے ہیں۔ گروہِ ابرار اُن کو واجب قدم کہتے ہیں۔ گروہِ اوتاد اُن کو یحییٰ صادق کہتے ہیں۔ گروہِ عرفان اُن کو شیخ علاء الحق گنج نبات کہتے ہیں۔ عالمِ ملکوت میں اُن کو موسیٰ آثار کہتے ہیں۔ عالمِ جبروت میں اُن

کو خلیل انوار کہتے ہیں۔طالب وعشاق اُن کو یوسفِ ثانی کہتے ہیں۔اور مَیں خضر اُن کو خلقِ محمد کہتا ہوں۔(صحائف شرفی)

یہ کہہ کر حضرت خضر علیہ السلام غائب ہو جاتے ہیں۔

ترکِ سلطنت اور سفرِ ہندوستان

حضرات! جب صبح ہوتی ہے حضرت مخدوم اشرف تخت و تاج، سلطنت و حکومت اپنے چھوٹے بھائی محمد اعرف کو سپرد کر دیتے ہیں، اور والدہ ماجدہ رابعہ ثانیہ، خدیجہ بیگم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوتے ہیں اور ترکِ سلطنت کر کے تحصیلِ آخرت کے لیے اجازت طلب کرتے ہیں۔

........والدہ محترمہ جواب دیتی ہیں، بیٹا! تمہاری پیدائش سے پہلے ہی مجھے تمہارے بارے میں جو بشارت مل چکی ہے، اُس کا وقت قریب آگیا ہے، میں تم کو راہِ خدا میں سپرد کرتی ہوں اور اپنے حقوقِ مادری بخش دیتی ہوں۔

چنانچہ ماں کی دلی خواہش اور فرمان کی وجہ سے بارہ ہزار سپاہ و لشکر، محبین و مصاحبین کا جلوس لے کر شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ شہر سے باہر نکلتے ہیں۔پھر یکے بعد دیگرے سب کو رخصت کر دیتے ہیں اور تنہا آغازِ سفر کرتے ہیں۔سفر کرتے ہوئے خطۂ اوچ میں تشریف لاتے ہیں اور حضرت مخدوم جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں،........ حضرت بتاکید ارشاد فرماتے ہیں، اشرف! دیر مت کرو، جلدی سے ملک بنگال پہنچو۔اس لیے کہ علاء الدین گنج نبات آپ کا انتظار فرمارہے ہیں۔

حضرت مخدوم وہاں سے سیدھا دہلی پہنچتے ہیں،....... یہاں پر ایک صاحب ولایت ارشاد فرماتے ہیں، اشرف! خوش آمدید، خبردار! راستے میں کہیں زیادہ قیام نہ کرنا کہ برادر علاء الدین گنج نبات تمہارا انتظار فرمارہے ہیں۔

حضرت محبوب یزدانی مخدوم سمنانی دہلی سے روانہ ہوتے ہیں اور بہار شریف کے قریب قصبہ سلاؤ میں پہنچتے ہیں، اور چند ے قیام فرما کر عبادت و ریاضت کرتے ہیں۔ ...... جب آپ بہار شریف چلے تو یہاں حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہٗ کی روح پرواز کرنے کا وقت تھا۔ حضرت مخدوم الملک اپنے اصحاب سے وصیت کرتے ہیں، کہ خبردار! کوئی بھی میرے جنازے کی نماز نہ پڑھائے، کیونکہ ایک سید صحیح النسب، تارک السلطنت، ساتوں قرأت کا حافظ، چودہ علوم کا عالم عنقریب یہاں آئے گا، اور وہی میری نمازِ جنازہ پڑھائے گا۔

حضراتِ گرامی! نہلا دھلا کر مخدوم الملک کا جنازہ تیار ہے، مریدین و معتقدین سارے لوگ حضرت محبوبِ یزدانی کا انتظار کر رہے ہیں، جیسے ہی محبوبِ یزدانی خانقاہ میں نزول اجلال فرماتے ہیں، حضرت مخدوم الملک کی بتائی ہوئی نشانیوں کو پاکر سارے لوگ آپ کی دست بوسی اور قدم بوسی کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بعدہٗ وصیت کے مطابق خلفاء و اصحاب کے اصرار پر نمازِ جنازہ کی امامت فرماتے ہیں۔ پھر تدفین کے بعد آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ بہار ولایت بنگال میں شامل ہے، شاید میرے مرشد یہی تھے، جو انتقال فرما گئے۔ فوراً جواب ملتا ہے، فرزند اشرف! تمہارے پیر ابھی زندہ اور سلامت ہیں۔

قبر شریف سے ہاتھ باہر نکل آیا

تدفین کے کچھ دیر بعد شیخ شرف الدین علیہ الرحمہ کا مقدس ہاتھ قبر شریف سے باہر نکل آتا ہے۔ سارے لوگ محو حیرت ہیں، آخر اس میں راز کیا ہے؟ لوگوں کے پوچھنے پر حضرت محبوب یزدانی فرماتے ہیں، شیخ نے ایک تاج مردانِ غیب سے پایا تھا اور وصیت فرمائی تھی کہ اس کو میرے ہمراہ قبر میں رکھ دینا، غالباً تم لوگ

اس تاج کو قبر میں رکھنا بھول گئے ہو، اب طلب فرمار ہے ہیں۔ سب نے بالا تفاق کہا کہ بے شک یہی بات ہے۔ ایک صاحب وہ تاج لاکر مخدوم الملک کے ہاتھ میں رکھ دیتے ہیں، تاج پاتے ہی شیخ ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔

مخدوم سمنان اور خرقہ مخدوم الملک

رات کو حضرت محبوب یزدانی، حضرت مخدوم الملک کے مزار پُر انوار پر موجود ہیں، پھر روحانیہ پاک مخدوم الملک ظاہر ہوتی ہے اور کمال توجہ سے اپنا خرقہ شریف حضرت محبوبِ یزدانی علیہ الرحمۃ کو عطا فرمادیتی ہے۔..... صبح ہوتے ہی حضرت محبوبِ یزدانی خرقہ شریف طلب فرماتے ہیں۔ مخدوم الملک کے اصحاب خرقہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔

چنانچہ فیصلے کے مطابق خرقہ شریف مزارِ مقدس پر رکھ دیا گیا اور باری باری تمام اصحاب نے اُٹھانا چاہا، مگر کسی سے نہ اُٹھ سکا۔ سب سے آخر میں حضرت محبوبِ یزدانی اپنا ہاتھ بڑھاتے ہیں، تو وہی خرقہ شریف جس کو کوئی نہ اٹھا سکا، پھول کی طرح آپ اُٹھالیتے ہیں۔ (صحائفِ اشرفی)

رسائی اہل دل کی ہے جہاں تک خرد والے نہ پہنچیں گے وہاں تک

صلی اللّٰہ علی النبی الامی والہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیك یارسول اللّٰہ.

مخدومِ سمنان کا استقبال پنڈوا شریف میں

ادھر حضرت محبوبِ یزدانی، حضرت مخدوم الملک کے مزارِ پُر انوار سے روانہ ہوتے ہیں اور سیدھے مقام جنت آباد، پنڈوا شریف کا رُخ کرتے ہیں۔ ادھر پیرِ کامل، مرشدِ برحق حضرت علاء الحق پنڈوی بعد نمازِ چاشت خواب سے چونک کر بیدار

ہوتے ہیں اور بے تابانہ خانقاہ سے باہر نکل آتے ہیں اور فرماتے ہیں، مجھے یار کی خوشبو آرہی ہے، اپنی سواری پالکی اور اپنے مرشد حضرت شیخ سراج الحق والدین کی پالکی جو آپ کو ملی تھی، ہمراہ لے کر شہر سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ آپ اپنے مرشد کی پالکی پر سوار ہوتے ہیں اور اپنی پالکی خالی رکھتے ہیں۔...... حضرت محبوب یزدانی کے استقبال کے لیے اس طرح سے نکلنے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔ لوگوں کا اتنا ہجوم ہو جاتا ہے کہ راستہ چلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

المختصر یہ ہے کہ دونوں جانب سے جذبۂ محبت کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت محبوبِ یزدانی دوڑ کر آتے ہیں اور مرشدِ برحق کے قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں اور محسن ومربی پیرِ کامل بھی اپنے قدموں سے سر اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیتے ہیں۔

پیر و مرشد کی پالکی

اِس کے بعد فرماتے ہیں، بیٹا اشرف! تم میری پالکی پر سوار ہو،...... حضرت مخدوم پاک عاجزی سے عرض کرتے ہیں، یہ زیب نہیں دیتا کہ آقا سوار ہو اور غلام بھی سوار ہو۔ بعد اصرار حسبِ ارشاد "الامر فوق الادب" کے تحت مرشدِ برحق کی پالکی پر سوار ہوتے ہیں اور حضرت علاء الحق بھی اپنے مرشد کی پالکی پر سوار ہوتے ہیں، جیسے ہی خانقاہ عالم پناہ کے دروازے پر پہنچتے ہیں، پالکی سے اُتر کر مرشد کے آستانے کی چوکھٹ پر سر رکھ دیتے ہیں...... مرشدِ برحق کمالِ شفقت سے مریدِ خاص کا سر اُٹھا کر اپنی آغوش میں لے لیتے ہیں اور سینے سے لگا کر انوار و عرفان کی دولتوں سے مال مال کر دیتے ہیں۔

خصوصی نوازشات کی بارش

اس کے بعد خانقاہ کے اندر لے جا کر اپنے پاس پہلو بہ پہلو بٹھاتے ہیں اور

اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے ہیں، اور ایک خاص قسم کا پان بھی کھلاتے ہیں۔ پھر مرید ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ بعدہٗ حضرت علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ اپنے سر کا تاج اُتار کر اپنے ہاتھوں سے محبوبِ یزدانی کے سر پر رکھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد حجرے کے اندر لے جاتے ہیں، اور چند ہی منٹوں میں تمام اسرار و انوار سے سرفراز فرمادیتے ہیں،.......اس کے بعد کچھ تبرکاتِ مشائخ خانقاہ کے اندر سے نکال کر باہر تشریف لاتے ہیں، اور تمام لوگوں کے سامنے سالہا سال سے رکھے ہوئے تبرکات اپنے مریدِ خاص حضور محبوبِ یزدانی کو عطا فرمادیتے ہیں۔.......اور حضور محبوبِ الٰہی علیہ الرحمہ کا جو خرقہ حضرت اخی سراج الحق سے شیخ کو ملا تھا، وہ بھی اپنے مریدِ خاص کو عطا فرمادیتے ہیں،......ان تمام تبرکات کو ادب و احترام کے ساتھ قبول فرمانے کے بعد دوسرے دن خرقہ اور تمام تبرکات ایک فقیر کو خیرات کر دیتے ہیں۔

ایک اعتراض کا معقول جواب

برادرانِ اسلام! شیخ علاء الحق علیہ الرحمہ کے مریدوں نے اعتراض کیا کہ شیخ کے بیش بہا تبرکات کی قدر و منزلت نہیں کی گئی؟ شکایت پہنچنے پر شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ خود اشرف سے پوچھو کہ اِس میں راز کیا ہے؟ اس لیے کہ محبوبانِ خدا کا کوئی فعل بے معنی نہیں ہوتا ہے........ چنانچہ دریافت کرنے پر حضور محبوبِ یزدانی، مخدوم سمنانی ارشاد فرماتے ہیں، لباس عین پیر ہے یا غیر پیر؟ یہ تو ظاہر ہے کہ لباس عین پیر نہیں بلکہ غیر پیر ہے، میرے پیر و مرشد کی نظر غیر پیر پر نہیں اور مرید کو پیر کا تابع ہونا ضروری ہے، اگر مَیں غیر پیر پر التفات کروں تو پیرِ کامل سے فیض حاصل نہیں کرتا، اور پیر سے فیض حاصل نہیں کیا تو پیر سے کیا نسبت باقی رہی........ جواب سُن کر سب لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں، اور مشفق مرشد خوش ہو کر اس طرح دعا دیتے ہیں، خدا کرے ان کے علم و معرفت اور کردار و عمل کی خوشبو، مشرق سے مغرب تک پہنچے۔

جہانگیری خطاب نایاب

حضرات محترم! حضرت سید مخدوم اشرف پیرِ کامل کی ہدایت و تربیت کے مطابق عقیدت و محبت، تقویٰ و طہارت، زُہد و ورع، ریاضت و مجاہدہ کے خوش گوار ماحول میں چار سال مقیم رہے اور اکتسابِ فیوض و برکات سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ ایک مرتبہ عجیب اتفاق ہے کہ شب برأت کی مقدس رات ہے۔ حضرت شیخ علاء الحق علیہ الرحمہ شب برأت کے اوراد و وظائف میں مشغول ہیں، خلوت خانہ میں مراقبہ فرما رہے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح صادق ہو جاتی ہے۔ یکبارگی خلوت خانہ کے در و دیوار سے آواز آتی ہے "جہانگیر جہانگیر"۔ شیخ کامل مرید خاص کو لقب عطا کرنے کے لیے پہلے ہی سے متفکر و منتظر تھے، اس غیبی آواز کو سُن کر فرماتے ہیں، الحمدللہ! فرزند اشرف کو خطاب جہانگیری ملا، .... حضرت محبوبِ یزدانی مخدوم سمنانی دوسری خلوت سے نمازِ فجر کے لیے باہر تشریف لاتے ہیں۔ نمازِ فجر کے بعد جو بھی سامنے آتا ہے، یہی کہتا ہے، خطاب جہانگیری مبارک ہو، خطاب جہانگیری مبارک ہو۔

صلی اللّٰہ علی النبی الامی و الہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیک یارسول اللّٰہ۔

پنڈوا سے جونپور اور کرامت مخدوم

سامعین محترم! حضرت محبوبِ یزدانی علیہ الرحمہ پنڈوا شریف میں تقریباً چھ سال تک پیر و مرشد کی خدمت میں رہ کر منازلِ سلوک طے کرنے کے بعد پیر و مرشد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پنڈوا شریف سے روانہ ہوتے ہیں اور منازلِ سفر طے کرتے ہوئے سرزمین ظفرآباد پر رونق افروز ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے

ہیں کہ فقیر کی عادت مسجد میں ٹھہرنے کی ہے۔ ظفر خان کی مسجد میں سامان رکھوا اور بیرونِ مسجد ہمراہیوں کے خیمے کھڑے ہوں۔...... آپ کی آمد کی خبر جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گئی، ایک دن آپ اپنے مریدوں سے معرفتِ الٰہی بیان فرمارہے تھے کہ اِسی اثنا میں پانچ دس آدمی ایک زندہ آدمی کو چارپائی پر لٹائے ہوئے اوپر سے چادر اوڑھا کر لائے، اور رو رو کر عرض کرنے لگے، کہ حضرت اِس کی نمازِ جنازہ پڑھا دیجیے۔

حضرات! یہ لوگ اس غرض سے زندہ آدمی کو مُردہ بنا کر لائے تھے، کہ جب محبوبِ یزدانی اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں تو آدمی چارپائی پر سے اُٹھ کر بھاگے، جس سے مضحکہ ہو،........ حضرت محبوبِ یزدانی اپنے ایک خلیفہ سے فرماتے ہیں، نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے سب کو جانے کی ضرورت نہیں، تم جنازہ پڑھا دو........ بہر حال انہی نقالوں میں سے ایک نقال ولی بن کر نمازِ جنازہ پڑھانے کی اجازت دیتا ہے...... خلیفۂ مخدوم نمازِ جنازہ کے لیے اِدھر ہاتھ اُٹھاتے ہیں، اُدھر جسدِ خاکی سے اُس کی روح پرواز کر جاتی ہے،...... وہ نقال تو اس کے اُٹھ کر بھاگنے کے منتظر تھے، یہاں اس کی روح پرواز کر چکی ہے،........ جب ان لوگوں کو اپنے آدمی کی ہلاکت کا پتا چلتا ہے تو بہت رونے اور افسوس کرنے لگتے ہیں،....... حضور محبوبِ یزدانی فرماتے ہیں، لے جاؤ، اس کو سپردِ خاک کر دو۔ اس لیے تو کسی شاعرِ اسلام نے کہا ہے کہ ؎

ولی اللہ میں شانِ جلال اللہ ہوتی ہے
مگر بدمذہبوں کی عقل کب آگاہ ہوتی ہے

نگاہِ پنڈوی اور کچھوچھہ کی پیش گوئی

حضرت محبوبِ یزدانی دو ماہ تک جونپور میں قیام پذیر رہتے ہیں، عوام و

خواص، ادنیٰ و اعلیٰ سبھی لوگ بیعت سے مشرف ہوتے ہیں۔ بعدہٗ ہمراہیوں سے فرماتے ہیں، اسباب باندھو اور وہاں چلو، جہاں کے لیے میرے مرشد نے فرمایا ہے۔....... حقیقت یہ ہے کہ ایک شب پچھلی رات کو حضرت محبوبِ یزدانی پیر و مرشد کی خدمتِ اقدس میں بیٹھے تھے، اور مرشدِ برحق اسرار و معارف اور نکاتِ تصوف بیان فرما رہے تھے، کہ اچانک فرمانے لگے کہ اشرف! تم اس مقام کو دیکھتے ہو، جو تمہارے خمیر کی جگہ ہے۔ عرض کرتے ہیں، آپ پر زیادہ روشن ہے.......
مرشدِ برحق حضرت علاء الحق پنڈوی ارشاد فرماتے ہیں، تمہارا مقام ایک مدوّر تالاب کے حلقے میں تل کے نقطے کی مانند دیکھا جاتا ہے، وہیں کی خاک تمہارے خمیر میں ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستیوں میں

انہی لوگوں کے بارے میں علامہ جلال الدین رومی علیہ الرحمہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف مثنوی شریف میں لکھتے ہیں۔

لوحِ محفوظ است پیش اولیا — از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

یعنی لوحِ محفوظ اولیاء کرام کی نگاہوں کے سامنے ہے، ارے یہ وہ لوگ ہیں کہ جب سر جھکاتے ہیں تو تحت الثریٰ دیکھ لیتے ہیں اور جب سر اُٹھاتے ہیں تو لوحِ محفوظ کا نوشتہ پڑھ لیتے ہیں۔

حضرات! یہ ہے حضرت علاء الحق پنڈوی کی نگاہوں کا عالم کہ برسوں پہلے مخدومِ کچھوچھہ کی آخری آرام گاہ دیکھ لیتے ہیں، اور مخدومِ پاک کو دکھا بھی دیتے ہیں۔ جب نگاہِ تاجدارِ ولایت کا یہ عالم ہے تو نگاہِ تاجدارِ رسالت کا کیا عالم ہوگا۔

جب اُن کے گدا بھر دیتے ہیں شاہانِ زمانہ کی جھولی
محتاج کا جب یہ عالم ہے تو مختار کا عالم کیا ہوگا

صوفیانہ ارشاد اور عالمانہ جواب

حضرت محبوبِ یزدانی ابھی جونپور ہی میں تشریف فرما تھے، کچھ لوگوں سے آپ شطحیات مشائخ بیان فرمار ہے تھے۔اسی اثنا میں آپ پر ایک پُر جوش کیفیت طاری ہوتی ہے اور اسی حالت میں ارشاد فرماتے ہیں، اَلنَّاسُ کُلُّهُمْ عَبْدٌ لِعَبْدِیْ یعنی تمام لوگ میرے غلام کے غلام ہیں.........ایک مدّت گذرنے کے بعد جب یہ راز کسی طرح کھل گیا تو حاسدین اعتراض کرنے لگے، کہ اس کا کیا معنیٰ ہے؟ قاضی شہاب الدین یہ سُن کر ارشاد فرماتے ہیں، تم لوگ فقیروں سے مت اُلجھو، اور حضرت مخدوم کی شان میں گستاخی نہ کرو، مَیں اس کا مطلب دریافت کر کے تم لوگوں کو سمجھائے دیتا ہوں،.........قاضی شہاب الدین صاحب بڑے ادب واحترام کے ساتھ سوال پیش کرتے ہیں، اس پر حضرت مخدوم علیہ الرحمہ جواب ارشاد فرماتے ہیں، کہ اس کا سمجھنا بہت آسان ہے اور کلمہ اَلنَّاسُ کُلُّهُمْ عَبْدٌ لِعَبْدِیْ بالالف ولام صادر ہوا ہے، اور الف لام عہد کے واسطے بھی آیا ہے۔اس واسطے کہ اکثر زمانے کے ”آدمی بندۂ ہوا وہوس ہوتے ہیں، اور اللہ نے ہوا وہوس کو میرا بندہ اور محکوم بنایا ہے، اور چونکہ اہلِ عالَم محکوم ہوائے نفسانی ہوئے، تو میرے بندے کے بندے ہوئے اور محکوم کے محکوم ہوئے۔(باعتبار کثرت احکامِ نفسانی اس قسم کی بات فرمائی)

جو جذب کے عالم میں نکلے لبِ مومن سے
وہ بات حقیقت میں تقدیرِ الٰہی ہے
تمنا دردِ دل کی ہو تو خدمت کر فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں سے
ولی اللہ بے شک مظہرِ شانِ الٰہی ہیں
جو اِن کے منہ سے نکلے عین فرمانِ الٰہی ہے

جونپور سے کچھوچھہ کا سفر

حضرات! ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت محبوبِ یزدانی پنڈوا سے جونپور پہنچے۔ کچھ عرصہ قیام فرمانے کے بعد اپنے ہمراہیوں کو لے کر وہاں سے موضع کرمنی پہنچتے ہیں۔ وہ مقام فرمانِ شیخ سے مشابہت رکھتا تھا۔ وہاں پر دو تین دن قیام فرماتے ہیں، حلقۂ تالاب کی سیر کرتے ہیں، اور جب اپنے کشف سے دریافت کر لیتے ہیں، کہ یہ وہ مقام نہیں تو ارشاد فرماتے ہیں، اسباب باندھو، ہماری جگہ یہ نہیں بلکہ دوسری ہے۔

بہر حال سفر کی مسافت طے کرتے ہوئے جب اس مقام کے قریب پہنچتے ہیں، جہاں پر ابھی حضرت کا مزارِ پُر انوار ہے تو فرماتے ہیں، میرے مرشد نے اسی جگہ کے لیے حکم فرمایا ہے، یہیں پر سب خیمہ زن ہو جاؤ۔

حضرات! حلقۂ تالاب کے وسط میں ایک جوگی رہتا تھا، جو بڑا جادوگر ہی نہیں بلکہ جادوگروں کا استاد بھی تھا۔ معلوم ہونے پر جوگی غصے سے سرخ ہو جاتا ہے، اور مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اور اپنی قوتِ سحر و استدراج سے چیونٹیوں کی فوج حملہ کرنے کے لیے بھیج دیتا ہے۔......محبوبِ یزدانی علیہ الرحمہ جمال الدین راوٗت سے فرماتے ہیں جو اسی دن مرید ہوئے تھے، جاؤ، جوگی کا مقابلہ کرو۔ حضرت جمال الدین تھوڑی دیر تأمل کر کے خاموش رہتے ہیں،...... مخدوم پاک ارشاد فرماتے ہیں، آگے آؤ...... حضرت پان کھا رہے تھے۔ پان کا اُگال اپنے ہاتھ سے اُن کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ پان کھاتے ہی حضرت جمال الدین کی حالت کچھ اَور ہی ہو جاتی ہے، شیروں کی طرح قدم آگے بڑھاتے ہیں، چیونٹیوں کی طرف حضرت کا نگاہ کرنا تھا، کہ فوراً چیونٹیاں میدان سے غائب ہو جاتی ہیں،...... کچھ دیر بعد جوگی شیروں کا لشکر بھیجتا ہے،...... آپ ایسا تصرف

فرماتے ہیں، کہ شیروں کا لشکر بھی غائب ہوجاتا ہے، ....آخرکار جوگی اپنے سونٹے کو ہوا میں اُڑا دیتا ہے...... حضرت جمال الدین بھی سیدنا حضرت محبوب یزدانی کا عصا مبارک منگوا کر ہوا پر چھوڑ دیتے ہیں۔ عصائے مخدوم جوگی کے سونٹے کو مار کر زمین پر گرا دیتا ہے۔

ہوش باختہ ہوکر جوگی عاجزی کرنے لگتا ہے، اور حضرت مخدوم اشرف علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر معافی مانگتا ہے۔ اور کلمۂ شہادت اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله پڑھ کر مسلمان ہوجاتا ہے۔ اور اس کے پانچ سو جوگی چیلے بھی مسلمان ہوجاتے ہیں اور اپنے مذہب کی کتابیں لاکر حضرت کے سامنے جلا دیتے ہیں۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

بلّی ولیہ ہوگئی اور دہریہ مسلمان ہوگیا

حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمہ کے مرید کمال جوگی کے یہاں ایک بلّی پلی ہوئی تھی، کبھی کبھی حضرت کی نظر اُس پر پڑ جاتی تھی۔ ایک دن ارشاد فرماتے ہیں کہ کمال جوگی کی بلّی کہاں ہے؟ اُس کو میرے پاس لاؤ۔ جس وقت بلّی حاضر کی گئی، حضرت کچھ اسرارِ معرفت بیان فرما رہے تھے۔ اِسی اثنا میں حضرت پر ایک عجیب و غریب، پُر جوش حالت طاری ہوجاتی ہے، ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ حضرت کی روح پرواز کرنے ہی والی ہے۔

ادھر بلّی کلماتِ معرفت سُن کر از خود وارفتہ ہوجاتی ہے اور اچھل کود کر بے ہوش ہوجاتی ہے۔ جب کافی دیر کے بعد بلّی ہوش میں آتی ہے، تو محبوبِ یزدانی کے قدموں کو بوسہ دینے لگتی ہے، اور آپ کے گرد طواف کرنے لگتی ہے۔ اِس کے بعد پھر یہ معمول بن چکا تھا کہ جب کوئی مہمان خانقاہ شریف میں آتے تو اُن کی

تعداد کے موافق آواز دیتی، اسی حساب سے باورچی کھانا تیار کرتا۔

ایک دن خانقاہِ مخدوم میں چند مہمان تشریف لاتے ہیں، بلّی بعادتِ معمولہ مہمانوں کی تعداد کے موافق آواز دیتی ہے، اور اسی حساب سے کھانا تیار کرلیا جاتا ہے، لیکن جب کھانا پیش کرنے کا وقت آتا ہے تو ایک آدمی زیادہ نظر آتا ہے۔

حضرت محبوبِ یزدانی بلّی کی طرف دیکھ کر فرماتے ہیں، یہ خطا کیسی؟ بلّی وہاں سے چل کر مہمانوں کے پاس پہنچتی ہے، ہر شخص کو سونگھ کر چھوڑ دیتی ہے، اور ایک شخص کو سونگھ کر اس کے زانوں پر بیٹھ جاتی ہے اور پیشاب کر دیتی ہے۔ حضرت محبوبِ یزدانی معائنہ فرما کر ارشاد فرماتے ہیں، بلّی کا کوئی قصور نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ یہ آدمی اپنا نہیں بے گانہ ہے، یعنی یہ آدمی مسلم نہیں غیر مسلم ہے۔...... یہ سُن کر اُس آدمی کا دل گھبرا جاتا ہے، اُس کا جسم کانپنے لگتا ہے، اور فوراً محبوبِ یزدانی کے قدموں میں گر کر عرض کرنے لگتا ہے کہ بارہ برس سے مَیں مذہب دہریہ رکھتا ہوں اور مسلمانوں کے لباس میں رہتا ہوں اور بزرگوں کی خانقاہوں میں پھرتا ہوں، اس نیت سے کہ کوئی میرا نفاق ظاہر کر دے تو مَیں اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہو جاؤں۔ دہریہ توبہ کر کے کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے، اور مخدوم پاک بھی اس کو اپنی غلامی میں داخل فرما کر اجازت وخلافت سے نوازدیتے ہیں۔

ولی اللہ میں شان جلال اللہ ہوتی ہے
مگر بدمذہبوں کی عقل کب آگاہ ہوتی ہے
نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی — بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

گربۂ مخدوم شہید محبت ہوگئی

حضرات! یہ ایک عجیب اتفاق کی بات ہے کہ ایک دن باورچی خانے میں دودھ گرم ہو رہا تھا۔ اُس کی گرم بھاپ چھت تک پہنچنے کی وجہ سے ایک کالا زہریلا

سانپ دیگ میں گر جاتا ہے۔ باورچی اس سے بے خبر ہے، کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ مخدوم پاک کی بلی دیگ کے کنارے پھر کر بار بار اشارہ کرتی ہے، مگر کوئی سمجھ نہیں پا رہا ہے۔ باورچی کہتا ہے، کیوں گھبراتی ہے، جب دودھ تیار ہوگا تو تجھ کو ضرور ملے گا۔ یہ کہہ کر بلی کو جھڑک دیتا ہے۔...... بلی دل ہی دل میں سوچ رہی ہے، اگر یہ دودھ فقیروں میں تقسیم کر دیا جائے گا تو اس کے زہر سے لوگوں کی ہلاکت ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر مخدوم پاک کی وفادار اور جانباز بلی چھلانگ لگا دیتی ہے اور دیگ میں گر کر شہید محبت ہو جاتی ہے۔ جب دودھ پھینکتے وقت دیگ میں کالا سانپ نظر آتا ہے تب فلسفہ سمجھ میں آتا ہے۔

وصالِ باکمال

۸۰۸ ہجری ہے، آپ کی عمر سو سال ہو چکی ہے، محرم شریف کا مقدس مہینہ آتا ہے، چاند دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ اس ماہِ مبارک میں ہمارے جد امجد سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہادت نصیب ہوئی تھی، اگر ہمیں بھی موافقت نصیب ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔...... چنانچہ عاشورہ کے دن آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔

مریدین آپ کی عیادت کے لیے چلے آرہے ہیں۔ متوسلین آپ کی مزاج پرسی کے لیے چلے آرہے ہیں۔ معتقدین آپ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے چلے آرہے ہیں۔ محبین آپ کی زیارت کے لیے چلے آرہے ہیں۔ سارے لوگ آپ کی صحت کے لیے دعائیں کر رہے ہیں۔ علمائے کرام افسوس کا اظہار کر رہے ہیں۔ خلفائے عظام حسرت بھری نگاہوں سے دیدار کر رہے ہیں۔

آپ کی طبیعت قدرے سنبھل کر پھر علیل ہو جاتی ہے۔ اب آپ پر اکثر غشی کی حالت طاری رہنے لگتی ہے۔ بیس محرم سے تیئس محرم تک دور و نزدیک سے اپنے

اور بیگانے بے شمار لوگ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر آتے ہیں۔آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہوکر فیوض و برکات سے سیراب ہورہے ہیں،اس کے بعد آپ اپنی قبر کی نشاندہی فرماتے ہیں،اور مولسری کے ایک درخت کے سایے تلے بیٹھ جاتے ہیں،اور فراق احباب پر غم کا اظہار فرماتے ہیں۔

محرم کی ستائیسویں تاریخ میں آپ نمازِ فجر کی امامت نہ کر سکے،نقاہت و کمزوری دامن گیر ہے،دن میں اپنا سجادہ حضرت نورالعین کے حوالے کرتے ہیں،اور کاغذات کے چند اوراق لے کر نصیحتیں لکھتے ہیں۔اٹھائیس محرم کو تبرکات کا بقچہ منگاتے ہیں،اور حضرت نورالعین کے حوالے کر دیتے ہیں اور کچھ یادگاریں مریدین کو عنایت فرمادیتے ہیں۔پھر لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں،ظہر کی نماز میں حضرت نورالعین کو امام بناتے ہیں۔بعد نماز شیخ سعدی کے یہ اشعار سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔

خوب تر زین دگر نباشد کار　　یار خنداں رود بجانب یار
سید بیند جمال جاناں را　　جاں سپار و نگار خنداں را

آخر کار وہ ندائے حق جو بنگال کی کھاڑی سے لے کر گجرات کے ساحل تک اور جنوبی ہند کی سطح مرتفع سے لے کر ایران،عراق،فلسطین،حجاز،ترکستان اور ماوراء النہر کے درو بام تک گونج رہی تھی،قانونِ قدرت کے تحت خاموش ہوگئی۔انا للّٰه وانا الیه راجعون ۔ربِ کریم ان کی تربت پہ رحمت و نور کے پھول برسائے اور ہم سب پر مخدومی فیضان کی بارش برسائے۔آمین یارب العالمین ۔و آخــــر دعوانا عن الحمد للّٰه رب العلمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلاَّ الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

❖❖❖

ساتویں تقریر

شانِ اعلیٰ حضرت

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ کَمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی ٥ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہِ الْمُرْتَضٰی ٥ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَوْلِیَاءِ الْھُدٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ٥ (پارہ ۱۰، رکوع ۴، آیت ۱۱۹) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ ط وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ ٥ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ ط وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ٥

غوثِ اعظم بمن بے سروساماں مددے
قبلۂ دیں مددے کعبۂ ایماں مددے
قادریم نعرۂ یا غوث اعظم می زنم
دم زشیخ احمد رضا خاں قطب عالم می زنم

بادۂ توحید کے متوالو! شمع رسالت کے پروانو! قرآن مجید کے فداکارو! غوث وخواجہ کے شیدائیو! اعلیٰ حضرت کے چاہنے والو! آیئے ہم اور آپ مل کر انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ گنبد خضریٰ کی جانب لو لگا کر اپنے آقا ومولیٰ، آفتابِ رسالت ماہتابِ نبوت، کونین کی زینت، سبز گنبد کے مکیں، عرشِ اعظم کے مسند نشیں، محبوبِ رب العالمین، مکی سرکار، مدنی تاج دار، دونوں عالم کے مالک و مختار، بے قراروں کے قرار، شفیع روزِ شمار، حضور احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ ﷺ کے دربار

گہربار میں نذرانۂ دُرود و سلام پیش کریں۔

اَللّٰـهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَا ٥
نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَا ٥

تمہید

محبانِ گرامی! آج کی اس بزمِ نور و نکہت میں، مَیں مجدّدِ مأة حاضرہ و ماضیہ امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت الحاج الشاہ امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبقری شخصیت پر خطاب کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

جس نے بریلی کی ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھ کر ہمارے سینوں میں عشقِ مصطفوی کا چراغ روشن کیا، جس کی ایک ایک ادا عشقِ مصطفوی سے تعبیر ہو کر رہ گئی۔ جسے ہم دنیائے عشق و محبت کا امام اور فکر و فن کا شہنشاہ کہتے ہیں۔ معتمدینِ عرب و عجم نیز عوام و خواص جسے اعلیٰ حضرت تاجدارِ اہلِ سُنّت مجدّدِ دین و ملّت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اُس تاریخ ساز شخصیت نے اپنے دورِ پُرفتن میں جس طرح باطل کی سرکوبی کی ہے اور پرچمِ حقانیت اپنے دستِ حق پرست میں لے کر تصرفات کی کروٹیں لی ہیں، یہ اُسی عظیم تاریخ ساز اور عبقری شخصیت ہی کا حظ و حصہ تھا۔

شرک تھا جب ناز کرنا احمدِ مختار پر
نکتہ چیں تھے لوگ علم سیدِ ابرار پر
ہر وَلی ہر غوث کو بے دست و پا سمجھا گیا
یا رسول اللہ کہنے پر تھا فتویٰ شرک کا
صورتیں تسکین کی نکلیں دلِ سیماب سے
ایک کرن پھوٹی اچانک چرخ پر مہتاب سے

اُس کرن کو اہلِ دیں احمد رضا کہنے لگے
اُمّت ختم الرسل کے پاسباں کہنے لگے
اُس کرن نے راہِ ایماں کو منوّر کردیا
پھول تو ہیں پھول، خاروں کو گلِ تر کردیا
قوم کے ایمان وحرمت کے نگہباں زندہ باد
زندہ باد اے مفتیِ احمد رضا رضا خان زندہ باد
ابرِ رحمت تیری مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے
فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر

خطبۂ مسنونہ کے بعد میں نے جس آیتِ کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے، وہ یہ ہے: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۝

یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچّوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

حضرات! آیئے اپنے حاشیۂ ذہن میں یہ مرکزی خیال رکھیے کہ مجدّد اپنے دور کی ساری باطل قوتوں کا کامیاب جواب ہوتا ہے۔ چنانچہ اکبر جب اپنی اکفریت کو پھیلانے کے لیے دینِ اسلام کے خلاف ایک نیا دین پیدا کررہا تھا، اکبر جب دینِ اسلام کے خلاف علمِ بغاوت لہرا رہا تھا، تو ایسے دور میں ایک مردِ مجاہد حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ رحمۃ الباری سرزمینِ سرہند سے علمِ صداقت وہدایت لے کر اٹھتے ہیں، اور اکبر کی اکفریت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لیے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔

محبانِ گرامی! ذرا اِس دور کے مجدّدِ اسلام امام احمد رضا قادری محدث بریلوی کی ذاتِ گرامی بھی اپنے سامنے رکھیے کہ جب اکبر کی اکفریت کا خاتمہ حضرت

مجدد الف ثانی نے کر دیا، اُس کے بعد بدنصیبی سے بھارت کی دھرتی پر مسلمانوں کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ ہندوستان، سونے کی چڑیا ایک بار پھر غلام بن کر رہ گیا۔ ۱۸۵۷ء عیسوی میں انگریزوں نے جب بھارت کی دھرتی پر قبضہ کیا تو اُن تن کے گورے، من کے کالے انگریزوں نے اِس دیش کی دھرتی ہی پر تسلط و قبضہ نہیں کیا تھا، بلکہ اِس دیش کے رہنے والوں کے افکار و نظریات پر بھی قبضہ کیا تھا، اُن کی رفتار و گفتار پر بھی قبضہ کیا تھا، اُن کے عقائد و اعمال پر بھی قبضہ کیا تھا، تو ایسے ماحول میں اعلیٰ حضرت ہی نے اسلام کا اصلی چہرہ پیش کر کے ہم پر احسانِ عظیم فرمایا۔

انگریزوں کی دوراندیشی

انگریزوں نے مسلمانوں کی تاریخ و ہسٹری پڑھ کرا تنا تو معلوم کر لیا تھا کہ قومِ مسلم۔کبھی دریاؤں میں اپنا گھوڑا دوڑا دیتی ہے۔کبھی اپنی کشتیوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے جلا دیتی ہے۔کبھی تین سو تیرہ مسلمان ہزاروں مسلح بہادروں کو شکست دے کر فتح و ظفر حاصل کر لیتے ہیں۔کبھی مٹھی بھر مسلمان ہی بائیس ہزار لشکر جرار کا ڈٹ کر مقابلہ کر کے اسلام کا چراغ جلائے رکھتے ہیں۔

چنانچہ مسلمانوں کی کامیابی اور شان و شوکت دیکھ کر باطل اقوام حیران و پریشان ہو گئیں، کہ نہ جانے مسلمانوں کے پاس وہ کون سی قوت ہے کہ جس کے سامنے ساری مادّی طاقتیں مفلوج و مردود ہو کر رہ جاتی ہیں۔

آخر کار انگریز قوم نے سچے مسلمان کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا تا کہ پتہ چل سکے کہ مسلمانوں کے پاس وہ کون سی طاقت کار فرما ہے، جس کی وجہ سے یہ لوگ موت کو حیات، فنا کو بقا اور مرنے کو زندگی تصور کرتے ہیں.......... آخر کار وہ لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمان قوم کو اپنے رسولِ پاک علیہ التحیۃ والثناء سے بے پناہ عقیدت و محبت ہے اور اُن کے نام پر مر مٹنے کو حیاتِ جاودانی سمجھتے ہیں۔

چنانچہ انگریزوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو نہ تو سامانِ جنگ کی کثرت سے زیر کیا جاسکتا ہے، نہ ہی فوجی طاقت سے اِن کو مٹایا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو شکست دینے کی ایک ہی صورت ہے کہ اِن کے دلوں سے اِن کے نبی کی محبت نکال دی جائے، تو یہ لوگ خود بخود زیر ہوجائیں گے، اِن کے دلوں سے عشقِ رسالت مٹادیا جائے تو یہ لوگ برسرِ اقتدار نہ ہونے پائیں گے۔

مادر پدر آزاد ماڈرن لوگوں کا گروہ

چنانچہ اس حصولِ مقصد کے لیے انگریزوں نے دو گروہ تیار کیے۔ اُن میں ایک مادر پدر آزاد ماڈرن لوگوں کا گروہ تیار کیا، جنہوں نے سیدھے سادے مسلمانوں کو نام نہاد ترقی کا لالچ دے کر مسجدوں اور مدرسوں سے کھینچ کر کلبوں اور کالجوں تک پہنچایا۔ تلاوتِ قرآن کرنے کی بجائے ناول کے مطالعہ کا شوق دلایا، نعتِ مصطفےٰ اور ذکرِ مجتبیٰ سننے سُنانے والوں کو رقص وسرود اور گانے بجانے کے سننے سُنانے کی ترغیب وتشویق دی۔ فیشن اور عریانیت کی تخصیص کی، مسلمان مردوں کے سروں سے ٹوپیاں اور عورتوں کے سروں سے دوپٹے اُتروا ڈالے، مسلمانوں کو داڑھی منڈوانے اور انگریزی لباس پہننے کی عادت ڈلوائی، کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو ترقی کا نام دیا۔

حضرات! ایک سیدھا سادہ مسلمان تھا، جس کا لڑکا کالج میں پڑھتا تھا۔ کسی صاحب نے دریافت کیا کہ جناب! آپ کا لڑکا کس جماعت میں پڑھتا ہے؟ تو وہ سیدھا سادہ مسلمان فوراً جواب دیتا ہے بھائی! ابھی میرا بیٹا کھڑے ہوکر پیشاب کرتا ہے تم خود ہی اندازہ کرلو کہ وہ کس جماعت میں پڑھتا ہوگا۔

نام نہاد عالموں کا گروہ

حضرات! انگریزی ایجنٹوں نے مسلمان قوم کو اپنے نبی سے ظاہری طور پر

اِتنادور کردیا کہ اب نہ مسلمان کا چہرہ سُنّتِ رسول کے مطابق رہا اور نہ اوڑھنا پہننا سُنّتِ رسول کے مطابق رہا اور نہ کھانا پینا ہی سُنّتِ رسول کے مطابق رہا، اُن بدبختوں کے اس غلط منصوبے نے مسلمانوں کے ظاہر کو بدل کر رکھ دیا۔

اور دوسرا گروہ جو انگریزوں نے تیار کیا، وہ مذہبی بہروپیوں اور نام نہاد عالموں کا گروہ تھا۔ جو بظاہر لمبی لمبی داڑھیاں رکھے ہوئے تھے، جو اونچے اونچے پاجامے اور لمبے لمبے کرتے اور جبّے پہنے ہوئے تھے، رسمی طور پر کلمہ پڑھتے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے، حدیثیں سُناتے، تسبیح کھنکھناتے، لیکن انگریزوں کے ان ایجنٹوں نے قرآن و حدیث کی آڑ میں شرک و بدعت کا فتویٰ دے کر بھولے بھالے مسلمانوں کے دل کی دنیا کو برباد کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ یہاں تک کہ اُس دوسرے گروہ نے بہت سے مسلمانوں کے باطن کو بھی بدل دیا۔

انگریزوں کے زرخرید غلاموں کے کارنامے

برادرانِ ملّت اسلامیہ! انگریزوں کے ان زرخرید غلام کے گروہوں نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیر دیا۔ پھر تو مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی کہ

(۱) رسولِ اعظم ﷺ کے شیدائی بدعقیدگی کی زنجیروں میں جکڑے جارہے تھے۔

(۲) پیغمبرِ اسلام کے دیوانے ہچکولے کھارہے تھے۔

(۳) علمِ غیب مصطفیٰ کے خلاف اجتماع کیے جارہے تھے۔

(۴) صاحبانِ جبہ و دستار ابلیس کی شاگردی کا حق ادا کررہے تھے۔

(۵) شرک کے متوالے بادل اپنی گھن گرج کے ساتھ اہلِ ایمان کو ڈرانے پر مجبور کررہے تھے۔

(۶) ضلالت و گمراہی کا کہرا ہر چار سُو چھارہا تھا۔

(۷) کفر ایمان کے لباس میں ملبوس ہو کر انگڑائیاں لے رہا تھا۔

(۸) قادیانیت ومرزائیت مصطفےٰ جانِ رحمت کے خلاف انگارے اُگل رہی تھی۔
(۹) پورے ہندوستان کی فضا نیچریت وصلح کلیت کی تیز وتند آندھیوں سے غبار آلود ہوتی چلی جارہی تھی۔
(۱۰) الحاد وبے دینی کی گھٹاٹوپ تاریکی ہر طرف پھیلتی اور چھاتی جارہی تھی۔
(۱۱) بدمذہبی اور بدعقیدگی کی کالی گھٹا ایمان وہدایت کی روشنی کو ڈھانپتی جارہی تھی۔
(۱۲) دعوے دارانِ اسلام اپنی خود ساختہ تاویلات سے اسلامی مسائل اور شرعی احکام کی اصلی شکلیں بگاڑتے جارہے تھے۔
(۱۳) اللہ سبوح وقدوس کی چادرِ عظمت پر کذب وجھوٹ کا دھبہ لگارہے تھے۔
(۱۴) رسولِ پاک ﷺ کے دامنِ اقدس پر بےادبی اور گستاخی کی کیچڑ اُچھال رہے تھے۔
(۱۵) اسلام کا اصلی چہرہ مسخ کررہے تھے۔
(۱۶) بھولے بھالے مسلمانوں کے ایمان لوٹ رہے تھے۔

مجدّدِ اعظم کی جلوہ گری

حضرات! اِن حالات کے پیشِ نظر اسلام ومسلمین کو ایک ایسے قائدِ اعظم کی ضرورت تھی، ایک ایسے مصلحِ اعظم کی ضرورت تھی، ایک ایسے مجدّدِ اعظم کی ضرورت تھی۔

جو وارثِ علومِ نبی اور نائبِ مصطفےٰ بن کر اپنے مقدس کارناموں سے اُمّتِ مرحومہ کا دین تازہ اور حضور پُر نور ﷺ کی مُردہ سُنّتوں کو زندہ کردے۔ جو گلشنِ مصطفےٰ ﷺ کو ہرا بھرا کردے۔ جو چمنِ مجتبیٰ ﷺ کو پھولوں کی خوشبوؤں سے معطر کردے۔ جو عظمتِ مصطفےٰ اور عصمتِ انبیاء کا ڈنکا پوری دنیا میں بجادے۔ جو پرتو جلالِ موسیٰ بن کر اللہ سبوح وقدوس کی چادرِ عظمت پر جھوٹ کا دھبہ لگانے والوں کو جلا کر راکھ کردے۔ جو صدیقی صداقت کا آئینہ بن کر قوم کے سامنے اسلام کا اصلی

چہرہ پیش کر دے۔ جو فاروقی ہیبت کی جھلک بن کر بدعقیدوں اور گمراہوں میں زلزلہ پیدا کر دے۔ جو عثمانی سخاوت کا مظہر بن کر اپنی جان و مال اور تمام تر صلاحیتوں کو بے لوث وقف کر دے۔ جو حیدری شجاعت کا نمونہ بن کر ذوالفقار حیدری کی طرح اپنی قلمی تلوار سے ملحدوں اور بے دینوں کو موت کے گھاٹ اُتار دے۔ جو حسینی شہادت کا پیکر بن کر شاتمانِ مصطفیٰ کے طعن و تشنیع کی پرواہ کیے بغیر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے صبر و رضا کا جوہر دکھا دے۔ جو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جانشین بن کر ادلۂ تفصیلیہ کے ذریعے احکامِ شرعیہ اور مسائلِ فرعیہ کے مغبر اور گرد آلود چہروں سے گرد و غبار صاف کر کے ان کو اپنے اصل روپ میں پیش کر دے۔ جو گلشنِ بغداد حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مظہر بن کر الحاد و بے دینی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کو چیر دے۔ جو محمدی کچھار کا شیر بن کر گستاخانِ مصطفیٰ ﷺ اور باغیانِ مجتبیٰ کے پنجوں کو موڑ دے۔ جو مذہبی بہروپیوں کی قلعی کھول دے۔ جو نیچریت و قادیانیت کی چمڑی اُدھیڑ دے۔ جو قلعۂ دہریت و صلح کلیت کی بنیادوں کو اُکھاڑ کر پھینک دے۔ جو اپنے سیفِ قلم سے تنقیصِ شانِ رسالت کرنے والوں کے سر قلم کر دے۔ جو اہلِ قرآن اور اہلِ حدیث جیسے گستاخوں کے منہ میں لگام دے دے۔ جو قہرِ الٰہی کی بجلی بن کر شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والوں کو خاکستر کر دے۔ جو اپنے قلم کی روشنائی سے شہیدوں کے لہو کی طرح چمنستانِ اسلام کو لالہ زار بنا دے۔

چنانچہ ربّ قدیر و حفیظ نے دینِ اسلام کی حفاظت و صیانت اور حمایت کے لیے ایک ایسا مجدّد پیدا فرمایا، جو مذکورہ اوصاف میں کامل ہونے کے ساتھ ساتھ اور دوسری بے شمار خصوصیات کا بھی حامل تھا۔

دوستو! جانتے ہو اس عظیم المرتبت مجدّد کا نام کیا ہے؟

سنو! اس مجدّد کا مقدس و مبارک نام ''عبدالمصطفیٰ احمد رضا'' ہے۔ جو عرب و

عجم میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی کے نام سے معروف و مشہور ہیں۔

امام احمد رضا کسی فرد واحد کا نام نہیں بلکہ ہمہ گیر شخصیت کا نام امام احمد رضا ہے۔ تدبر و تفکر کا نام امام احمد رضا ہے۔ محی سُنّیت کا نام امام احمد رضا ہے۔ قاطع بدعت وگمراہیت کا نام امام احمد رضا ہے۔ ایوانِ چکڑالویت و مودودیت کو ڈھانے والے کا نام امام احمد رضا ہے۔ قصرِ رافضیت و مرزائیت میں زلزلہ پیدا کرنے والے کا نام امام احمد رضا ہے۔ دشمنانِ مصطفیٰ کی گردن کے لیے برہنہ شمشیر کا نام امام احمد رضا ہے۔ باغیانِ مجتبیٰ کے منہ پر بھرپور طمانچے کا نام امام احمد رضا ہے۔ علمِ غیب مصطفیٰ پر دلائلِ عقلیہ ونقلیہ کا انبار لگا دینے والے کا نام امام احمد رضا ہے۔ سُنّیت کے مشعلِ راہ کا نام امام احمد رضا ہے۔ حضرت جلال الدین سیوطی کے تفسیری کمال کا نام امام احمد رضا ہے۔ امام فخر الدین رازی کے تدقیقی کمال کا نام امام احمد رضا ہے۔ امام اعظم کی فقاہت کا نام امام احمد رضا ہے۔ غوثِ اعظم کی ولایت کا نام امام احمد رضا ہے۔ خواجہ غریب نواز کی کرامت کا نام امام احمد رضا ہے۔ پیر و مرشد آلِ رسول کی امانت کا نام امام احمد رضا ہے۔

ہاں، ہاں، وہ اعلیٰ حضرت جس نے اپنا سارا سرمایۂ حیات، اپنی ساری توانائیاں، اپنی ساری صلاحیتیں، اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور اپنا سب کچھ رضائے خدا اور رضائے مصطفیٰ کے لیے وقف کر دیا تھا۔

حضرات! آیئے آج یہ داستان بھی سنتے چلیے کہ آج دنیا کے لاکھوں کروڑوں سنی مسلمان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر اپنی جان کیوں چھڑکتے ہیں، اور مسلک اعلیٰ حضرت کیا چیز ہے کہ جس کے ساتھ اس قدر ان کی والہانہ وابستگی ہے، اعلیٰ حضرت کے اندر وہ کون سی خوبی تھی جس کی وجہ سے بریلوی کا لفظ اب سنی صحیح العقیدہ ایماندار طبقے کا علامتی نشان بن گیا ہے، اس امر کو سمجھنے کے لیے آپ فطرت انسانی

کا جائزہ لیں گے تو آپ پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ کسی کو ماننے کے لیے دو ہی طرح کے جذبے متحرک و فعّال ہوا کرتے ہیں، (۱) ایک تو مادّی اقتدار و کرسی اور مال و زر کا حرص و ہوس اور چند روزہ آسائش و آرام اور عزت و شہرت کی خواہش۔ (۲) دوسرا عقیدہ اور دینی قدروں کی ہم آہنگی۔

تصویر کا پہلا رخ: تصویر کا پہلا رخ یہ ہے جیسا کہ قادیانی مذہب جو انگریزی حکومت کی سرپرستی میں ایک باطل اور مصنوعی نبوت کی بنیاد پر کھڑا کیا گیا تھا، اس کا باطل ہونا بالکل واضح اور روشن تھا، لیکن یہ انگریزوں کے وفادار غلام دنیاوی مال واقتدار کے لالچ میں اتنے اندھے ہو گئے تھے کہ جان بوجھ کر جھوٹی اور مصنوعی نبوت پر ایمان لے آئے اور صریح کفر کر کے مستحقِ نار ہو گئے۔

تصویر کا دوسرا رخ: تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھیے کہ عقیدہ اور دین وملت کی ہم آہنگی کی بنیاد پر کسی کے گرد لوگ کس طرح جمع اور اکٹھا ہوتے ہیں۔ اسی ایمانی رشتے کی بنا پر عہد رسالت سے لے کر آج تک ہر دور میں امت کے اکابر اسلام، ائمہ کرام، علمائے عظام اور سلف صالحین نے اس شجرۂ طیبہ کی آبیاری کی۔

اسی شجر طیبہ کی آبیاری کے لیے امام اعظم نے جیل میں کوڑے کھائے۔ اسی شجر طیبہ کی آبیاری کے لیے کربلا میں امام حسین نے علی اصغر کی قربانی پیش کی۔ اسی شجر طیبہ کی آبیاری کے لیے کربلا میں علی اکبر کی جوانی خاک وخون میں لت پت کی گئی۔ اسی شجر طیبہ کی آبیاری کے لیے کربلا میں زینب کی طرف سے عون ومحمد کی قربانی پیش کی گئی۔ اسی شجر طیبہ کی آبیاری کے لیے کربلا میں خود امام حسین مع رفقا شہید ہوئے۔ اسی شجر طیبہ کی آبیاری کے لیے ہمارے اعلیٰ حضرت قلم کی تلوار لے کر جہاد کرتے رہے۔

ہر دور ہر زمانے میں اسلام کے خلاف ہزاروں آندھیاں چلیں، لاکھوں طوفان اُٹھے، لیکن اسلام کے اِن رہنماؤں نے چمنِ اسلام کو بادِ صرصر کے جھونکوں

سے بچایا، اِسے ہر طرح کے حوادث سے محفوظ رکھا، تب جا کر آج دین کا یہ چمن ہرا بھرا نظر آ رہا ہے۔ اس کے گل بوٹے کھلے ہوئے ہیں اور اس کی خوشبو سے دل و دماغ معطر ہو رہے ہیں۔

فتنۂ وہابیت اور شمشیر اعلیٰ حضرت

حضرات! قادیانی مذہب کی طرح وہابیت نے بھی انگریزوں ہی کے سائے میں جنم لیا ہے، یہ ناپاک فتنہ اُس وقت شباب پر تھا جب اعلیٰ حضرت مسندِ ارشاد پر جلوہ گر ہوئے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے پیدا ہونے سے پہلے بہت سے اکابرِ اہلِ سُنّت اور علمائے ملّت نے عقایدِ باطلہ کے ردّ و ابطال میں کتابیں تصنیف فرمائیں، راسخ الاعتقاد مسلمانوں نے ان واہیات وخرافات کے خلاف اپنی نفرت وبیزاری کا کھل کر اعلان کیا............

جب اِس فتنے کے علم برداروں اور ایمان کے رہزنوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ کتابوں اور تقریروں کے ذریعے سُنّی مسلمانوں کو بدلنا بہت مشکل ہے تو انہوں نے اسی ہندوستان میں ایک بہت بڑے مدرسے کی بنیاد رکھی تاکہ دینی تعلیم کے نام پر مسلمانوں کی آنے والی نسل کو زیرِ اثر کیا جائے اور اُن کے ذہن ودماغ میں شرک و بدعت کا غلط مطلب بٹھا کر شہر شہر، گاؤں گاؤں اور ہزاروں خاندان میں اپنے ہم خیال مبلغ پیدا کر دیئے جائیں۔

چنانچہ سارا ملک اِس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ دارالعلوم میں علمائے دین پیدا کیے جاتے ہیں، ہندوستان کے اکثر مسلمان اُن کے ناپاک منصوبوں سے بالکل بے خبر تھے۔

اہلِ سُنّت پر اعلیٰ حضرت کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اُن کے اُن ناپاک منصوبوں سے ہمیں آگاہ اور ہوشیار کیا، انہوں نے قلم کی تلوار اُٹھا کر اُن کے

ناپاک منصوبوں کو ناکام بنادیا۔ ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کردی۔ فتنہ بدعت والحاد کے سیلاب کو مسدود کردیا۔ اگر اُس دورِ پُرفتن میں اعلیٰ حضرت پیدا نہ ہوتے تو نہ جانے آج ہمارا کیا حال ہوتا، اگر وہ قلم کی تلوار نہ اُٹھاتے تو اہلِ سُنّت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا ہوتا۔

نہ جانے حال کیا ہوتا تمام اہل سُنّت کا
بریلی میں اگر احمد رضا پیدا نہیں ہوتا
اہلِ سُنّت پر بریلی کا بڑا احسان ہے
اس لیے سب کی نظر میں مرکزِ ذیشان ہے (مجاہد)

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما
نحن عباد محمد صلی علیہ وسلما

ربِّ ذوالجلال کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کفر والحاد کے ایسے پُرفتن دور میں اعلیٰ حضرت نے اُن انگریزی ایجنٹوں کے دونوں گروہوں کو بے نقاب کر کے لوگوں کو بتادیا کہ خبردار! ان بدبختوں کے کہنے پر مدینے والے آقا سے اپنا ظاہری اور باطنی تعلق مت توڑنا۔

اُن نام نہاد مولویوں نے سیدھے سادے مسلمانوں سے کہا کہ جس کا نام "محمد" یا "علی" ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں۔ نبی بھی ہمارے مثل ایک بشر ہیں، اُن کو اپنا مشکل کشا نہ سمجھنا، مصیبت و پریشانی کے وقت رسول اللہ اور اولیاء اللہ سے مدد طلب نہ کرنا، اُن کے دربار کی زیارت کی نیت کر کے سفر نہ کرنا، میلاد شریف نہ پڑھنا، قیام نہ کرنا، اُن کو حاضر و ناظر نہ جاننا، وہ تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں رکھتے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) اُن بدعقیدوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد منانا شرک ہے .... لیکن ہمارے اعلیٰ حضرت یوں فرماتے ہیں۔

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولا کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دَم میں جب تک دَم ہے ذکر اُن کا سُناتے جائیں گے

اور فرماتے ہیں ؎

مثلِ فارس زلزلے ہوں نجد میں ذکر آیاتِ ولادت کیجیے
کیجیے چرچا اُنہیں کا صبح و شام جانِ کافر پر قیامت کیجیے

اُن دشمنانِ مصطفےٰ کا عقیدہ ہے کہ نماز میں حضور ﷺ کا خیال بھی لانا گناہ ہے۔......لیکن ہم اہلِ سُنّت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ نماز ہی وہ ہے جو خیالِ یار میں گم ہوکر پڑھی جائے، بلکہ نماز تو یار کی نیند پر قربان کی جاسکتی ہے۔ اسی لیے تو اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے
ذکرِ خدا جو اُن سے جُدا چاہو نجدیو واللہ ذکرِ حق نہیں، کنجی سقر کی ہے

ان بدبختوں نے مسلمانوں کو ایسا سبق پڑھانا شروع کیا کہ مسلمان فیوض و برکات سے محروم ہوجائیں۔

ایسی تلقین و تبلیغ شروع کی کہ مسلمانوں کا ایمان ہی جاتا رہے بالخصوص ان عالم نما جاہل مبلغوں نے دین کی باتوں کے بہانے ایسی تبلیغ شروع کی کہ مسلمانوں کا تعلق اپنے آقا و مولیٰ حضور ﷺ سے ٹوٹ جائے۔ مگر اعلیٰ حضرت نے اُن مذہبی بہرو پیوں کے منصوبوں کو خاک میں ملادیا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ مشکل کے وقت حضور ﷺ کو مت پکارنا۔ مگر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

نعرہ کیجیے یارسول اللہ کا مفلسو سامان دولت کیجیے

تاجدارِ اہلِ سُنّت بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں ؎

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

یارسول اللہ! خالقِ کائنات نے آپ کو ہمہ تن کرم بنا کر بھیجا ہے اور ہمیں بھیک مانگنے کو آپ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہونے کا حکم فرمایا۔ ہمیں فخر اور ناز ہے کہ ہم آپ کے دَر کے بھکاری ہیں۔

کوئی کسی تھانے دار کا منگتا ہے۔ کوئی کسی نمبردار کا منگتا ہے۔ کوئی کسی تحصیل دار کا منگتا ہے۔ کوئی کسی امیر کا منگتا ہے۔ کوئی کسی وزیر کا منگتا ہے۔ کوئی کسی جاگیردار کا منگتا ہے۔

مگر احمد رضا کو ناز ہے کہ وہ احمدِ مختار کا منگتا ہے

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما
نحن عباد محمد صلی علیہ وسلما

حضرات! اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو عظیم طاقتیں تھیں۔

(۱) پہلی طاقت عشق ویقین کی تھی، اُن کے عشق ویقین کا اگر آپ جائزہ لینا چاہتے ہیں تو اُن کی مقدس زندگی کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجیے۔ اس وقت میں آپ کو ان کے عشق ویقین کی صرف ایک جھلک دکھائے دیتا ہوں۔

امام احمد رضا اور دیدارِ مصطفیٰ

تاج دارِ اہل سنّت مجدد دین وملت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان زبردست عاشقِ رسول تھے، بلاشک وشبہ آپ فنافی الرسول کے اعلیٰ منصب پر متمکن تھے۔ بارہا حضور تاج دارِ مدینہ ﷺ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوتے تھے۔

دوسری بار جب حج وزیارت کے لیے تشریف لے گئے، تو حج سے فارغ ہونے کے بعد ۲۴ رصفر المظفر ۱۳۲۴ھ ۱۹ راپریل ۱۹۰۶ء کو اعلیٰ حضرت امام احمد

رضا قادری محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان، کعبۂ تن سے کعبۂ جان، مدینۃ المنورہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور کشتی کے ذریعے سفر فرما کر چھٹے دن مدینہ شریف پہنچتے ہیں۔

حضرات! یہاں پہنچ کر مجھے ایک بات یاد آ گئی، اُسے بھی سنتے چلیے۔مدینہ شریف میں ایک ہندوستانی صاحب، شیخ الحرم عثمان پاشا کے دربار میں کچھ رسائی رکھتے تھے، جناب ایک مدرسہ کے نام پر ہندوستان وغیرہ سے چندہ منگوایا کرتے تھے، یہ صاحب بھی دشمنوں کی باتوں میں آ کر مخالف ہو گئے۔ ابھی اعلیٰ حضرت مکہ شریف ہی میں موجود تھے، کہ آپ کی آمد کی خبر مدینہ شریف پہنچ گئی۔

یہ ہندوستانی صاحب، حاکمِ مجازی عثمان پاشا کے یہاں اپنی رسائی کے بل پر بول پڑے کہ مولانا احمد رضا نے تو مکہ میں اپنا سکہ جما لیا۔ یہاں آنے دو، آتے ہی اُن کو قید کروادوں گا...... لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اعلیٰ حضرت کا حاکمِ حقیقی اللہ احکم الحاکمین، اُن کا بڑا محافظ ہے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ شہنشاہِ کونین امام احمد رضا کے نگہبان ہیں۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت کا قیام ابھی مکہ ہی میں تھا کہ اس ہندوستانی صاحب کی نسبت دھوکے سے چندہ منگانے کا دعویٰ ہوتا ہے اور وہ جیل خانے میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جب اعلیٰ حضرت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں، تو وہ ہندوستانی صاحب سزا کی میعاد کاٹ کر آ چکا ہوتا ہے، مسجدِ نبوی میں اعلیٰ حضرت سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کو ملنے کا وقت بتا دیا۔ پھر وہ شخص وقت مقررہ پر آتا ہے، اور اپنی گذشتہ بدگمانی کو ظاہر کر کے معافی کا طلب گار ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت معاف فرما دیتے ہیں۔

حضرات! بدعقیدوں کے پیشواؤں نے کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے روضۂ اطہر کی نیت کر کے سفر نہیں کرنا چاہیے۔ مگر امام احمد رضا کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم تو مکہ

معظمہ کا سفر بھی مدینے والے کے دربار اقدس کی حاضری کی نیت سے کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت ان شہیدانِ محبت میں سے ہیں کہ جن کے نزدیک حاضری حرمین کا اصل مقصود آستانہ نبوت کی زیارت ہے۔

عاشقانِ مصطفےٰ کا اعتقاد یہ ہے کہ اگر زیارت کی نیت نہ ہو توحجِ کعبہ کا کوئی لطف حاصل نہیں اور اُس حج میں کوئی جان نہیں جو زیارت کی نیت سے وابستہ نہ ہو۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت نے اس سفرِ مقدس کا بھی مقصود آستانہ نبوی کی زیارت ہی قرار دیا تھا۔ آپ خود ہی اظہارِ خیال فرماتے ہیں۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
آبِ زم زم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ جودِ شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
غور سے سُن تو رضاؔ کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

اعلیٰ حضرت اپنے آقا و مولا کے دربار کی حاضری کے بارے میں مزید فرماتے ہیں۔

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرادیئے
اصل مراد حاضری اُس پاک در کی ہے
کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا
پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے
ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

معزز سامعین کرام! ہاں تو مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ اعلیٰ حضرت، عظیم

البرکت، امامِ اہل سنّت، فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ دوسری بار جب مکہ شریف سے سفر فرما کر مدینہ شریف پہنچے تو بیداری میں زیارت کی حسرت لیے شوقِ دیدار میں روضہ شریف کی مقدس جالیوں کے سامنے مواجہہ شریف میں ادب واحترام کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔

یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار فرشتے شام دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کرنے آتے ہیں۔ عرش والے صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں، فرش والے بھی صلوٰۃ وسلام پڑھ رہے ہیں۔

سرکارِ اعلیٰ حضرت بھی عشق ومستی کے سوز وگداز میں بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کرتے ہیں۔ پہلے تو مدینہ منورہ سے ہزاروں میل دور سے اپنے آقا ومولا کے عشق ومحبت میں سرشار ہوکر پڑھا کرتے تھے۔

کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروروں دُرود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں دُرود
شافعِ روز جزا، تم پہ کروروں دُرود
دافعِ جملہ بلا تم پہ کروروں دُرود
کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ تم پہ کروروں دُرود

آج ہندوستان سے نہیں، بلکہ مدینے کے تاج دار کے دربارِ گہر بار کے سامنے کھڑے ہوکر پڑھ رہے ہیں۔

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ہونٹوں کے ساتھ ساتھ دل بھی حرکت میں ہے، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی ہیں، آخرکار دربارِ مصطفےٰ میں دیدار کے لیے دستِ سوال دراز

کرتے ہیں۔ مگر پہلی رات کی قسمت میں یہ سعادت نہ تھی، دوسری رات آ گئی۔ مواجہہ شریف میں حاضر ہوتے ہیں اور دردِ فراق سے بے تاب ہو کر عالمِ وجد میں یہ نعتیہ غزل پیش کرتے ہیں۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں	ترے دن اے بہار پھرتے ہیں
ہر چراغ مزار پر قدسی	کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں	مانگتے تاج دار پھرتے ہیں
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں	دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں
کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا	تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

محبانِ گرامی! سوال بھی عظیم تھا اور سائل بھی دنیائے تصوف کا شہسوار تھا۔ عشق و مستی کا تاج دار تھا اور دربار بھی ایسا دربار تھا۔ ہاں ہاں یہی وہ دربار گہر بار ہے، جس کے بارے میں قرآن شاہد ہے: وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ، یعنی یہ وہ دربار ہے کہ جہاں سے کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کیا جاتا۔

یہ دربارِ محمد ہے یہاں اپنوں کا کیا کہنا
یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے

آخر کار راحت العاشقین اپنے عاشقِ صادق امام احمد رضا کے حالِ زار پر کرم فرما ہی دیتے ہیں، انتظار کی گھڑیاں ختم ہوتی ہیں، قسمت انگڑائی لیتی ہے، نقابِ رُخ اٹھ جاتا ہے، خوش نصیب عاشق فاضل بریلوی عین بیداری کی حالت میں اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے محبوب حضور تاج دارِ مدینہ ﷺ کا دیدار کر لیتے ہیں، اور زیارت سے مشرف ہو جاتے ہیں اور اسی کیف سرور کی حالت میں بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

اعلیٰ حضرت بارگاہِ رسالت میں

محبانِ گرامی! اور آگے بڑھیے۔ ادھر ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ ہجری میں بروز جمعہ دو بج کر اڑتیس منٹ پر بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت نَوَّرَ اللّٰہ مَرْقَدَہٗ اس دارِ فانی سے روانہ ہو رہے ہیں۔ ادھر بیت المقدس کے ایک شامی بزرگ ٹھیک اسی ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ ہجری کو خواب دیکھ رہے ہیں، کہ بہت ہی عالی شان دربار لگا ہوا ہے، کافی تعداد میں نورانی ہستیاں موجود ہیں۔ رسول اعظم ﷺ جلوہ افروز ہیں، لیکن پورے مجمع پر سکوت طاری ہے۔ سبھی حضرات ہیں اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ کسی آنے والے کا انتظار ہو رہا ہے۔ وہ شامی بزرگ سکوت توڑتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں، یارسول اللہ فداک ابی و امی میرے ماں باپ آپ پر قربان، کس کا انتظار ہے؟ سرکارِ دو عالم ﷺ کے لبہائے مبارک کو جنبش ہوتی ہے اور پھول جھڑنے شروع ہوتے ہیں اور کچھ الفاظ اس طرح ترتیب پاتے ہیں، احمد رضا کا انتظار ہے۔ وہ شامی بزرگ عرض کرتے ہیں، سرکار! کون احمد رضا؟ ارشاد فرماتے ہیں ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ پھر وہ شامی بزرگ بیدار ہو جاتے ہیں۔ دل میں امام اہلِ سنّت کی غائبانہ عقیدت و محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس خوش نصیب کی ملاقات کا شوق دل میں موجیں مارنے لگتا ہے، کہ یقیناً احمد رضا ہندی کوئی زبردست عاشقِ رسول ہیں۔ پتہ کرنے پر جیسے ہی معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ہندوستان میں اب تک بقیدِ حیات ہیں، پھر تو شوقِ ملاقات میں وہ شامی بزرگ ملک شام سے بریلی کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ بڑی وارفتگی کے ساتھ بریلی شریف پہنچتے ہیں، اور لوگوں سے اعلیٰ حضرت کی قیام گاہ کا پتا پوچھتے ہیں۔ جواب ملتا ہے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا انتقالِ پُر ملال ہو گیا ہے۔ وقت معلوم کرنے کے بعد وہ شامی بزرگ آب دیدہ ہو جاتے ہیں

کیونکہ جب انہوں نے خواب میں سرکارِ دوعالم ﷺ کا دیدار کیا تھا اور سرکار نے بھرے دربار میں فرمایا تھا کہ ''ہمیں احمد رضا کا انتظار ہے'' وہ دن ۲۵ رصفر المظفر ہی کا تھا اور ہندوستان کے وقت کے مطابق وقت بھی وہی تھا۔ اب تک تعبیر سمجھ نہ سکے تھے، اب تعبیر سمجھ میں آئی۔

حضرات! اس سے ہمیں امامِ عشق و محبت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی مقبولیت بارگاہِ مصطفیٰ میں معلوم ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہو، عاشقانِ مصطفیٰ یوں ہی نوازے جاتے ہیں، عاشقِ رسول اعلیٰ حضرت کی روحِ پاک جیسے ہی تن سے جدا ہوتی ہے، فوراً مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر سکون و قرار پاتی ہے۔ لہٰذا مجھے کہہ لینے دیا جائے کہ اعلیٰ حضرت نے جوں ہی انتقال فرمایا، بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوگئے۔

حضرات! اُن کے عشق و یقین کا اگر آپ مزید اور جائزہ لینا چاہتے ہیں تو ''حدائقِ بخشش'' اُٹھا کر دیکھ لیں، کیف و سرور، عشق و محبت اور نیاز مندی کے رنگا رنگ پھولوں کا ایک چمن سجا ہوا ملے گا۔ آپ کے کلام میں کہیں تو قرآن و حدیث کے بِعَیْنِہٖ کلمات و عبارات ہیں، کہیں اُن کے ترجمے ہیں اور کہیں تلمیحات و اشارات ہیں۔ غرض کہ آپ کے کلام کے ماخذ کلامِ الٰہی اور حدیثِ نبوی کے مضامین ہیں۔ آپ کا کلام جھوٹ، مبالغہ، ریا، تصنع، تکلف سے بالکل منزہ ہے۔ ہر جگہ خلوص و عقیدت، صداقت و حقانیت اور جذبۂ دل کی ترجمانی ملے گی۔ اس کی ایک جھلک میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، جناب ارشاد صاحب اور جناب ناطق صاحب یہ دونوں اعلیٰ حضرت کے بہت مخلص ترین احباب میں تھے، ایک دن اُن دونوں نے اعلیٰ حضرت کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ حضور! ایک ایسی نعت پاک لکھ دیں جس میں عربی، فارسی، اردو، ہندی چاروں زبانیں جمع ہوجائیں۔ آپ نے اُن دونوں کی فرمائش پر بغیر اہتمام وقت اور غور و فکر کے ایک

نعت شریف لکھ دی، مقطع میں ارشاد اور ناطق کی بندش کیسے لطیف انداز میں ادا کی ہے، سماعت فرمائیں۔

بس خامۂ خام نوائے رضا، نہ یہ طرز میری نہ یہ رنگ میرا
ارشادِ احبا ناطق تھا، ناچار اِس راہ پڑا جانا

حضرات! ہاں تو مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے پاس دو عظیم طاقتیں تھیں، پہلی طاقت عشق و یقین کی تھی، جس کا بیان سرسری انداز میں آپ نے سماعت فرمایا۔ اور دوسری طاقت علم و فقاہت اور قدسی روحانیت کی تھی۔ جن کے جلوے اُن کی تصنیفات کے ہزاروں صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔ انہی خداداد قوتوں کی برکت سے آپ ہمیشہ اہلِ دُوَل اور اربابِ حکومت سے گریزاں رہے اور خدا اور رسول کی حمد و نعت گوئی میں مستغرق رہے۔

ایک مرتبہ نان پارہ، ضلع بہرائچ کے ایک صاحب جو اعلیٰ حضرت کے مخلص ترین احباب میں تھے۔ بریلی شریف تشریف لائے اور آپ کی خدمتِ اقدس میں ایک عریضہ پیش کیا، کہ نان پارہ کے نواب کی شان میں ایک قصیدہ لکھ دیجیے۔ تاکہ اُن کی خدمت میں پیش کر کے انعام و اکرام حاصل کرسکوں۔ اعلیٰ حضرت نے اُن کی درخواست کے جواب میں بجائے منقبت فی البدیہہ ایک نعت پاک کا املا کرایا اور اس نعت پاک کے مقطع میں آپ نے جس خوب صورتی کے ساتھ اُن کی درخواست پر طنز فرمایا ہے، یہ آپ ہی کا حظ و حصہ ہے۔......... سرکارِ اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں۔

کروں مدح اہلِ دُوَل رضا پڑے اِس بلا میں میری بلا
مَیں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

ذرا اِس صنعتِ شعری پر غور تو کیجیے کہ آپ نے نان پارہ کو اُلٹ کر "پارۂ ناں" کے لفظ سے کتنا ایمان افروز اور خوب صورت مفہوم پیدا فرما دیا۔

ملکِ سخن کے شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

سبحان اللہ! عقیدہ ہو تو ایسا ہو، اپنے آقا و مولیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔

تمہیں جانا تمہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
لِلّٰہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

اعلیٰ حضرت کے وہبی علوم کسبی علوم پر غالب تھے

حضرات! علوم دو طرح کے ہوتے ہیں کسبی اور وہبی۔ محنت و مشقت سے جو علوم حاصل کیے جاتے ہیں، انہیں کسبی کہتے ہیں اور جو علوم بغیر محنت و مشقت عطا کیے جاتے ہیں، انہیں وہبی کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے اعلیٰ حضرت کو وہبی علوم سے اس قدر مالا مال فرمایا تھا کہ آپ کے وہبی علوم، کسبی علوم پر غالب تھے......

عربی کی ابتدائی تعلیم میں اعلیٰ حضرت کے ایک ہم سبق مولانا کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت کی خداداد ذہانت کا حال یہ تھا کہ استاد سے کبھی چوتھائی کتاب سے زیادہ نہیں پڑھا۔ کتاب کا ایک چوتھائی حصہ پڑھ لینے کے بعد بقیہ پوری کتاب از خود پڑھتے اور یاد کر کے سنا دیا کرتے تھے۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت۔ از سید ظفر الدین بہاری)

اعلیٰ حضرت نے بہت سے مُردہ فنون مثلاً علمِ جفر، تکسیر، ہیئت، توقیت اور نجوم کو نئی زندگی عطا فرمائی۔ علمِ ریاضی، ہیئت اور نجوم میں کمال کے ساتھ ساتھ علمِ توقیت میں اعلیٰ حضرت کا کمال، درجۂ ایجاد میں تھا۔ فنِ توقیت میں علمائے متقدمین کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے۔ جب حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا بریلوی نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا ظفر الدین بہاری علیہ رحمۃ الباری وغیرہ نے اعلیٰ حضرت سے فنِ توقیت حاصل کرنا شروع کیا تو اس فن میں کوئی کتاب نہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ حضرت اس کے قوائد زبانی ارشاد فرماتے اور یہ حضرات ان

کولکھ لیتے اور انہی قواعد کے مطابق طلوع اور غروب وغیرہ کے اوقات نکال لیتے۔

حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری علیہ رحمۃ الباری نے اعلیٰ حضرت کے ان بتائے ہوئے قوائد کو ایک کتابی شکل میں جمع کیا اور اپنی طرف سے تشریح اور مثالوں کا اضافہ کر کے "الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت" کے نام سے اس کو شائع بھی فرمادیا ہے۔

فنِ توقیت میں اعلیٰ حضرت کے کمال کا یہ عالم تھا کہ سورج آج کب نکلے گا اور کس وقت ڈوبے گا، اس کو بلا تکلف معلوم کر لیتے۔ ستاروں کی معرفت اور اُن کی چال کی معرفت وشناخت پر اِس قدر عبور تھا کہ رات میں تارا اور دن میں سورج دیکھ کر گھڑی ملالیا کرتے تھے، اور وقت بالکل صحیح ہوتا، ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا۔

فنِ تکسیر میں تو کوئی آپ کا ثانی نہیں نظر آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے معروف و مشہور شاگردِ خاص، رہبرِ شریعت تاج دار ولایت، حضور سید ظفر الدین بہاری علیہ رحمۃ الباری اپنی کتاب "حیاتِ اعلیٰ حضرت" کے صفحہ نمبر ۱۶۴ پر رقم طراز ہیں، کہ حضرت کو ایک شاہ صاحب ملے جن کا خیال تھا کہ فنِ تکسیر کا علم صرف مجھ کو ہے۔ دورانِ گفتگو حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ جناب! نقشِ مربع کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ شاہ صاحب بڑے فخریہ انداز میں جواب دیتے ہیں، مَیں نقشِ مربع سولہ طریقے سے بھرتا ہوں۔ پھر شاہ صاحب، حضرت سے پوچھتے ہیں کہ آپ کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ فاضلِ بہاری علیہ رحمۃ الباری جوابًا ارشاد فرماتے ہیں، الحمد للہ! مَیں گیارہ سو باون طریقے سے بھرتا ہوں۔ شاہ صاحب سُن کے محوِ حیرت ہوجاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ مولانا! آپ نے فنِ تکسیر کس سے سیکھا ہے؟ حضرت ارشاد فرماتے ہیں، حضور پُرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ بعدہٗ شاہ صاحب دریافت کرتے ہیں، کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقشِ مربع کو کتنے طریقے سے بھرتے تھے؟ حضرت جواب دیتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ دو ہزار تین سو طریقے سے بھرتے تھے۔

کس قدر تھے ماہرِ فن وہ شہنشاہِ قلم
جن کے آگے عقلِ انساں آج بھی حیران ہے (مجاہد)

اعلیٰ حضرت پر ربِّ کائنات کا یہ خاص فضل و کرم ہے کہ آپ کی تحریر کو اللہ رب العزت نے اپنے ذمۂ کرم میں لے لیا اور لغزش سے پاک رکھا۔

خود خدا نے اپنے ذمّے لے لیا تحریر کو
اعلیٰ حضرت کے قلم کی کیا نرالی شان ہے (مجاہد)

اللّٰہ رب محمد صلی علیہ وسلما
نحن عباد محمد صلی علیہ وسلما

امام احمد رضا پر پیر کامل کو بھی ناز ہے

سیدنا اعلیٰ حضرت جب مارہرہ مطہرہ کی سرزمین پر بیعت کی غرض سے مرشدِ کامل حضور آلِ رسول کی خدمتِ بابرکت میں پہنچتے ہیں، تو سیدنا آلِ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار اعلیٰ حضرت کو حلقۂ مریدین میں داخل کرنے کے ساتھ ساتھ خلافت واجازت بھی عطا فرماتے ہیں اور فخر سے فرماتے ہیں کہ کل قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا، اے آلِ رسول بتا! تو دنیا سے میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو مَیں عرض کروں گا، اے پروردگار! مَیں تیرے لیے دنیا سے احمد رضا لایا ہوں۔

حضراتِ محترم! غور کرنے کی بات یہ ہے کہ سیدنا حضور آلِ رسول نے یہ نہیں فرمایا کہ مَیں کل قیامت میں یہ کہوں گا کہ نماز لے کر آیا ہوں، روزہ لے کر آیا ہوں، حج و زکوٰۃ لے کر آیا ہوں، صدقات وخیرات لے کر آیا ہوں، عبادت و ریاضت لے کر آیا ہوں، تقویٰ وطہارت لے کر آیا ہوں، مریدین ومعتقدین لے کر آیا ہوں، بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ مَیں عرض کروں گا، اے پروردگار! مَیں تیرے لیے دنیا سے احمد رضا لایا ہوں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ ولیِ کامل سیدنا آلِ رسول اچھی

طرح جانتے تھے، کہ اللہ رب العزت کو نماز سے زیادہ عشق مصطفیٰ پسند ہے، روزے سے زیادہ عشق مصطفیٰ پسند ہے، حج وزکوۃ سے زیادہ عشق مصطفیٰ پسند ہے، صدقات وخیرات سے زیادہ عشق مصطفیٰ پسند ہے، عبادت وریاضت سے زیادہ عشق مصطفیٰ پسند ہے، تقویٰ وطہارت سے زیادہ عشق مصطفیٰ پسند ہے، اسی لیے تو امام احمد رضا پر پیر کامل کو بھی ناز ہے۔

اعلیٰ حضرت مکفّر المسلمین نہیں بلکہ مکفّر المرتدین تھے

محبانِ گرامی! میرے اعلیٰ حضرت کا دَور وہ دَور تھا جس دَور میں عقیدۂ نبوت و رسالت پر حملہ ہو رہا تھا۔

کوئی ایمان کی حفاظت کے بہانے خیط الایمان کا کام کر رہا تھا۔ کوئی ایمان کا ناحق خون کرتے ہوئے تقویۃ الایمان کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ کوئی فاسد براہین کے ذریعے جوہرِ ایمان پر ڈاکہ ڈال رہا تھا۔ کوئی صراطِ مستقیم کی دعوت کے بہانے دولتِ ایمان پر چھاپہ مار رہا تھا۔ کوئی عوام الناس کے ایمان کا ستیہ ناس کر رہا تھا۔ اپنے کو قاسم العلوم تو کہلا رہے تھے مگر فاسد العلوم کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اپنے کو حکیم الامّت تو کہلا رہے تھے مگر لعین الامّت کی دلیل پیش کر رہے تھے۔ اپنے کو جامع معقول ومنقول تو کہلا رہے تھے مگر مفقود المعقول کا ثبوت پیش کر رہے تھے۔

ارے ہاں ابلیس کے سارے لشکر دین وایمان کی رہزنی کے لیے ہر طرف پھیل رہے تھے۔

کہیں سے یہ آواز اُٹھی کہ پیغمبر اسلام کی کیا تخصیص ایسا علمِ غیب تو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ کہیں سے یہ آواز اُٹھی کہ پیغمبر اسلام سے زیادہ علم تو ابلیس اور ملک الموت کو ہے۔ کہیں سے یہ آواز اُٹھی کہ پیغمبر اسلام تو

ہمارے (معاذ اللہ) بھائی ہیں۔ کہیں سے یہ آواز اُٹھی کہ محمد رسول اللہ کو آخری نبی ماننا ضروری نہیں۔ کہیں سے یہ آواز اُٹھی کہ یارسول اللہ کہنا جائز نہیں۔ کہیں سے یہ آواز اُٹھی کہ جس کا نام ''محمد'' یا ''علی'' ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں۔ کہیں سے یہ آواز اُٹھی کہ رسول اللہ کو پیٹھ پیچھے کی خبر نہیں۔

جب اِس طرح سے انگریزوں کے زرخرید وفادار غلام، بدعقیدہ بے لگام دشمنانِ اسلام، بارگاہِ رسالت میں توہین وتنقیص پر اُتر آئے تو بریلی کی سرزمین پر فاضلِ بریلوی اپنی مجددیت کے فرائض سنبھالتے ہوئے اُٹھتے ہیں۔

حضرات! اعلیٰ حضرت کی حیاتِ طیبہ کا ایک مختصر خاکہ نگاہوں کے سامنے رکھیے ۱۲۷۲ ہجری میں دنیا میں آنے والا ۱۳۴۰ ہجری میں دنیا سے چلا جانے والا، سنِ ہجری اور سنِ عیسوی کے اعتبار سے ۶۸ سال یا ۶۵ سال کی عمر لے کر آنے والا اِس شان سے دنیا میں چمکا کہ چمکتا ہی چلا گیا۔

☆ چار سال کی عمر میں امام احمد رضا نے ناظرۂ قرآن ختم کرلیا،

☆ چھ سال کی عمر میں امام احمد رضا نے بارہویں شریف کے موقع پر بہترین تقریر فرمائی۔

☆ آٹھ سال کی عمر میں امام احمد رضا نے درسِ نظامی کی کتاب ہدایۃ النحو کی عربی زبان میں شرح لکھ دی۔

☆ دس سال کی عمر میں امام احمد رضا نے عالمیت کی ڈگری حاصل کی۔

☆ تیرہ سال کی عمر میں امام احمد رضا نے مفتی کا عہدہ سنبھالا۔

☆ اڑسٹھ سال کی عمر میں امام احمد رضا نے چودہ سو سے زائد کتابیں لکھ کر ہمیں عطا فرمائیں اور اپنے تیزۂ قلم سے دین وایمان کی حفاظت کا سرمایہ عطا فرمادیا۔

خدائے قدیر کا وہ پاکیزہ خیال بندہ جس کا تیزۂ قلم خنجر خوں خوار، برق بار، یادگار ذوالفقار، جس کا جملہ صولتِ فاروقی کا پَرتو، جس کے نامِ مبارک کی ہیبت و

دہشت سے بے دینوں کے کلیجے شق ہوجاتے تھے۔

کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برق بار

اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

جو دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل، علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سچا عاشق، جو سیدنا غوث اعظم کا نائب، سلطان الہند خواجہ غریب نواز کا سچا جانشین۔

اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والا۔ کفر کے قلعوں کو ڈھانے والا۔ ایوانِ باطل میں زلزلہ پیدا کرنے والا۔ انگریزوں کے ناپاک منصوبوں کو ناکام کرنے والا۔ صلح کلیت کا پردہ فاش کرنے والا۔ رافضیت کی چمڑی اُدھیڑنے والا۔ نیچریت کی بیخ کنی کرنے والا۔ چکڑالویت کی آندھی روکنے والا۔ مدعیانِ نبوت کا شیش محل چکنا چور کرنے والا،

جب اُس نے اپنی شمشیر خارا شگاف سے اللہ سبوح وقدوس کی ردائے عظمت پر کذب دعیب کا دھبہ لگانے والوں کو، پیغمبر اسلام ﷺ کی شانِ پاک میں صریح گالی لکھنے والوں کو، مسئلہ ختم نبوت کا انکار کرنے والوں کو، موت کے گھاٹ اُتار دیا تو ملحدوں، بدعقیدوں، مرتدوں وغیرہ نے اس جلیل القدر عظیم المرتبت مردِ مومن کے خلاف افترا و بہتان کا طوفان کھڑا کر دیا۔ اور عام مسلمانوں کو بھڑکانے کے لیے کتابوں، رسالوں، اخباروں میں شور مچادیا کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا مکفر المسلمین ہیں، بات بات پر مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔

حالانکہ اعلیٰ حضرت نے کسی بھی مسلمان کو کافر نہیں بنایا، بلکہ جو جھوٹے، مکار، مرتد اپنے کو مسلمان کہلواتے رہے، ایسے نام نہاد مسلمانوں کو کافر بتایا۔ بنانے اور بتانے میں بہت بڑا فرق ہے۔ بنانا اور ہے، بتانا اور ہے۔ کافر بنانے والا شریعت مطہرہ کے نزدیک خود کافر ہوجاتا ہے اور کافر کو کافر بتانے والا اپنی شرعی ذمے داری سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ کافر کو کافر کہنا ہی احتیاط ہے۔

مسلمانو! جانتے ہو آپ! کہ اعلیٰ حضرت کے خلاف یہ شور و ہنگامہ کس لیے برپا کیا گیا؟ اس لیے برپا کیا گیا تا کہ ان مکاروں کے صریح کفریاتِ قطعیہ مسلمانوں کے ذہن سے اوجھل ہو جائیں اور کوئی مسلمان اُن کو کافر و مرتد نہ سمجھے، بلکہ اُن کے نمائشی زہد و اتقاء اور ظاہری تقویٰ و طہارت سے متاثر ہو کر اُن کا معتقد اور گرویدہ بنا رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اعلیٰ حضرت نے اٹل پہاڑ کی طرح جم کر انگریز کے وفاداروں، بدمذہب کمینوں، بدعقیدہ بے دینوں، بے لگام غیر مقلدوں، باطل پرستوں اور گمراہ گروہوں سے چومکھی لڑائی لڑ کر قرآن و حدیث کی روشنی میں اُن سب کا ردّ و ابطال فرمایا، اُن کی گمراہیوں، بدعتوں اور فتنوں کو بے نقاب فرمایا۔ تو اُن دشمنانِ دین نے آپس میں سازش کی اور اپنا بخار اُتارنے کے لیے اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو ہر طرح سے کھنگالا، آپ کی چال چلن کی کڑی نگرانی کی، آپ کی کتابوں کو ٹٹولا، آپ کی تحریروں کا ایک ایک جملہ جانچا اور پرکھا.........

لیکن یہاں ان فسادی غدارانِ رسول نے صرف یہی پایا کہ

دین و ایمان کا یہ مجدّد اگر ایک طرف

تقدیسِ الٰہی کا خطبہ پڑھ رہا ہے۔ عظمتِ مصطفےٰ کا نغمہ سُنا رہا ہے۔ عصمتِ انبیاء کا گُن گا رہا ہے۔ دین کے بھیڑیوں کے حملوں کو روکنے کے لیے میزائل بنا رہا ہے۔ آستین کے سانپوں کو سنگھانے کے لیے بااثر جڑی بوٹی تیار کر رہا ہے۔ مذہبی بہروپیوں کا پردہ فاش کرنے کے لیے کمپیوٹر تیار کر رہا ہے۔ ایمان کے ڈاکوؤں کی سرکوبی کا سامان تیار کر رہا ہے۔

تو دوسری طرف

دین و ملّت کی حفاظت کا درس دے رہا ہے۔ اسلام کی حمایت کا سبق پڑھا رہا ہے۔ بدعتوں اور گمراہیوں کو مٹا رہا ہے۔ مردہ سُنّتوں کو زندہ کر رہا ہے۔ شریعتِ

مقدسہ کے احکام کو عملی جامہ پہنا رہا ہے۔ دنیا کو خدا کی بندگی اور مصطفٰے کی غلامی کی دعوت دے رہا ہے۔

اور یہ یاد دلا رہا ہے کہ

محمد کی محبت ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

پھر جب مذہب کے اُن بھیڑیوں اور دین کے درندوں کو اعلیٰ حضرت کے خلاف کوئی واقعی، مسالہ نہ مل سکا تو مجبور ہو کر بہتان طرازی، افترا پردازی اور الزام تراشی پر اُتر آئے۔ اور مشہور کرتے رہے کہ مولانا احمد رضا تو مکفر المسلمین تھے۔ بلاوجہ مسلمانوں کو بات بات پر کافر کہتے تھے۔ حالانکہ تاج دار اہل سُنّت امام احمد رضا قادری کی تصانیفِ مقدسہ آج بھی شاہد ہیں کہ جو لوگ ضروریاتِ دین کا انکار کر کے خود ہی کافر و مرتد ہو چکے تھے، لیکن اپنی منافقت کی وجہ سے اپنے کو مسلمان کہلواتے رہے، اُن مرتدوں کے کفر و ارتداد کو اعلیٰ حضرت نے آشکارا اور ظاہر کر دیا۔ اور شریعتِ بیضاء کی روشنی میں اُن کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ شائع فرما دیا۔ لہٰذا مجاہد الاسلام پوری ذمّے داری کے ساتھ کان میں نہیں بلکہ علی الاعلان کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت مکفر المسلمین نہیں بلکہ مکفر المرتدین تھے۔

اعلیٰ حضرت ایسے سچے عاشقِ رسول تھے کہ رسولِ اعظم کے خلاف کوئی بات سننا تو درکنار اُس کے سائے سے بھی نفرت کرتے تھے، آپ اپنے نیزۂ قلم سے تحریر فرماتے ہیں۔

دشمنِ احمد پہ شدت کیجیے — ملحدوں سے کیا مروت کیجیے
ذکرِ آیاتِ ولادت کیجیے — مثلِ فارس زلزلے ہوں نجد میں
یارسول اللہ کی کثرت کیجیے — غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
اُس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے — شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب

جذبات کی فراوانی میں آ کر آپ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار، آر سے پار ہے

''بریلوی کا لفظ اب علامتی نشان بن گیا ہے''

حضرات! پھر وہی پچھلا سبق دہرا لیجیے جو ابھی کچھ دیر پہلے ابتدائے تقریر میں میں نے پیش کیا تھا کہ آج دنیا کے لاکھوں کروڑوں مسلمان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی پر اپنی جان کیوں چھڑکتے ہیں؟ اعلیٰ حضرت کے اندر وہ کون سی خوبی تھی جس کی وجہ سے آج ''بریلوی'' کا 'لفظ' اب سُنّی صحیح العقیدہ ایمان دار طبقے کا علامتی نشان بن گیا ہے؟

تو اِس کا جواب ہمارے پاس یہ ہے کہ فاضلِ بریلوی نے مسلمانوں کو دین و ایمان کی حفاظت کا ایسا سامان عطا فرما دیا ہے کہ دشمن کبھی بھی آنکھ سے آنکھ نہیں ملا سکتا۔ فاضلِ بریلوی نے مذہب اسلام کی وہ شان و شوکت بڑھائی ہے، اور اہلِ سُنّت کی وہ ترجمانی کی ہے کہ دنیا کا ہر مسلمان اُن کو اپنا امام تسلیم کرتا ہے، چاہے وہ کہیں کا بھی رہنے والا ہو، اپنے کو بریلوی کہنے اور کہلانے پر فخر محسوس کرتا ہے۔

☆ ہے وہ دہلوی مگر اپنے کو بریلوی کہنے پر فخر کرتا ہے۔
☆ ہے وہ بدایونی مگر اپنے کو بریلوی کہنے پر فخر کرتا ہے۔
☆ ہے وہ کچھوچھوی مگر اپنے کو بریلوی کہنے پر فخر کرتا ہے۔
☆ ہے وہ اجمیری مگر اپنے کو بریلوی کہنے پر فخر کرتا ہے۔
☆ ہے وہ مصباحی مگر اپنے کو بریلوی کہنے پر فخر کرتا ہے۔
☆ ہے وہ مجدّدی مگر اپنے کو بریلوی کہنے پر فخر کرتا ہے۔
☆ ہے وہ نظامی مگر اپنے کو بریلوی کہنے پر فخر کرتا ہے۔

☆ ہے وہ نعیمی مگر اپنے کو بریلوی کہنے پر فخر کرتا ہے۔
☆ ہے وہ اجملی مگر اپنے کو بریلوی کہنے پر فخر کرتا ہے۔
☆ ہے وہ اعظمی مگر اپنے کو بریلوی کہنے پر فخر کرتا ہے۔
☆ ہے وہ اشرفی مگر اپنے کو بریلوی کہنے پر فخر کرتا ہے۔

وہ اپنے کو بریلوی اس لیے نہیں کہہ رہا ہے کہ شہر بریلی سے اس کو کوئی مطلب ہے بلکہ وہ اپنے کو بریلوی اس لیے کہہ رہا ہے کہ

☆ بریلی میں اُس کے مذہب کا مجدّد پیدا ہوا تھا،
☆ بریلی میں اُس کا امام و پیشوا پیدا ہوا تھا،
☆ بریلی میں اُس کا خطیب و نقیب پیدا ہوا تھا،
☆ بریلی میں اُس کا مرکزِ عقیدت پیدا ہوا تھا،

اہل سُنّت پر بریلی کا بڑا احسان ہے
اس لیے سب کی نظر میں مرکزِ ذیشان ہے (مجاہدؔ)

کون بریلی؟

☆ وہ بریلی جس نے اس کو انگریزوں کے ناپاک منصوبوں سے آگاہ کیا تھا۔
☆ وہ بریلی جس نے اس کو مذہبی بہروپیوں کی سازشوں سے آگاہ کیا تھا۔
☆ وہ بریلی جس نے اس کو بدمذہبوں اور بدعقیدوں کے فتنوں سے آگاہ کیا تھا۔
☆ وہ بریلی جس نے اس کو ملحدوں اور زرخرید محرکوں کے غلط منصوبوں سے آگاہ کیا تھا۔
☆ وہ بریلی جس نے اس کو قادیانیوں کی فریب کاریوں سے آگاہ کیا تھا۔
☆ وہ بریلی جس نے اس کو رافضیوں کی مکاریوں سے آگاہ کیا تھا۔
☆ وہ بریلی جس نے اس کو فلسفیوں کی دھوکہ بازیوں سے آگاہ کیا تھا۔
☆ وہ بریلی جس نے اس کو دین کے دشمنوں اور ایمان کے لٹیروں سے آگاہ کیا تھا۔
☆ وہ بریلی جس نے اس کو ہر طرح کے خطرات و خدشات سے آگاہ کیا تھا۔

یہی وہ وجوہات ہیں جن کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمان اپنے کو بریلوی کہنے اور کہلانے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو اپنا امام اور پیشوا مانتے ہیں، اُن کے دامن سے وابستہ ہو کر مچل جاتے ہیں۔

اے مجاہد دامنِ احمد رضا تھامے رہو
لے چلیں گے سوئے جنت اعلیٰ حضرت قادری (مجاہد)

جو لوگ اعلیٰ حضرت کے قریب آئے، اور جنہوں نے اُن کے پیغامات پر عمل کیا۔ وہ اجمیر شریف کے قریب ہوتے چلے گئے۔ وہ بغداد شریف کے قریب ہوتے چلے گئے۔ وہ مکہ شریف کے قریب ہوتے چلے گئے۔ وہ مدینہ شریف کے قریب ہوتے چلے گئے۔ وہ قرآن شریف کے قریب ہوتے چلے گئے۔ وہ صاحب قرآن کے قریب ہوتے چلے گئے۔

جنتی مسلمانو! یہ تھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تاریخ ساز شخصیت، جس نے عشقِ مصطفوی کا ایسا چراغ جلایا کہ کروڑوں لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر اُجالے میں لاکر کھڑا کر دیا۔

مجاہد الاسلام آپ لوگوں سے یہ کہہ کر اپنی گفتگو کا اختتام کرتا ہے کہ فاضلِ بریلوی نے عشقِ مصطفوی کے جو پیغامات دیئے ہیں، اُن پیغاماتِ رضا کو ذہن و دماغ میں رکھیے اور اپنے امام کا دامنِ اقدس مضبوطی سے تھامے رہیے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

❖❖❖

آٹھویں تقریر

معرکہ حق وباطل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ہ ط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ عَلٰی مَنْ کَانَ بِنُصْرَتِہٖ عَمِیْدًا وَّ رَشِیْدًا ہ ط وَمَنْ اَطَاعَہٗ بِالْحَقِّ فَقَدْ عَاشَ حَمِیْدًا وَّمَاتَ سَعِیْدًا ہ ط وَمَنْ عَصَاہُ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ وَضَلَّ ضَلَالًا ، بَعِیْدًا ہ ط اَمَّا بَعْدُ.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْکَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ہ ط (پ۲۸، ع۹) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم ہ

مسلماں وہ مسلماں تھے کہ میداں میں نکل آئے
تو جوشِ حق سے کسریٰ اور قیصر کو کچل آئے
جہاں پہنچے زمیں کو آسماں سے کردیا اونچا
جہاں ٹھہرے در و دیوار کا نقشہ بدل آئے
سمندر میں بھی اُن کی دوڑ کی راہیں نکل آئیں
پہاڑوں میں بھی اُن کے فیض کے چشمے اُبل آئے
ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہوجا محبت کی زباں ہوجا

وہ ہندی، وہ خراسانی وہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اُچھل کر بیکراں ہو جا

برادرانِ ملّتِ اسلامیہ! آیئے ہم اور آپ مل کر انتہائی خلوص وعقیدت اور محبت کے ساتھ دین و دنیا کے رہبر، دونوں عالم کے سرور، قانون داں، قانون ساز پیغمبر، فخرِ موجودات، خلاصۂ کائنات، محمد عربی روحی فداہ ﷺ کے دربار گہربار میں نذرانۂ دُرود و سلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

اَللّٰهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَا
نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَا

تمہید

محبانِ گرامی! اِس دنیا میں جتنی بھی لڑائیاں ہوتی ہیں، کسی نہ کسی دن ضرور ختم ہو جاتی ہیں، لیکن آج ایک ایسی جنگ کا سُراغ مَیں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جب سے شروع ہوئی ہے، اب تک ختم نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی قیامت تک ختم ہو سکتی ہے۔ اُس لڑائی کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، ہاں یہ اور بات ہے کہ اس جنگ کی فوج اور کمانڈر بدلتے رہے، اس کے اسلحے اور عَلَم بدلتے رہے، اور صبحِ قیامت تک بدلتے رہیں گے، مگر یہ جنگ کبھی بند نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ جاری رہے گی۔

حضرات گرامی!

آپ کے حاشیۂ ذہن میں یہ سوال بار بار انگڑائی لے رہا ہوگا کہ آخر وہ کون سی جنگ ہے، وہ کون سی لڑائی ہے کہ جب سے شروع ہوئی ہے ابھی تک ختم نہیں ہوئی ہے، اور صبحِ قیامت تک ختم بھی نہیں ہوگی؟

تو سوال مذکور کا جواب یہ ہے کہ یہ جنگ حق و باطل کی جنگ ہے، کفر و ایمان کی جنگ ہے، نور و ظلمت کی جنگ ہے، صحیح اور غلط کی جنگ ہے، سچ اور جھوٹ کی

جنگ ہے، جنتی اور جہنمی کی جنگ ہے۔

دونوں فریقین میں تباین کی نسبت ہے، دو شے مبائن کا اجتماع محال ہے، جس طرح دن کا رات مبائن ہے، اور رات دن کی مبائن، ان دونوں کا اجتماع محال ہے، اسی طرح کفر وایمان میں تباین کی نسبت ہے، ان دونوں کا اجتماع محال ہے۔ کفر و ایمان میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی، مگر ہاں ذہن نشین کر لیجیے کہ اس حق و باطل کی جنگ میں ہمیشہ حق کی جیت اور باطل کی شکست ہوتی رہے گی۔

پہلی جنگ

دنیا میں حق و باطل کی سب سے پہلی جنگ آدم علیہ السلام اور ابلیس لعین کے درمیان ہوئی۔ اُن دونوں کے درمیان کبھی صلح نہیں ہوئی، یہ لڑائی جاری رہی، یہاں تک کہ ابلیس راندۂ بارگاہ ہو گیا، اور آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائکہ، خلیفۃ اللہ اور صفی اللہ کے اعزاز سے نوازا گیا۔

سرزمین بابل پر جنگ

یہ لڑائی سلسلہ بسلسلہ منتقل ہوتی رہی، یہاں تک کہ کفر و ایمان کی یہ لڑائی بابل کی سرزمین پر شروع ہوتی ہے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے، جب نمرود مردود جھوٹی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور ''اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی'' کا اعلان کر دیتا ہے۔ ساری قوم معبودِ حقیقی کی بجائے نمرود کے سامنے جھکنے لگتی ہے، تب ایسے موقع پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام حقانی اور نورانی پرچم لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اُس کی مصنوعی کبریائی کی دھجیاں اُڑا دیتے ہیں۔ جب مصنوعی کبریائی اور جھوٹی خدائی کا راز قوم کے سامنے کھل جاتا ہے، تو اُس پر پردہ ڈالنے کے لیے اور اپنی مصنوعی کبریائی کو بچانے کے لیے مزید اور سرکشی پر اُتر آتا ہے۔ ایک بہت بڑی آگ

تیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ آگ کے شعلے آسمان کی طرف اتنے بلند ہو گئے کہ اگر کوئی پرندہ اُس کے اوپر سے گزرتا تو جل کر راکھ ہو جاتا۔ اُدھر خلیل اللہ کو اُس آگ کے دہکتے شعلوں میں ڈلوا کر نمرود بڑا مطمئن اور خوش ہوتا ہے، اِدھر جبرئیل امین آ کر آگ کو ارشادِ ربانی سُنا دیتے ہیں، ''یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ'' اِس جنگ کا بھی وہی انجام ہوتا ہے، کہ آتشِ نمرود حضرت خلیل اللہ پر گلِ گلزار ہو جاتی ہے اور نمرود مردود ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ پروردگارِ عالم اُس کی ہلاکت کے لیے بہت بڑی فوج نہیں بھیجتا ہے، بلکہ اُس کی ہلاکت کے لیے اپنی حقانی فوج کا ایک چھوٹے سے سپاہی یعنی مچھر کو بھیجتا ہے، اور اُس کے اُس بھیجے کو پاش پاش کرنے کا حکم دیتا ہے، جس میں مصنوعی کبریائی اور جھوٹی خدائی کے لاکھوں دیو بند تھے۔

چنانچہ ایک چھوٹا سا مچھر نمرود کی ناک میں گھس جاتا ہے اور اُس کی کھوپڑی کے اندر بھیجے پر حملہ آور ہوتا ہے،

☆ نمرود سر کے درد سے مارا مارا اور بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ نمرود درد کی شدت سے بے قرار ہو کر بلبلاتا ہے۔ نمرود درد سے بے چین ہو کر تڑپتا ہے۔ نمرود سارے ڈاکٹروں اور حکیموں کو بلا لیتا ہے۔ نمرود کو علاج و معالجہ سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ نمرود اپنے سر پر لکڑیوں سے ضرب لگواتا ہے، کہ شاید سکون مل جائے۔ نمرود کے سر پر مارنے والا سپاہی لکڑی مار مار کر تھک جاتا ہے مگر نمرود کو چین و سکون نہیں ملتا ہے، آخر کار نمرود اُسی درد و کرب سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیتا ہے۔

کیا سمجھے آپ! نمرود، خلیل اللہ کو مٹا کر نورِ خدا کو بجھانا چاہتا تھا، مگر یاد رکھیے کہ جسے پروردگارِ عالم بچاتا ہے، اُسے کوئی بھی مٹا نہیں سکتا۔ قرآن مجید نے بابانگِ دہل ارشاد فرما دیا ہے، کہ یریدون لیطفئوا نور اللّٰه بافواههم واللّٰه مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ یعنی کافر تو یہی چاہتے ہیں کہ حق و باطل کی جنگ میں

پھونک مار کر یہ لوگ خدا کا نور بجھا دیں مگر اللہ رب العزت اپنے نور کو مکمل فرمائے گا، اگرچہ کافر اپنے حسد و عناد کی آگ میں جلتے رہیں۔...... بہر حال ہر دور میں حق کا بول بالا ہوا ہے، اور ہوتا رہے گا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
خدا کا نور بجھا ہے، نہ بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

سرزمین مصر پر جنگ

کفر و ایمان کی یہ جنگ سلسلہ بسلسلہ منتقل ہوتی رہی، اس کے کمانڈر بدلتے رہے، اس کی فوج بدلتی رہی، اس کا میدان بدلتا رہا، یہاں تک کہ یہ جنگ سرزمین مصر میں زور و شور سے شروع ہوتی ہے اس جنگ کا بھی وہی انجام ہوتا ہے جو حق و باطل کی جنگ کا ہوتا رہا ہے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح و نصرت کا سہرا ملتا ہے اور فرعون و فرعونی دریائے نیل میں غرق آب ہو کر عذاب نار میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

سرزمین حجاز پر جنگ

جنگ کا یہ سلسلہ یہیں تک محدود نہیں رہتا ہے، بلکہ مصر سے منتقل ہو کر یہ جنگ سرزمینِ حجاز میں آجاتی ہے اور اسلامی لشکر کی سپہ سالاری کا تاج سید الانبیاء ﷺ کے سر پر رکھا جاتا ہے، اور شیطانی لشکر کی سپہ سالاری کے لیے ابوجہل کو منتخب کیا جاتا ہے۔

دارالندوہ میں قتل رسول کا پروگرام

کفارِ قریش نے دارالندوہ کے نام سے اپنا ایک پنچایت گھر بنا رکھا تھا جس

میں یہ لوگ جمع ہو کر اسلام اور ہادیِ اسلام کے خلاف تدبیریں سوچتے اور سازشیں تیار کرتے۔ یہ دشمنانِ اسلام، یہ کفار و مشرکین ایک دن بڑے پیمانے کی ایک میٹنگ رکھتے ہیں۔ سارے لوگ اپنی اپنی رائے پیش کر رہے ہیں، اتنے میں ایک سڑا ہوا کافر ابوالبختری کھڑا ہوتا ہے اور غصے میں لال پیلا ہو کر کہنے لگتا ہے، اے لوگو! تمہیں کچھ خبر بھی ہے؟ یہ محمد بن عبداللہ قرآن کی تلاوت کرتے پھرتے ہیں، اور قرآنی آیات کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ ہمارے بوڑھے ہوں یا جوان، عورتیں ہوں یا بچے، جو بھی اس کی تلاوت کی آواز سُن لیتا ہے، وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے، اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جاتا ہے، **لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** پڑھ کر محمد کی غلامی اختیار کر لیتا ہے۔ ابتدا میں تو غریبوں اور غلاموں ہی میں اسلام محدود تھا، اب تو مذہب اسلام کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ

عثمان غنی دامنِ اسلام میں چلا گیا۔ مصعب بن عمیر دامنِ اسلام میں چلا گیا۔ ابو سلمہ دامنِ اسلام میں چلا گیا۔ ابو جندل دامنِ اسلام میں چلا گیا۔ ابو حذیفہ دامنِ اسلام میں چلا گیا۔

ہمارے بڑے بڑے لیڈر، ہمارے بڑے بڑے رئیس، ہمارے بڑے بڑے بہادر شمعِ اسلام کے پروانے بنتے چلے جا رہے ہیں...... لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ محمد بن عبداللہ کو ایک کمرے میں قید کر لیا جائے اور کھڑکیوں سے کھانے پینے کا انتظام کر دیا جائے، اس طرح بنو ہاشم ہمارے خلاف بھی نہیں ہوں گے اور اسلام کا خاتمہ بھی ہو جائے گا۔ اِس زہریلی تقریر کے بعد ہشام بن عمرو نامی ایک کافر کھڑا ہوتا ہے اور کہنے لگتا ہے، میرا خیال تو یہ ہے کہ ابو طالب کے بھتیجے محمد بن عبداللہ کو شہر بدر کر دیا جائے۔ یہ سُن کر ابو جہل غصے میں سُرخ ہو کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور جھنجھلا کر کہنے لگتا ہے مجھے تمہاری کوئی تجویز پسند نہیں ہے۔ کیونکہ قید کر لینے سے بھی اسلام نہیں رُکے گا اور شہر بدر کرنے سے اسلام اور زیادہ پھیلے گا۔

اسلام ابھی تو مکّہ ہی میں پھیل رہا ہے، شہر بدر کرنے کی صورت میں دور دور تک، جگہ جگہ اسلام پھیلتا جائے گا...... لہٰذا میری صحیح رائے یہ ہے کہ ایک ایک قبیلے سے ایک ایک جوان تیار کرلو اور یہ سب جوان جمع ہو کر اندھیری رات میں تلواریں لے کر جائیں اور جب محمد بن عبداللہ گہری نیند میں سو جائیں، تو انہیں دھوکے سے قتل کردیں۔ اِس تدبیر سے اسلام اور بانیِ اسلام، دونوں کا ہی خاتمہ ہو جائے گا۔
شیطان جو شیخِ نجد کی صورت میں اس میٹنگ میں موجود تھا، خوشی سے اُچھل پڑتا ہے اور مچل کر کہنے لگتا ہے، اے قریش کے سردارو! سُنو! مَیں شیخ نجدی ہوں، مَیں تمہیں صحیح مشورہ دینے کے لیے نجد سے آیا ہوں، مَیں بھی ہشام اور ابوالبختری کی رائے کی تردید کرتا ہوں اور ابوجہل کی رائے کی تائید و توثیق کرتا ہوں۔

شیطان مردود کی اِس زہریلی تقریر سے سارے لوگوں میں اَور جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب وہ خوفناک رات آتی ہے، سارے نوجوانوں کا یہ شیطانی قافلہ تلواریں لے کر پہنچ جاتا ہے۔

کاشانۂ نبوت کا محاصرہ اور ہجرت کا مژدہ

اور کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرلیا جاتا ہے۔ اُدھر ربِ قدیر کا حکم پا کر سیدنا جبرئیل امین، سرورِ کائنات ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور کفارِ مکّہ کی سازش سے آگاہ کرتے ہیں اور ہجرت کا مژدہ سُنا کر روپوش ہو جاتے ہیں۔

شہنشاہِ کونین ﷺ بسترِ نبوت پر تاج دارِ ولایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سُلا دیتے ہیں اور خود بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لاتے ہیں اور ایک مٹھی کنکری ہاتھ میں لے کر کفار کی طرف پھینک دیتے ہیں۔ یہ کنکریاں سارے کافروں کی آنکھوں میں پڑتی ہیں۔ سارے محاصرین آنکھیں ملنے لگتے ہیں، اُنہیں خبر بھی نہ ہوئی، رسولِ اعظم اُن کے سروں پر خاک

ڈالتے ہوئے حرمِ کعبہ میں پہنچ جاتے ہیں، پھر وہاں سے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔......

یہ ہے نصرتِ الٰہی کی غیبی آواز یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ط واللہ متم نورہ ولوکرہ الکفرون ط

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

شمشیرِ بے نیام

ایک مرتبہ رسولِ کائنات ﷺ کسی غزوہ میں تھے، عین دوپہر کے وقت ایک درخت کے سایے میں آرام فرما رہے تھے۔ آپ کی تلوار درخت میں لٹک رہی تھی، اچانک ایک شیطان صفت کافر اُسی درخت کے پاس آ کر آپ کی مقدس تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگتا ہے، اے محمد! بتاؤ! تمہیں میری تلوار کے وار سے کون بچا سکتا ہے؟ انتہائی اطمینان کے ساتھ آپ جواب دیتے ہیں، مجھے میرا اللہ بچانے والا ہے، یہ سُنتے ہی کافر خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے، تلوار ہاتھ سے گر پڑتی ہے، رسولِ ہاشمی تلوار اُٹھا کر فرماتے ہیں، بتاؤ! میری شمشیرِ بے نیام سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ کافر زندگی سے مایوس ہو کر کانپنے لگتا ہے اور روتے ہوئے امان طلب کرتا ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ کو رحم آ جاتا ہے اور اُس کا قصور معاف فرما دیتے ہیں۔

حضراتِ محترم! کافروں نے تو یہ سمجھا تھا کہ محمد ﷺ کا کام آج ہی تمام ہو جائے گا اور ہمیشہ کے لیے اِسلام کا چراغ گُل ہو جائے گا، مگر نصرتِ الٰہی پکار پکار کر یہ کہہ رہی تھی کہ

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے، بجھا نہ سکے

یہودی عورت کی سازش

جنگِ خیبر کے موقع پر زینب بنت حارث یہودی عورت بکری کے گوشت میں زہر ملا کر رسولِ پاک ﷺ کے دسترخوان پر رکھ دیتی ہے۔ آپ تناول فرمانے لگتے ہیں کہ اچانک بوٹی سے آواز آتی ہے، یارسول اللہ ہمیں زہرآلود ہوں، مجھے تناول نہ فرمائیے۔ دریافت کرنے پر وہ یہودی عورت اقرارِ جرم کر لیتی ہے اور کہتی ہے، میں نے امتحان کے لیے ایسا کیا تھا کہ آپ واقعی سچے نبی ہیں یا نہیں۔

محبانِ گرامی! اِن حقائق کی روشنی میں بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ حق و باطل کی لڑائی میں ہمیشہ حق کا بول بالا رہا ہے اور قیامت تک رہے گا، اور باطل کا منہ کالا ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ چراغِ مصطفوی کو بجھانے کی لاکھ کوششیں کریں، لیکن یہ چراغ کبھی بجھا ہے، نہ بجھے گا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

سرزمین کربلا میں جنگ

خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کو پردہ فرمائے ہوئے ابھی کچھ عرصہ ہوا تھا، ۶۱ر اکسٹھویں ہجری میں حق و باطل کی یہ جنگ میدانِ کربلا میں رونما ہوتی ہے۔ پرچمِ حقانیت کے علم بردار اور اسلامی جاں نثاروں کے سپہ سالار، نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور باطل پرستوں کا قائد یزید پلید ہے۔ ایک طرف بائیس ہزار لشکرِ جرار، اور ایک طرف صرف بیاسی نفوسِ قدسیہ صغار و کبار، جس میں شامل عابد بیمار بھی ہیں اور ننھے مجاہد علی اصغر شیرخوار بھی ہیں۔

اسلام کے شیدائیو!

اس جنگ کا بھی وہی انجام ہوا، جو ہمیشہ ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ تاریخ کربلا شاہد ہے، کربلا کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سر کٹا دیا۔ گھر بار لٹا دیا، مگر دین پر آنچ آنے نہ دی۔ یزید پلید یہ سمجھ رہا تھا کہ حق مٹ گیا اور باطل سر بلند ہو گیا مگر میدانِ کربلا کا ذرّہ ذرّہ یہ اعلان کر رہا تھا اور آج بھی دنیا پکار رہی ہے کہ

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اور آئندہ بھی اُمّتِ مسلمہ کی آنے والی نسلیں شہدائے کربلا کو مبارک باد پیش کرتی رہیں گی کہ اے گلشنِ فاطمہ کے مہکتے پھول! ہم تیری اس حق پرستی، حق شناسی، حق گوئی کے قربان! تیری عظمت کو سلام، تیری ہمت کو سلام، تیری امامت کو سلام، تیری شہادت کو سلام، شہدائے کربلا کی محبت کو سلام۔ اسی لیے تو کسی نے نقاشی کی ہے۔

پی لیا جس نے آخر شہادت کا جام
اُس حسین بن حیدر پہ لاکھوں سلام

غیر حق کے سامنے مسلم کا سر جھکتا نہیں
یہ وہ طوفاں ہے پہاڑوں سے بھی جو رکتا نہیں

عظمتِ انسانیت حق کی رضا جوئی میں ہے
حق پرستی، حق شناسی اور حق گوئی میں ہے

چنگیز و ہلاکو کے مظالم

تاریخ اسلام پڑھنے والوں کو معلوم ہے کہ چنگیز و ہلاکو کے حملے اسلام کے

خلاف کتنے دشوار و دردناک تھے۔ اُن ظالم تاتاریوں کے ظلم و بربریت کی داستان سُن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے، آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں، چنگیز نے ایران و سمرقند اور بلخ و بخارا کی اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، مسلمانوں کا قتلِ عام کردیا، مسلمانوں کا شیرازہ بکھیر دیا۔ بخارا میں اُس ظالم نے مسلمانوں کے سروں کے مینار بنوائے، اُس جابر سفاک نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ میرا ہر سپاہی ایک مسلمان کا سر ضرور کاٹ کر لائے، ورنہ اُسی کا سر کاٹ کر مینار پر لگا دیا جائے گا۔

آخر کار اِس اعلان کا نتیجہ یہ نکلا کہ پچاس پچاس اشرفیوں میں بھی مسلمانوں کا سر نہیں ملتا تھا۔ ملتا کہاں سے، چُن چُن کر مسلمانوں کا قتلِ عام ہو چکا تھا اور اُن کے سروں کے مینار بنوائے جاچکے تھے۔ ظالم چنگیز نے مسجدوں کو منہدم کردیا، مدرسوں کو ویران کردیا، کتب خانوں کو برباد کردیا، اسلامی کتابوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنادیا، ظلم وستم کا یہ سلسلہ یہیں تک بس نہیں بلکہ...... یہ سلسلہ سالوں سال جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اُسی "چنگیز" کا پوتا "ہلاکو" بغداد پر حملہ آور ہوتا ہے اور قتل و غارت گری کے ایسے ایسے مناظر پیش کرتا ہے کہ دریائے دجلہ کا پانی مسلمانوں کے خون سے رنگین ہو جاتا ہے، تمام مسجدوں اور مدرسوں کو برباد کر دیتا ہے، مسلمانوں کی کچھ لاشوں کو جلا دیتا ہے اور کچھ لاشوں کو دریائے دجلہ میں پھینک دیتا ہے۔ گویا ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اب دنیا میں مسلمانوں کا وجود ہی باقی نہیں رہے گا۔

مسلمانو! خدا کی قسم جب کبھی مسلمانوں پر ایسا وقت آیا ہے، تو نصرتِ الٰہی سے مسلمانوں کے سر اونچے ہو گئے ہیں، مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا ہے...... دیکھئے ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ اُسی ظالم "ہلاکو" کا پوتا "ارغون" مسلمان ہو جاتا ہے، ہلاکو کی پوری تاتاری قوم آغوشِ اسلام میں آجاتی ہے۔ وہی تلواریں جو اَب تک اسلام کے خلاف چل رہی تھیں، اب اسلام کی حمایت میں چل رہی ہیں، ہر طرف اسلام کا غلبہ ہوتا ہے، ہر طرف اسلام کا بول بالا ہوتا ہے، اسلام کا چراغ روشن ہو کر ہی رہتا

ہے۔ اللہ ربّ العزت کا وعدہ سچ اور حق ہے، جو پورا ہو کر ہی رہتا ہے، یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولوکرہ الکفرون ط

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں ؎

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشہ مئے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

محبانِ گرامی!

تاریخِ اسلام میں اسلامی مجاہدین کی زندگی کا مطالعہ کیجیے۔ طارق اعظم ہو یا محمد بن قاسم، شہاب الدین غوری ہو یا محمود غزنوی، موسیٰ بن نصیر ہو یا ابوعبیدہ، سعد بن وقاص ہو یا خالد بن ولید، جاں نثار مجاہدین ہوں یا خلفائے راشدین، ہر ایک نے صبر و استقامت، استقلال و جرأت، تحمل و تدبر سے کام لیا اور اپنی جان کی بازی لگا کر شجرِ اسلام کی آبیاری کی۔ اللہ اللہ!

اُن کی جرأت و استقامت کا یہ منظر کہ پہاڑ اُن کو جھک جھک کر سلام کریں۔ اُن کی عبادت و ریاضت کا یہ عالم کہ فرشتے اُن پہ ناز کریں۔ اُن کے مراتب و منازل کا یہ عالم کہ حوریں اُن کی رفاقت کی تمنائیں کریں۔ اُن کی اخوت و مسرّت کی یہ کیفیت کہ میٹھے پانی کے چشمے اُن سے مہمان نوازی کا سبق سیکھیں۔ اُن کے رعب و جلال کا یہ عالم کہ ایوانِ کفر میں زلزلہ پیدا ہو جائے۔ اُن کی ہمت و شجاعت کا یہ عالم کہ فولاد کا قلب و جگر اُن کی نگاہوں کی شعاع سے پگھل کر موم ہو جائے۔

جنتی مسلمانو! خدا کی قسم جب کبھی بھی اُن اسلامی قائدوں کا خیال آتا ہے،

جب اُن مجاہدین کی ہمت و شجاعت کا نقشہ ذہن میں آتا ہے، تو جوشِ محبت سے آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔

نظر کے سامنے آتا ہے نقشہ ان دلیروں کا
کہ جن کا نام سُن کر دِل دہل جاتا ہے شیروں کا
فسانے زندہ ہو جاتے ہیں اُن شمشیر گیروں کے
جو محسن تھے شریفوں کے، جو قاتل تھے شریروں کے
وہی اللہ کے بندے جو زاہد تھے، نمازی تھے
مگر راہِ شہادت میں مجاہد اور غازی تھے
حریفوں کے لیے شمشیرِ جوہردار رکھتے تھے
حلیفوں کے لیے دامانِ گوہربار رکھتے تھے

موجودہ دور کے مظالم

اس صدی کے حالاتِ ماضیہ ہوں یا حالاتِ موجودہ، ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔

آج بھی مسلمانوں کا قتلِ عام کیا جا رہا ہے۔ آج بھی مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ آج بھی مسلمانوں کی عیدگاہوں پر غاصبانہ حملہ کیا جا رہا ہے۔ آج بھی مسلمانوں کی مسجدوں کو مندر بنانے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔ آج بھی مسلمانوں کی جائدادیں لُوٹی جا رہی ہیں۔ آج بھی مسلمانوں کی دکانیں جلائی جا رہی ہیں۔ آج بھی مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ آج بھی مسلمان غارت گری کے شکار ہیں۔ آج بھی مسلمانوں کی عصمت دری کی جا رہی ہے۔ آج بھی مسلمانوں کی حق تلفی کی جا رہی ہے۔ آج بھی مسلمانوں کی تباہ کاریاں کی جا رہی ہیں۔ آج بھی مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی سازشیں کی جا رہی

ہیں۔ بھاگل پور کا بلوا ہو یا کان پور کا حملہ۔ مراد آباد کی لڑائی ہو یا میرٹھ کی تباہی۔ ممبئی کی بمباری ہو یا گجرات کی بربادی۔ کارگل کی جنگ ہو یا کشمیر کی غارت گیری۔

کشمیر کی وادی سے لے کر کنیا کماری کی سرحدوں تک اور بنگال کی کھاڑی سے لے کر گجرات کی وادی تک، پورے ہندوستان میں یہ سارے مظالم اسی بنا پر تو ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

☆ افغانستان میں گولے بارود برسائے گئے، صرف اس لیے کہ وہ مسلمان ہیں۔

☆ فلسطین میں جارحانہ حملے پہ حملے کیے گئے، صرف اس لیے کہ وہ مسلمان ہیں۔

☆ عراق میں میزائل اور راکٹ داغے گئے، صرف اس لیے کہ وہ مسلمان ہیں۔

اُن ظالموں نے عراقیوں پر ایسے مظالم ڈھائے ہیں کہ جنھیں بیان کرنے سے دل دھڑکنے لگتا ہے، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگتا ہے۔

''کیوبا'' میں عراقی قیدیوں کو گاڑی کے اندر اس طرح مقفل کر دیا گیا کہ کسی طرف سے ذرا سی بھی ہوا آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ بھیڑوں اور بکریوں کی طرح ایک ہی گاڑی میں سیکڑوں لوگوں کو ٹھونس ٹھونس کر بھر دیا گیا تھا۔ پیاس کی شدت کا یہ عالم کہ ایک قیدی، دوسرے قیدی کا پسینہ چاٹ چاٹ کر پیاس بجھا رہا تھا۔ ابوغریب جیل میں عراقی قیدیوں کو منہ پر تھیلی باندھ کر کیچڑ کے اوپر پیٹ کے بل چلایا گیا۔

اُن امریکی ظالموں نے عراقی قیدیوں کو ننگا کر کے ایک دوسرے پر ڈال دیا۔

اُن امریکی ظالموں نے عراقی قیدیوں کو ننگا کر کے اُن پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

اُن امریکی ظالموں نے عراقی قیدیوں کی پیٹھوں پر زنانہ فوٹو چپکا کر اُن سے ناجائز سلوک کیا، آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ مسلمان ہیں۔ مگر ہاں، یاد رکھیے! کہ یہ لڑائی، یہ جنگ کوئی نئی جنگ نہیں ہے بلکہ

☆ یہ وہی حق و باطل کی جنگ ہے،

جو حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان ہوئی تھی۔

☆ یہ وہی حق و باطل کی جنگ ہے،
جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان ہوئی تھی۔

☆ یہ وہی حق و باطل کی جنگ ہے،
جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہوئی تھی۔

☆ یہ وہی حق و باطل کی جنگ ہے،
جو حضور ﷺ اور ابو جہل کے درمیان ہوئی تھی۔

☆ یہ وہی حق و باطل کی جنگ ہے،
جو حضرت امام حسین اور یزید کے درمیان ہوئی تھی۔

اس دورِ حاضر میں جگہ جگہ جو فسادات ہو رہے ہیں اور پوری دنیا کے مسلمانوں پر طرح طرح کے جو حملے ہو رہے ہیں، یقیناً یہ بھی حق و باطل اور کفر و اسلام ہی کی جنگ ہے۔

ابلیس کے نائبین، ابو جہل و یزید کے وارثین، چنگیز و ہلاکو کے جانشین لاکھ کوشش کریں، کہ پھونک مار کر نورِ خدا کا چراغ بجھا دیں، مگر یہ ناممکن ہے، کیونکہ حافظِ حقیقی اللہ رب العزت اپنے اُس نور کا خود محافظ و نگہبان ہے، ہزاروں سال سے دنیا دیکھتی رہی ہے اور صبحِ قیامت تک یہی دیکھتی رہے گی کہ

نورِ حق اسلام ہے اُس کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اُس کو مٹا سکتا ہے کون

تصویر کا پہلا رخ

ہر دَور میں ایسا ہوا ہے کہ شیطانی لشکروں کو وقتی طور پر غلبہ ہو گیا ہے، مگر پھر خداوندِ قدوس نے غیب سے ایسا سامان پیدا فرما دیا ہے کہ حق کا بول بالا اور باطل کا

منہ کالا ہو کر ہی رہا ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
تم جتنا دباؤگے اُتنا ہی وہ اُبھرے گا

ہندوستان ہو یا افغانستان، فلسطین ہو یا عراق، دنیا بھر کے شہیدوں کا یہ مقدس خون ایک دن ایسا رنگ لائے گا کہ اُن ظالموں کا بھی وہی حشر ہو کر رہے گا، جو اُن کے مورثین کا ہوا تھا۔

یہ خون ہمارا ہے چھوٹنے سے نہ چھوٹے گا
محشر کی عدالت میں دامن سے لگا ہوگا
یہ کافر کیا سمجھتے ہیں جو اپنے دل میں ہنستے ہیں
ابھی تو کربلا کا آخری میدان باقی ہے

پچھلی تواریخ کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجیے، کہ جو لوگ جل کر دینِ الٰہی کو مٹانے کے لیے چلے تھے، وہ خود ہی مٹ گئے۔

ابلیس چلا تھا مٹانے کے لیے، وہ خود ہی مٹ گیا۔ نمرود چلا تھا مٹانے کے لیے، وہ خود ہی مٹ گیا۔ فرعون چلا تھا مٹانے کے لیے، وہ خود ہی مٹ گیا۔ شدّاد چلا تھا مٹانے کے لیے، وہ خود ہی مٹ گیا۔ قارون چلا تھا مٹانے کے لیے، وہ خود ہی مٹ گیا۔ ابوجہل چلا تھا مٹانے کے لیے، وہ خود ہی مٹ گیا۔ ابولہب چلا تھا مٹانے کے لیے وہ خود ہی مٹ گیا۔ ابوالبختری چلا تھا مٹانے کے لیے، وہ خود ہی مٹ گیا۔ عتبہ چلا تھا مٹانے کے لیے، وہ خود ہی مٹ گیا۔ اُمیّہ چلا تھا مٹانے کے لیے، وہ خود ہی مٹ گیا۔ یزید چلا تھا مٹانے کے لیے، وہ خود ہی مٹ گیا۔

تصویر کا دوسرا رخ

اب ذرا تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھیے کہ جو لوگ دینِ الٰہی کو بچانے کے لیے

چلے تھے، وہ لوگ کیسے کیسے انعاماتِ الٰہی سے مالا مال ہو گئے۔

آدم صفی اللہ چلے، صفیت چل گئی۔ ابراہیم خلیل اللہ چلے، خُلّت چل گئی۔ موسیٰ کلیم اللہ چلے، کلیمیت چل گئی۔ عیسیٰ روح اللہ چلے، روحانیت چل گئی۔ محمد رسول اللہ چلے، رسالت چل گئی۔ ابوبکر چلے، صداقت چل گئی۔ عمر چلے، عدالت چل گئی۔ عثمان چلے، سخاوت چل گئی۔ علی چلے، شجاعت چل گئی

اور حد تو یہ ہے کہ میدانِ کربلا میں، بائیس ہزار کے نرغے میں تیروں کی بوچھار میں، تلواروں کے سایے میں، تین دن کے بھوکے پیاسے، نبی کے نواسے، علی کے دُلارے، فاطمہ کی آنکھوں کے تارے حسین چلے اور امامت چل گئی۔

ہر دَور اور ہر زمانے میں کروڑوں مسلمان راہِ حق میں جامِ شہادت سے سرفراز ہو چکے ہیں اور ابھی تک ہو رہے ہیں، مگر الحمد للہ! کہ مسلمانوں کی تعداد بجائے گھٹنے کے اور بھی بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔

شفیق مرحوم اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

نکالیں سیکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی میرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی
گھرے ہیں اس طرح بتیس دانتوں میں زباں جیسے
مگر مسلم کی خوئے شانِ ایمانی نہیں جاتی

اللّٰہ ربّ محمد صلیٰ علیہ وسلما
نحن عباد محمد صلیٰ علیہ وسلما

طارق اعظم اور فتح اندلس

فاتحِ اُندلس جناب طارق اعظم رحمۃ اللہ علیہ تاریخ اسلام کا وہ مسلم نوجوان ہے، جو اسلامی لشکر کا سپہ سالار تھا۔ جب کشتیوں کے ذریعے اپنی فوج کو لے کر اُندلس کے

ساحل پر پہنچتے ہیں اور تمام مجاہدین ساحل پر اُترتے ہیں، تو طارق اعظم تمام کشتیوں کو جمع کر کے آگ لگا کر جلا دیتے ہیں، اور مجاہدین سے فرماتے ہیں، اے لوگو! آنکھوں سے دیکھ لو اور خوب سمجھ لو کہ اب وطن پہنچنے کی کوئی صورت نہیں ہے، وطن دور ہے اور جنت قریب ہے، لڑنے یا مرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

مجاہدین اعتراض کرتے ہیں، اے طارق! نگاہِ عقل میں تمہارا یہ کام غلط ہے، کیونکہ دنیا عالمِ اسباب ہے اور یہی کشتیاں ہمارے لیے وطن پہنچنے کا ذریعہ تھیں، تو تمہارا کشتیوں کو جلا ڈالنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟

اسلامی فوجیوں کا اعتراض سُن کر طارق اعظم نہ گھبراتے ہیں، نہ ہی معذرت پیش کرتے ہیں، بلکہ پُروقار انداز میں جواب دیتے ہیں، کیا تم لوگ وطن وطن چلاّ رہے ہو! مسلمان جہاں پیدا ہوتا ہے، وہی اُس کا وطن نہیں۔ ارے دنیا کا ہر ملک ہمارا ہی وطن ہے، اُس کو فتح کر کے یہیں پر رہو اور اپنے پیدائشی وطن کو بھول جاؤ۔

طارق اعظم کی پُرجوش تقریر سُن کر مجاہدین کے دِلوں میں جوشِ جہاد اور زیادہ ہو جاتا ہے اور انتہائی شجاعت و بہادری کے ساتھ لڑنے کے لیے آمادہ اور تیار ہو جاتے ہیں، اور پھر کافروں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ پورا اُندلس فتح ہو جاتا ہے اور اس سرزمین پر پرچمِ اسلام لہرنے لگتا ہے۔

خالد کبھی ہاتھوں میں علم لیتے ہیں ۔۔۔ طارق کبھی موجوں پہ قدم رکھتے ہیں
ہر دَور میں اُٹھتے ہیں یزیدی فتنے ۔۔۔ ہر دَور میں شبیر جنم لیتے ہیں

بھارت کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہے

- مسلمانو! آج ہم نے اپنے اسلاف واخلاف کی تواریخ کو بھلا دیا۔
- آج ہم نے اپنے بزرگوں کی تواریخ کو فراموش کر دیا۔
- آج ہم نے اپنے رہنماؤں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا چھوڑ دیا۔

- آج ہم نے اپنے قائدوں کے بتائے ہوئے راستے کو بدل ڈالا۔
- آج ہم نے اپنے گذشتہ اسلامی لیڈروں کے فارمولے کو نظر انداز کر دیا۔
- آج ہم نے اپنے اسلامی مجاہدین کی روش کو ترک کر دیا۔

اے رسولِ اعظم کے وفادارو! اب آؤ غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر ہوش و خرد کے ساتھ اپنے قائدوں اور پیشواؤں کی تاریخ کا مطالعہ کرو، تو تمہاری آنکھوں سے غفلت کے حجابات اُٹھ جائیں گے، پھر تمہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ

تخت و تاج تمہارے لیے ہے، کافروں کے لیے نہیں۔ رعب و دبدبہ تمہارے لیے ہے، مشرکوں کے لیے نہیں۔ جاہ و جلال تمہارے لیے ہے، ظالموں کے لیے نہیں۔ شان و شوکت تمہارے لیے ہے، ذلیلوں کے لیے نہیں۔ حکومت و سیاست تمہارے لیے ہے، شریروں کے لیے نہیں۔

آج بھی دنیا کو یقین ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایک ایسا شرارہ موجود ہے، جو بھڑک اُٹھنے پر کفر و شرک کے تمام طلسماتی کارخانوں کو منٹوں میں جلا کر خاکستر کر سکتا ہے۔

اسلام کے پروانو! کیا تم میں آج کوئی ایسا نوجوان ہے جس کی رگوں میں طارق اعظم جیسا ایمانی خون ہو؟ آج ہماری پستی کا سبب یہی ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے طریقوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اور اغیار کے طریقوں کو اپنانا شروع کر دیا ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اِس ہندوستان کی سرزمین پر ہمارے باپ داداؤں نے گیارہ سو سال تک حکومت کی ہے۔

اِس سونے کی چڑیا انڈیا میں کسی کا سکہ چلا ہے اور نہ چلے گا، اگر چلا ہے اور چلے گا تو سلطان الہند خواجہ غریب نواز کا سکہ چلا ہے اور چلے گا...... کیوں؟

اس لیے کہ بھارت کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہے۔

اب رہا ہندوستان کی آزادی کا معاملہ تو اس میں بھی ہم پیچھے نہیں، اس میں ہمارا بھی خون شامل ہے۔

مجاہدین اسلام کی جانبازی

حضرات! جنگِ بدر کا نقشہ ذرا ذہن میں لائیے۔

ایک طرف تین سو تیرہ مجاہدین اسلام تھے، تو دوسری طرف ایک ہزار سے زائد دشمنانِ اسلام تھے۔

ایک طرف مصطفےٰ جانِ رحمت کے بے سروسامان غلام تھے، تو دوسری طرف بکثرت سازوسامان کفار و مشرکین بے لگام تھے۔...... مگر پھر بھی مجاہدین اسلام جان کی بازی لگا کر ڈٹے رہے اور اس گھمسان کی لڑائی میں بھی مسلمان ثابت قدم رہے۔

آخر کار آسمان سے ایسی فتح مبین نازل ہوئی کہ مسلمانوں کو غلبہ ہوا اور کفار و مشرکین کو شکست ہوئی۔

اسی طرح ایک مرتبہ مسلمانوں کا لشکر مصر فتح کر رہا تھا۔ بادشاہ نے اپنی فوجوں کے کمانڈروں کو بلا کر یہ مشورہ کیا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان جمعہ کی نماز بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ جمعہ کا دن بھی قریب ہے، اس لیے تم لوگ چالیس ہزار لشکرِ جرار لے کر پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ جاؤ اور عین حالتِ نماز میں مسلمانوں پر حملہ کر دو۔

چنانچہ جب مسلمان جمعہ کی نماز میں مشغول ہوئے تو چالیس ہزار لشکروں نے پہاڑ کی گھاٹیوں سے نکل کر اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اور سیکڑوں مسلمان زخمی ہوئے .... مگر مسلمان اس حال میں بھی نماز ادا کرتے رہتے ہیں۔ سلام پھیرنے کے بعد سارے مسلمان جوابی حملہ کر دیتے ہیں

اور تمام دشمنانِ اسلام کو محاصرے میں لے لیتے ہیں اور اس طرح قتل عام کرتے ہیں کہ تاریخ بتاتی ہے کہ ان چالیس ہزار لشکروں میں سے ایک بھی نہ بچ سکا، جو واپس جا کر اپنے بادشاہ کو اس جنگ کی آخری خبر سنا دیتا۔

حضرات!

یہ ہے ہم مسلمانوں کا جذبہ۔ یہ ہے ہم مسلمانوں کا ولولہ۔ یہ ہے ہم مسلمانوں کا حوصلہ۔ یہ ہے ہم مسلمانوں کا جوشِ جہاد۔ یہ ہے ہم مسلمانوں کا عزمِ مصمم۔ یہ ہے ہم مسلمانوں کا استقلال۔ یہ ہے مسلمانوں کی شجاعت۔ یہ ہے مسلمانوں کی ہمت۔ یہ ہے مسلمانوں کی جرأت۔ یہ ہے مسلمانوں کی غیرت

جب بھی دینِ اسلام کے حریفوں نے مسلمانوں کے جذبے کو اُبھارا ہے۔ جب بھی دینِ اسلام کے باغیوں نے مسلمانوں کو چھیڑا ہے۔ جب بھی دینِ اسلام کے دشمنوں نے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا ہے۔

تو فوراً مسلمانوں نے اُن باطل مذہب کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔ اُن باطل مذہب کی حکومت کو خاک میں ملا دیا ہے، اور یہ کہہ دیا ہے کہ۔

جب بھی ہم اُٹھ گئے ہیں شمشیر بکف ہو کر
دیکھا ہے اس زمیں پر چشم فلک نے رو رو کر

دور حاضر

آج بھی ہندوستان میں اسلام و مسلمین کو پسپا کرنے کے لیے ناپاک کوششیں جاری ہیں۔

چاہے اٹل بہاری واجپئی ہو یا ایل کے ایڈوانی۔ چاہے ڈرپوک توگڑیا ہو یا موذی مودی۔ چاہے شیو سینا ہو یا بی جے پی۔ (وغیرہ)

بابری مسجد کا موضوع اٹھا کر، رام مندر کی تعمیر کا بہانا بنا کر بنام امن وشانتی

یاترائیں نکال کر ہر ایک اپنا اپنا راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

ہر ایک اپنا اپنا الّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی دکان چمکانا چاہتے ہیں۔ ہر ایک اپنا اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں۔ ہر ایک اپنا اپنا خواب پورا کرنا چاہتے ہیں۔ ہر ایک اسلام کی صورت کو مسخ کرنا چاہتے ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے حریف ہیں، جو اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔

مگر اے حریفو! یاد رکھو! تم جس قدر اسلام کو مٹانے کی کوشش کرو گے۔

اُتنا ہی اسلام پھیلتا جائے گا۔ اُتنا ہی اسلام نکھرتا جائے گا۔ اُتنا ہی اسلام چمکتا جائے گا۔ اُتنا ہی اسلام بڑھتا جائے گا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
تم جتنا دباؤ گے اتنا ہی وہ اُبھرے گا
ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا
یہ ظالم کیا سمجھتے ہیں جو اپنے دل میں ہنستے ہیں
ابھی تو کربلا کا آخری میدان باقی ہے

يُرِيدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْكَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝

اے رسولِ ہاشمی کے دیوانو! مچل جاؤ! بزمِ عالم کی زینت تو ہمارے ہی قدم سے ہے۔

انجمن کی رونق تو ہم ہی سے ہے
انسانیت کا نکھار
چمنِ دہر میں گلشن کی بہار
پپیہے کی حسیں پکار

کوئل کی کوکو
آبشاروں کے نغمے
بھونرے کا ترنم
پھولوں کا تبسم
کلیوں کی چٹک
غنچوں کی مہک
سمندر کا سکوت
موجوں کی طغیانی
دریا کی روانی
سورج کی تابانی
چاند کی چاندنی
ستاروں کی انجمن
پہاڑوں کے روح پرور مناظر
زمین کا فرش مخملی
نیلگوں آسمان کا کشادہ شامیانہ
جنت کی حوریں
بہشت کی نہریں
فردوس کی بہاریں
خلد کی ساری نعمتیں
یعنی کونین کی ساری چیزیں

ہم مجاہدوں کے لیے ہیں۔ ہم شہیدوں کے لیے ہیں۔ ہم غازیوں کے لیے ہیں۔ ہم حاجیوں کے لیے ہیں۔ ہم روزہ داروں کے لیے ہیں۔ ہم نمازیوں

کے لیے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے لیے ہیں اور ہم سب کس کے لیے ہیں؟ تو تڑپ کر کہہ دیجیے۔ کہ

ہم سب غلامانِ مصطفیٰ خدا اور رسول کے لیے ہیں۔

دو جہاں کی نعمتیں ہم سب گدا کے واسطے
اور ہم سب ہیں خدا اور مصطفیٰ کے واسطے (مجاہد)

یہی وجہ ہے کہ ہم غلامانِ مصطفیٰ خدا اور رسول کی راہ میں اپنی جان، اپنی اولاد، اپنے مال و اسباب کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور پرچم اسلام کی سربلندی کے لیے ہر ظلم و ستم سہنے کو تیار رہتے ہیں۔

کون پرچم اسلام؟

وہ پرچمِ اسلام جسے جنگ بدر کے شہیدوں نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے جنگ احد کے شہیدوں نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے جنگ خندق کے شہیدوں نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے جنگ موتہ کے شہیدوں نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے جنگ یرموک کے شہیدوں نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے کرب وبلا کے شہیدوں نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے رسولِ ہاشمی نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے صدیق و فاروق نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے ذوالنورین اور حیدر نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے حضرت فاطمہ اور حضرت زینب نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے امام حسن اور امام حسین نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے حضرت حمزہ اور حضرت عباس نے سربلند کیا
وہ پرچمِ اسلام جسے حضرت بلال اور حضرت صہیب نے سربلند کیا

وہ پرچمِ اسلام جسے حضرت عبداللہ اور حضرت سعد بن وقاص نے سربلند کیا

وہ پرچمِ اسلام جسے حضرت ابوعبیدہ اور حضرت ابوحذافہ نے سربلند کیا

وہ پرچمِ اسلام جسے حضرت ابوسعید خدری اور حضرت سلمان فارسی نے سربلند کیا

وہ پرچمِ اسلام جسے حضرت خالد اور حضرت طارق نے سربلند کیا

ارے ہاں ہاں......

وہ پرچمِ اسلام جسے مجاہد سنِ اسلام نے سربلند کیا، وہ کبھی مسخ و زوال کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ ارے وہ کبھی سرنگوں بھی نہیں ہوسکتا۔

اسلام وہ پودا ہے کاٹو تو ہرا ہوگا   جتنا ہی تراشو گے اتنا ہی سوا ہوگا
ہم مردِ مجاہد ہیں مرنے سے نہیں ڈرتے   تلوار کے سایے میں ہر سجدہ ادا ہوگا

☆☆☆

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

کیوں؟ اس لیے کہ۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
تم جتنا دباؤ گے اتنا ہی وہ اُبھرے گا
ظلم وہ ظلم ہے اُبھرے گا تو دب جائے گا
خون وہ خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

یہی تو وجہ ہے کہ

جب بھی ہم اُٹھ گئے ہیں شمشیر بکف ہوکر
دیکھا ہے اس زمیں پر چشمِ فلک نے روکر

باطل سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کرچکا ہے تو امتحاں ہمارا
دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

آج کے نوجوانوں کا عالم یہ ہے کہ چاہے کتنا ہی کالا کلوٹا ''اُلٹا توا'' ہی کیوں نہ ہو، کریم پاؤڈر لگا کر ''سلمان خان'' اور ''شاہ رخ خان'' ہی بننا چاہتا ہے، بالوں کو اُلٹا سیدھا کٹوا کر اپنے کو ''تیرے نام'' ہی کہلوانا چاہتا ہے۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے کی بجائے نام ونمود کے لیے فیشن اور گانے بجانے میں ہزاروں روپے خرچ کر ڈالتا ہے۔

اے کاش!

☆ ہمارے نوجوانوں کے اندر طارق اعظم جیسا ایمانی خون ہوتا۔
☆ ہمارے نوجوانوں کے اندر شہاب الدین غوری جیسا حوصلہ ہوتا۔
☆ ہمارے نوجوانوں کے اندر محمود غزنوی جیسا جذبہ ہوتا۔
☆ ہمارے نوجوانوں کے اندر ابوعبیدہ جیسا ولولہ ہوتا۔
☆ ہمارے نوجوانوں کے اندر سعد بن وقاص جیسا جوش وخروش ہوتا۔
☆ ہمارے نوجوانوں کے اندر خالد بن ولید جیسا ذوقِ جہاد ہوتا۔
☆ ہمارے نوجوانوں کے اندر امام حسین جیسا شوقِ شہادت ہوتا۔

اے مسلمانو! اب بھی ہوش میں آؤ، دل میں خدا کا خوف اور آنکھوں میں نبی کی شرم پیدا کرو، قرآن کریم کے ارشادات پر غور کرو، پیغمبر اسلام ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی گزارو۔ اپنے پیشواؤں اور رہنماؤں کی

اداؤں کو اپناؤ۔ اسلامی مجاہدین کی طرح اپنے اندر ایمانی حرارت پیدا کرو۔

حوصلہ پست ہے کیوں عزم جواں پیدا کر
اُٹھ زمانے میں قیامت کا سماں پیدا کر
چیر دے سینۂ گردوں میں فغاں پیدا کر
شعلۂ غم سے کوئی برقِ تپاں پیدا کر
خوگر تیرہ شبی صبح ازل پیدا کر
جوشِ دل جوشِ اثر، جوشِ عمل پیدا کر

وما علینا الا البلاغ

❖❖❖